

تاریخ پونچھ

مکتبہ اسلامیہ

سہ ماہی آزاد

پونچھ

۱۹۵۷

از

سید محسن آزاد



ادارہ معارف کشمیر ہاڈمی گیل تحصیل بارغ پونچھ آزاد کشمیر

اس کتاب کے کسی بھی حصہ کو الگ کر کے پمفلٹ یا کتا بچہ کی صورت میں چھاپنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ جو صاحب ایسا کرے ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائیگی جہاں کی مقام پر اس کتاب کا مملوب ہو یا قاعدہ کتاب کا نام صفحہ نمبر اور یہ اشاعت درج کرے۔

نام کتاب _____ تاریخ پونچھ _____

نام مصنف _____ سید محمد آزاد _____

مقام اشاعت _____ ادارہ معارف کشمیر _____

ملی _____ محبوب پرنٹنگ پریس راولپنڈی _____

سول ایجنٹس آزاد کشمیر _____ جمید برادرزیک سیلرز راولا کوٹ _____

سول ایجنٹس برائے پاکستان _____ بک سینٹر حیدر روڈ راولپنڈی _____

ناشر _____ سید طالب حسین شاہ _____

نگران اشاعت _____ سید جاوید حسین گروپری _____

کتابت _____ سید عابد حسین شاہ _____

قیمت _____ ۱۵ پندرہ روپے _____

طابع _____ پورہری محمد دیندیر بھٹی _____

اشاعت اول _____ جنوری ۱۹۷۷ء _____ ادارہ _____ ایک ہزار _____

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مدد و بار	۱۷	۲۳	راجگان پونچھ کا دعویٰ	۷۳
۲	ویہ تفسیر	۱۷	۲۵	راجہ ہونی سنگھ	۷۵
۳	پونچھ کا بائبل پر مبنی حقیقہ	۲۰	۲۶	راجہ بلدیو سنگھ	۸۲
۴	نقشہ ریاست پونچھ	۲۱	۲۷	توحید حقوق ملکیت	
۵	پونچھ کی دواہاں	۲۶	۲۸	راجہ بلدیو سنگھ کی تیسری ترقی	۸۶
۶	پونچھ کے راستے	۲۸	۲۹	راجہ سنگھ پور سنگھ	۸۹
۷	پونچھ کے آثار قدیمہ	۲۹	۳۰	راجہ جگدھو سنگھ	۸۹
۸	قدیم تاریخ	۳۲	۳۱	سودھو ہندوؤں کے خلاف جنگ	۸۹
۹	سلطان محمود غزنوی کا حملہ	۳۶	۳۲	سلمان پونچھ کے مطالبات	۹۵
۱۰	کشمیر میں اسلامی حکومت کا قیام	۳۹	۳۳	ریاستی اسمبلی	۹۸
۱۱	راٹھور خاندان	۴۲	۳۴	پونچھ کی اصلاحی تحریکیں	۱۰۱
۱۲	راجہ فتح محمد خان	۴۴	۳۵	پونچھ کی سیاسی تحریکیں	۱۰۵
۱۳	راجہ عبدالرزاق خان	۴۵	۳۶	ریاست پونچھ میں مسلم کانفرنس	۱۱۳
۱۴	راجہ رستم خان	۴۶	۳۷	کی علی جہجدہ	
۱۵	راجہ مشہد بیاز خان	۴۸	۳۸	مسلم کانفرنس کی تحریک سول نافرمانی	۱۱۶
۱۶	راجہ مہاراج خان	۴۸	۳۹	اسمبلی کے انتخابات ۱۹۵۶ء	۱۱۹
۱۷	راجہ شیر باز خان	۴۹	۴۰	ہمارا راجہ ہری سنگھ کا دورہ	۱۲۰
۱۸	راجگان سدھو	۴۹	۴۱	ڈوگرہ خونی نقل و حرکت	۱۲۶
۱۹	آپ راجی	۴۹	۴۲	ہندوؤں اور سکھوں کا مکرور	۱۲۸
۲۰	ڈوگرہ خاندان	۵۵	۴۳	سر دار محمد ایما جیم خان کا دورہ	۱۲۰
۲۱	پونچھ پر ڈوگرہوں کا حملہ	۵۷	۴۴	چم ہری حمید اللہ خان کا دورہ	۱۳۲
۲۲	ڈوگرہوں کی باہمی جنگ	۵۹	۴۵	راولاکوٹ	
۲۳	راجہ دربار میں ملازمین کا دورہ	۶۱	۴۶	تھار کی بحران	۱۳۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۵	سری نگر میں اجلاس	۱۲۵	۶۸	معرکہ باغ	۱۷۷
۲۶	مسلم کانفرنسی رہنماؤں کی سرگرمیاں	۱۲۷	۶۹	معرکہ میرپور	۱۷۹
۲۷	تحفہ اجلاس	۱۲۹	۷۰	معرکہ گلگت و بلتستان	۱۸۰
۲۸	سیاسی و رہنماؤں کی گرفتاریاں	۱۳۱	۷۱	آزاد قیادت ریاست جموں و کشمیر کی پیغام	۱۸۱
۲۹	نیلہ بی بی اجلاس	۱۳۲	۷۲	آزاد قیادت کی ترتیب نو	۱۸۳
۵۰	پڑاؤ کی میں جلسہ	۱۳۷	۷۳	پاکستان میدان جنگ میں	۱۸۸
۵۱	ڈوگرہ قیام پر جلسہ	۱۳۸	۷۴	ہمارے غازی ہمارے شہید	۱۸۹
۵۲	سید غلام حسین شاہ کی شہادت	۱۳۹	۷۵	پہلوانوں کی پیغام	۱۸۹
۵۳	ہندوؤں اور سکھوں کا پیغام	۱۴۰	۷۶	مسلم کشمیر اقوام متحدہ میں	۲۰۲
۵۴	بیکٹن حسین خان میدان میں	۱۵۰	۷۷	قبائل پر قبضہ	۲۰۶
۵۵	نجاہ اول سردار عبدالقیوم خان کے	۱۵۲	۷۸	قبیلہ سدرن سدوزی	۲۰۸
۵۶	گاون کی تباہی	۱۵۲	۷۹	قبیلہ مدیاں منٹن	۲۲۵
۵۷	نہرو اور آزادی کشمیر کی تیاری	۱۵۶	۸۰	سادات گرو میزید	۲۵۷
۵۸	مری میں قومی افسروں کا اجلاس	۱۵۸	۸۱	ناریدرا چوت	۲۷۰
۵۹	نجاہ اول سردار عبدالقیوم خان	۱۵۹	۸۲	ڈھولنگی عباسی قومی	۲۷۱
۶۰	آئی پی پی ہندو	۱۶۰	۸۳	گنگوڑی کی	۲۸۷
۶۱	منظفر آباد پر حملہ	۱۶۲	۸۴	درونی منٹن	۲۸۷
۶۲	معرکہ نالنگا پور	۱۶۲	۸۵	منہاس راجپوت	۲۸۷
۶۳	تھوہیل سدرن قومی کے معرکہ	۱۶۸	۸۶	اخوان	۲۹۹
۶۴	معرکہ تھوہرا	۱۶۹	۸۷	سکھ	۳۱۲
۶۵	معرکہ منگ	۱۷۰	۸۸	گوجر	۳۱۲
۶۶	معرکہ بھیندر	۱۷۱	۸۹	جوتیل	۳۱۲
۶۷	معرکہ بھیندر	۱۷۱	۹۰		
۶۸	معرکہ راولا کوٹ	۱۷۳			

پیش لفظ

۱

جناب غازی بخت سردار محمد امیر ایم خان صاحب بار ایٹ لاء
باقی صدر آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

سید محمد آزاد کی زیر نظر کتاب تاریخ کشمیر میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

جہاں تک تاریخ کشمیر کے متعلق ہے اس کی تحریر مختلف تعاون پر مشتمل انداز سے کی جاتی ہے۔ یہ ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

علم کے لئے جو نئے سیکڑوں میں ہیں، یہ ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

سید محمد آزاد کی زیر نظر کتاب تاریخ کشمیر میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

سید محمد آزاد کی زیر نظر کتاب تاریخ کشمیر میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

انہوں نے جو نئے سیکڑوں میں ہیں، یہ ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
مضامین کی بنیاد پر لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کچھ کچھ کے لئے لکھی ہے جو کہ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس میں ایک نئے اور قوی دستاویز ہے۔ یہ کتاب اس میں معتقد نے
کے ایک شاعر کی طرف سے لکھی ہے۔

اٹ کے بیان ہیں پوری غیر جانبداری برقی ہے۔

سید محمود آزاد نے اپنی اس کتاب کے دوسرے حصے میں پونچھ کے چند مقتدر قبائل کی تاریخ لکھی ہے جو ایک قابل قدر خدمت ہے، انہوں نے تاریخ پونچھ سے پہلے تاریخ کشمیر کی پیش کی تھی اور اس کی طباعت اُخت کی گئی اور دوسری بھی خود بخوبی تھی، تاریخ کشمیر کی طرح سید محمود آزاد نے تاریخ پونچھ کی طباعت و اشاعت کی ونداری کا پونچھ بھی خواہ تھا یا نہ اور جتنا یہ ہے کہ یہ انہی کا کام تھا! ہماری دعا ہے کہ ان کی یہ کتاب مقبول ہو اور سرزمین پونچھ کی موجودہ تعلیم یافتہ نسل اس سے کما حقہ استفادہ کرے۔ سید محمود آزاد شہارک باد کے متقی ہیں کہ انہوں نے ناساعد حالات کے باوجود اپنی ذاتی جہد و جدہ لگن اور خاص سے ملک کی تھی خدمت انجام دی اور ملک کے علمی اور سیاسی حلقوں میں نام پیدا کیا۔

۳۰ جنوری
۱۹۴۵ء
ان راولپنڈی

دیباچہ

ان مختف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرمز کشمیر کے بعد یہ چاروں تاریخ پونچھ کے نام سے آپ کے سامنے ہیں، یہ میری چار سالہ محنت شائستہ کا حاصل ہے، میں جہاں نے تاریخ کشمیر کے نام سے ایک نیا اور ضخیم کتاب پیش کی تھی تو ملک کے سیاسی اور علمی حلقوں سے یہ اعتراض اٹھایا گیا تھا کہ اس کتاب میں ۱۹۳۲ء کی جنگ آزادی کے واقعات شامل نہیں! معترضین کا یہ اعتراض اپنی جگہ بالکل درست اور بجا تھا، کیونکہ میں نے کشمیر کی تاریخ و ماضی قدیم سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہی لکھی تھی اور میرا ارادہ تھا کہ بہاؤ آزاد کی کوشش کی تمام رد وادائیگیوں پونچھ کے ساتھ پیش کروں گا کیونکہ کشمیر کی جنگ آزادی کا آغاز حقیقت میں ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو اب یہاں پر تو اہل مظلوم آباد، میر پور، راجپوری اور ان دونوں نے مجھ سے یہاں پر قربانیاں دی تھیں، لیکن اس میں بنیادی اور مرکزی کردار اہل پونچھ ہی تھا جو ان کی تاریخ کا ایک مرکزی باب ہے اور جس پر پونچھ کی آنے والی نسلیں ہمیشہ ناز کریں گی۔

جو اب آزادی کشمیر کی تاریخ، داستان بیان کرنے سے پہلے میں نے سرزمین پونچھ کے قدیم جہد پر ایک جملہ پر نگاہ ڈالی ہے تاکہ ماضی کے واقعات کا بھی ایک ربط خاکہ ذہن میں رکھا جاسکے، جب تک کسی ملک کے ماضی کی تاریخ سے اطلاق نہ ملے جائے حال کہ داستان ناقص رہے ہے اور قبل کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا، یہاں تک پونچھ کی تاریخ کا تعلق ہے اس پر اب تک کتاب کی صورت میں کوئی دستاویز شائع نہیں ہوئی۔ غالباً ۱۹۳۲ء میں منشی محمد رفیع فوق نے تاریخ اقوام پونچھ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں ڈاکٹر خواجہ خان کا سرسری سا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فوق صاحب نے پونچھ کے تمام قبائل کے حالات لکھے ہیں، اس پر یہ کہ فوق صاحب نے پونچھ کے قبیلوں کی تاریخ ان کی اپنی دیانت کی روشنی میں مرتب کی ہے جس سے قبائل کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے تاریخ اقوام پونچھ بالکل نشت ہے کہ اس میں متعنا شانہ زلفہ پونچھ کے ماضی پر روشنی نہیں ڈالی گئی اور اس سے یہ سمجھا کر پونچھ کا اپنا کوئی ماضی نہیں بلکہ یہ ملک تھی جس میں بھی پونچھوں کے حکمرانوں کے تصرف میں رہا اور کبھی اس پونچھ کے راجے حکمرانی کرتے رہے۔

اس خیال کے پیش نظر جب راقم نے سرزمین پونچھ کے ماضی پر نگاہ ڈالی تو اندازہ ہوا کہ اس پہاڑی خطے سے تہذیب و تمدن کے کتنے گزرتے ہوئے اور پونچھ کے جن جن متنازعہ پرکے ہیں ان پر بھی ادب و ایمان جنگلات سے

ہیں ماضی میں ان مقامات پر شہر آباد تھے اور ان شہروں کے باشندے نہ صرف ہندو مت بلکہ گروہی اور جاتی مذہب سے آگاہ بھی تھے، پونچھ کے ماضی پر روشنی ڈالنے والی کتابوں میں سفرنامہ جوشنگ، کتاب الہنہ لکھنوی اور ڈاکٹر جی جی سی کی شہر و کتاب بڑی آفنیاب، پل سٹیٹس خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرزمین پونچھ کی تاریخی سرگذشت و تہذیب کی تاریخی سرگزشت سے بہت پرتی ہے اس سلسلہ کو مریوطہ انداز سے قلمبند کرنے کے لئے راقم نے ان تمام مآخذوں سے کام لیا ہے جو اس تہذیب کی دسترس میں تھے۔

جہاں تک مذہب کے حالات و کوائف کا تعلق ہے یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ یہ تمام واقعات اپنا ایک کسی ترتیب سے نہیں لکھے گئے اور جو جن وقت گذرنا گیا سیاسی مقاصد اور گروہی کشش کے باعث ان تمام واقعات کا علیحدہ یا ملا کر کوئی کوشش کی گئی، بعض حضرات نے انشاء پر وازی کے زعم میں ان واقعات کو اخلاقی و فائدہ بخشا اور بعض نے ذاتی مفاد کے باعث چند مسئلہ واقعات سے صرف انکار کیا بلکہ ان واقعات کو اپنے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سچہ و سچہ آزادی کشمیر کی اس روداد سے باہل ہے جس پر جس کی مثال دنیا کی تاریخوں میں بہت کم ملے گی۔

میں نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ جہاں آزادی کشمیر کے تمام حالات و مصلحتیں اور مزاجانہ مسائل سے قلمبند کروں۔ اس کے باوجود اگر کسی اہم شخصیت کا ذکر نہ کیا ہو تو اسے میری بذوق پر سرگزشتوں میں نہ کیا جائے، سرزمین پونچھ کی سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ میرا ارادہ تھا کہ پونچھ کے چند معتد قابل کے حالات بھی قلمبند کر کے جائیں اور اس کے لئے میں نے منشی محمد رفیق کی کتاب تاریخ اقوام پونچھ سے ایک ترتیب قائم کی تھی مگر افسوس کہ مانی پریشانی اور نامساعد حالات کے باعث چند قابل کے حالات شامل کتاب نہیں ہو سکے، اس سے یہ تاثر گزرنے لیا جائے کہ میں نے پونچھ کے دیگر قابل کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ میری پریشانیوں کو پیش نظر رکھا جائے، اگر حالات نے اجازت دی کہ اعداد قابل نے تعاون کیا تو یقیناً حالات اس سلسلہ کی دوسری جلد میں پیش کرنے میں جاملے گے۔

حقائق اپنے اُن دوستوں اور کرم فرماؤں کا سپاں گزار دیں جو اس کاوش میں میری مدد کرتے رہے ان میں جناب سردار محمد عبدالرشید خان صاحب ایم۔ اے۔ ای۔ ای۔ بی۔ ڈاکٹر و اطباء عزت آزاد کشمیر جناب حاجی مسٹر محمد شاہ صاحب جناب مسٹر محمد اکرم شاہ صاحب بی۔ اے۔ ای۔ ای۔ بی۔ ڈاکٹر و فنگ افسر ڈاکٹر کشمیر جناب محمد علی عثمان صاحب جناب مسٹر محمد بشیر احمد صاحب ایم۔ اے۔ اور سردار محمد اسحاق خان صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ غائب خاص میں بہت قابل ذکر ہیں۔

میر محمد آزاد ڈاکٹر سی اے بی اے پونچھ آزاد کشمیر
۱۰۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء

پونچھ کے مشرق میں وادی کشمیر، شمال اور شمال مشرق میں منظر آباد، مغرب میں حد درالجہ پاکستان کا علاقہ پٹنور اور پٹنوری اور جنوب میں جوں وغیرہ ہیں۔ اس ریاست کا کل رقبہ ۱۰۰ مربع میل ہے۔ اس کی کل آبادی ۱۹۷۱ء میں چار لاکھ اکیس ہزار سات سو تھی۔ مگر ۱۹۷۱ء تک اس میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں یہاں ۹۸ فیصد مسلمان آباد تھے۔

تجربہ

پونچھ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کوئی سختی رائے تحریری صورت میں موجود نہیں ہے۔ البتہ یہاں کے باشندوں میں ایک کہانی مشہور ہے، کہتے ہیں کہ جہاں پونچھ کا موجودہ شہر آباد ہے یہاں پہلے زمانے میں گڈریوں کی ایک بہت بڑی بستی تھی، یہاں کے گڈریے گڈریوں کے موسم میں اپنی بیمر بچیاں لے کر کشمیر کے ملحق پہاڑی علاقوں کی طرف چلے جایا کرتے تھے اور سردیوں میں واپس چلے آتے تھے، ایک مرتبہ جب ان کا قافلہ پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا تو آگے راجہ کشمیر کی سواری بھی آ رہی تھی، ان گڈریوں کی ایک لڑکی بے حد حسین تھی، جب راجہ کشمیر کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ فریفتہ ہو گیا لیکن گڈریے اپنی لڑکی کی شادی راجہ کشمیر کے ساتھ کرنے کے لئے تیار نہ تھے، راجہ کشمیر نے دل کے ہاتھوں پٹنور جو کہ اپنی ساری روک ٹی، کٹی دن تک سلسلہ جہانی ہوتی رہی، بالا حاکم دیشی اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اس لڑکی کی یادگار کے طور پر ایک شہر آباد کیا جائے اور اس شہر کا نام پونچھ رکھا جائے، چنانچہ راجہ کشمیر نے گڈریوں کی لڑکی سے شادی کی تو اس نے نالہ میناڑ کے کنارے ایک عظیم الشان شہر کا سنگ بنیاد رکھا اور کم دیا کہ یہ شہر ان گڈریوں کی ملکیت ہو گا، اور اس کا نام پونچھ ہو گا، اس کہانی کا ایک پہلو یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس علاقہ کے گڈریے موسم گرم مایں جب کشمیر کے قریبی پہاڑوں میں نیند سو جاتے تھے تو گروہ درگروہ کشمیر کی وادی میں اتر کر پھرتے، فاکہا درتسل کی وارداتیں کرتے تھے، یہ لوگ اس قدر وحشی اور دنگ تھے کہ ان کی دست درازیاں پر قابو پانا آسان نہ تھا اور ان کی شرانگیزیوں کے باعث وادی کشمیر کے باشندے بے حد پریشان تھے، ان کو قابو لینے کے لئے راجہ کشمیر نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ان کی ایک خوب صورت لڑکی سے شادی کر لی جس کا نام پونچھ تھا اور گڈریوں کو ممنوع احسان کرنے کے لئے دیا کہ ان سے ایک بڑا شہر آباد کر دیا تاکہ یہ بھگو لوگ خوش رہیں اور رشتہ داری کے باعث سلسلہ کشمیر پر دست درازی نہ کر سکیں۔

اس کہانی سے ہٹ کر جب ہم تاریخ کشمیر کے قدیم عہد پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہاں ہمیں پونچھ کے

موجودہ شہر کا بانی راجہ بک دکھائی دیتا ہے جس کا عبرت نامہ ق م تا س ۱۳۵ ق م ہے۔ یہ راجہ راوہ خاندان کا ۱۳ اداں نکلن تھا، جس کے حالات بیان کرتے ہوئے مورخ کہیں لکھتا ہے کہ یہ راوہ خاندان کے عالم ترین حکمران راجہ بہرہوکل کا بیٹا تھا، جب اس نے اپنے باپ کی جگہ منان حکومت منجانی توپ سے پہلے اپنے باپ کی بنیاد تینوں کا اداں کیا اور اس کے بعد اس نے تعمیری ترقی کی طرف توجہ دی، اس نے بنگلہ اور تعمیرات کے کشمیر کے جنوبی پہاڑی حصہ میں ایک شہر آباد کیا تھا جس کا نام پونچھ رکھا گیا تھا۔ پنڈت کلہن نے راجہ بک کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی حکومت کے آخری سالوں میں بھمانی ایک ہادوگر حکومت کشمیر میں داخل ہوئی اور اس نے جادو کے ذریعہ راجہ بک اور اس کے بہرت سے امراد کو ملک کر دیا تھا، پنڈت کلہن نے راجہ بک کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ راجہ بک نے گڈریوں کی لڑکی سے شادی کی تھی اور انہیں اپنا فرماں بردار رکھنے کے لئے راجہ نے شہر پونچھ تعمیر کرایا تھا۔ پونچھ کی وجہ تسمیہ پر بڑی ڈانٹے والا سب سے زیادہ اہم آخذ ہمارے پاس پنڈت کلہن کی کتاب راجا ترنگنی ہی ہے لیکن اس میں اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں، اس کہانی سے قطع نظر ہم دوسرے مآخذ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمل دوزخ و جہنم، لوہا لایا اور ہر کوٹ تھا جو موجودہ صدر مقام پونچھ سے ۴۰ میل دور شمال مشرق کی طرف ہے اور اس کی پوری تفصیل میں پیون تنگ کے سفر نامہ سے مل جاتی ہے جو سن ۱۳۵۰ء میں اس طرف آیا تھا۔

شہر یعنی سیٹیاہ پیون تنگ نے اس پہاڑی علاقہ کے حالات اپنے سفر نامہ کی پہلی جلد میں خاصی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ اس علاقہ کا نام جو دریا سے جہلم اور چناب کے درمیان ہے دادا بہا راہی ریلے لیکن جب وہ اس حدود میں داخل ہوا تو یہاں کے مقامی باشندے اس علاقہ کو پوس، پروس اور پونچھ کہتے تھے جس کے معنی سنسکرت زبان میں کسی مملکت کے خارجی حصہ کے ہوتے ہیں۔ اور یہ تینوں نام ہم معنی ہیں۔ پیون تنگ نے پونچھ کے جغرافیائی حالات کے ساتھ ساتھ اس کے مختلف علاقوں سیٹیاکوٹ، میرپور، کوئی اور جادی وغیرہ کا بھی سرسری طور پر ذکر کیا ہے پونچھ کا ذکر کرتے ہوئے وہ بتاتا ہے کہ یہ ملک کشمیر سے ۷۰۰ کی یعنی ۱۱۴ میل دور جنوب مغرب کی طرف واقع ہے، اور اس میں پہاڑا دیے شمار کیے جاتے ہیں اور یہاں ایک خاص موسم میں تخم ریزی کی جاتی ہے، چینی سیلج پیون تنگ کے بیان کردہ جغرافیائی حالات پر دفرڈ کے سفر نامہ میں بھی روشنی

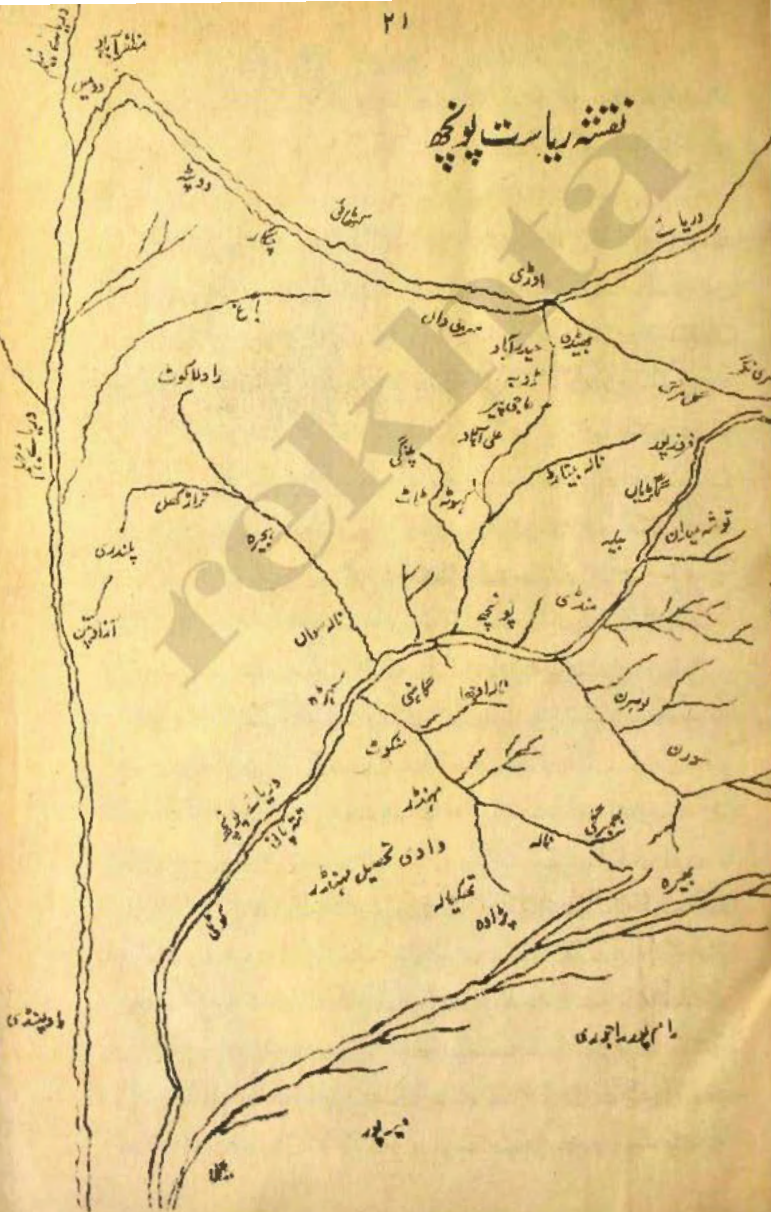
ڈالتی ہے اور بتاتا ہے کہ اس ملک کا پرانا نام پونچھ ہی ہے جو کشمیر کا ایک حصہ ہے۔ مرزا مغل بیگ وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس ملک کے قدیم باشندے کاش یا کش ہیں جو موجودہ وقت کے کشمیر کہلاتے ہیں۔ اور مغل آباد پونچھ میں آج بھی ہیں۔ مرزا مغل بیگ کے علاوہ اس ملک کے جغرافیائی حالات پر کسی قدر روشنی جنرل گلگھم نے بھی ڈالتی ہے۔ مگر اس کا بنیادی آخذ بھی پیون تنگ کا سفر نامہ ہے۔ جہاں تک نقطہ پونچھ کا تعلق ہے اس کے معنی سنسکرت زبان میں کسی مملکت کے اضافی یا اضافی حصہ کے ہی ہوتے ہیں لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہ اضافی یا خارجی حصہ کب قائم ہوا اور اہل پونچھ کو یہ نام کشمیر کی طرف سے ملایا اس کا سبب کچھ اور ہے؟ اس سوال کا معقول ترین جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں مملکت دہر کوٹ کے حالات پر روشنی ڈالنی چاہیے جس کا ذکر پنڈت کلہن نے کیا ہے اور جے ایس وی نے لکھا ہے ہم بتانگے ہیں کہ پونچھ کے موجودہ شہر سے ۳۵ میل دور شمال مشرق کی طرف ایک مقام دہرین، دہر کوٹ یا لولا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان مملکت کا صدر مقام تھا اور یہاں کے کنڈرات بتا رہے ہیں کہ سینکڑوں سال پہلے یہاں بے مثال عمارتیں موجود تھیں جو تراشیدہ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں، چنانچہ جب دریا کے کنارے موجودہ شہر پونچھ کی تعمیر ہوئی تو یہ شہر پونچھ یا لولا اور ہر کوٹ کا اضافی اور خارجی حصہ قرار پایا اور اسے یہ نام اہل کشمیر کی طرف سے نہیں لکھا بلکہ لولا یا لولا ہر کوٹ کی طرف سے ملا۔ اور پونچھ کا الحاق مملکت دہر کوٹ کے ساتھ تھا جس کا ذکر کشمیر کی تاریخ کے قدیم مآخذوں میں ہے، موجودہ شہر پونچھ کے شمال مشرق میں لولا کے جو کنڈرات ملتے ہیں ان کے تراشیدہ پتھروں اور عمارت کی بنیادوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انوں تک پھیلا ہوا یہ عقیدہ انماں کشمیر ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ تھا اور تہذیب و تمدن کے ہزاروں قائلظروں پر فضا دادیوں سے گزرتے رہے ہیں، شہر مورخ پنڈت کلہن کے تحریر کردہ حالات کا بڑا حصہ اگرچہ روایتی اور فاضلوی انداز پر مشتمل ہے لیکن اتنی بات واضح ہے کہ لولا یا لولا ہر کوٹ کے مقام پر جو وسیع شہر آباد تھا یہ موجودہ شہر پونچھ سے سینکڑوں سال پہلے تھا اور اس نام پہاڑی علاقہ پر چرواہے اقلاد رکھتے تھے ان کا صدر مقام لولا یا لولا ہر کوٹ ہی تھا جنہوں نے کشمیر پر بھی

ایک طویل مدت تک حکومت کی ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پونچھ سلطنت لوہارا پور کوٹ کا اضافی حصہ تھا اور اس کی تعمیر کی غرض دفاعیت یہ تھی کہ لے سر دیوں کے والا ٹکا دست کا درجہ حاصل تھا، پونچھ کے موجودہ شہر سے آگے بلندیوں پر لوہارا راجہ کی کے جوا مارا ب تک موجود ہیں ان کا سلسلہ بتدریج ٹیلوں کی صورت میں کوٹ اور علی آباد تک پھیلتا چلا جاتا ہے اور اس کے جہاں پرانے کھنڈرات ملتے ہیں یہ مقام کافی سرد ہے گمان غالب ہے کہ سلطنت لوہارا کے راجاؤں نے پونچھ کے موجودہ شہر کو سرانی دارا حکومت کے لئے تعمیر کیا تھا اور اس کی تعمیر کے بعد اسے پونچھ کے نام سے اس لئے موسوم کیا ہے کہ یہ لوہارا سلطنت کا خارجی حصہ تھا۔

پونچھ کا بالائی پہاڑی سلسلہ
پونچھ کا صدر مقام یعنی شہر ایک خوبصورت دادی سے شہابیت رکھتا ہے جس کا ایک حصہ ہمالیہ کے برتقا نوں، پیر پتال، اولہ پیر اور ترکوئی تک ہے اور دوسرا حصہ بتدریج ڈھلوانوں کی صورت میں دیا ہے جہلم کے کناروں تک چلا گیا ہے، اور اس طرح اس ساحلی سرحد کو تنگ کے قریب سے لے کر چتر گلاس تک شمار کیا جاسکتا ہے، ریاست پونچھ کی یہ سرحد جو ریاست جہلم کے ساتھ ساتھ ہے ریاست کے لئے انتہائی اہم ہے کیوں کہ ریاست پونچھ سے پاکستان میں داخل ہونے والے تمام راستے اس طرف سے ہیں۔

ریاست پونچھ کا تاریخی شہر اکھوڑی ناٹ کے دامن میں دیا ہے پٹناڑ کے کنارے آباد ہے اور ریاست کی دوسری سرحد جو اسے کشمیر سے الگ کرتی ہے درہ بانہال سے شروع ہو کر چتر گلاس تک چلی گئی ہے، یہ تمام سرحد پرانی پہاڑوں کی قطاری کی صورت میں ہے اور ان پہاڑوں میں گنجان جنگلات میںوں تک پھیلے ہوئے ہیں، ریاست پونچھ کی یہ قدرتی سرحد جو ایک کمان نما فیصل کے مانند ہے بانہال سے لے کر چتر گلاس تک ایک گزیتیں میں ملی ہوگی اور اس فیصل کو عبور کرنے والے کئی پیدل راستے ہیں جو دادی کشمیر کی طرف جاتے ہیں۔ پونچھ کا مرکزی مقام شہر دیا کے کنارے اسی جگہ آباد ہے جہاں سے بیک درتیک خوبصورت وادیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان وادیوں میں قدرتی مناظر کے لئے دادی سوسپنر بے مثال ہے۔ اس وادی کے درمیان سے دریا سانپ کی طرح بہن لگتا ہے جو لگندتا ہے اور شہر پونچھ سے تھوڑی دور نیچے جنوب کی طرف نالہ پٹناڑ میں شامل ہو جاتا ہے، شہر سے ۱۲ میل دور شمال مشرق کی طرف منڈی ناں ایک قصبہ ہے جو پیلووار کے علاقے سے لے کر ہے۔ یہ قصبہ دیہاڑوں

نقشہ ریاست پونچھ



کے درمیان ایک پرکیت مقام پر ہے اور یہاں کا شہر برف کی طرح سفید ہوتا ہے، منڈی سے ایک میل دور ہندوؤں کا ایک تیرتھ امرنا تھو کے نام سے مشہور ہے، جہاں ڈوگرہ راجے اور ریاستی ہندو دیا تڑا کے لئے آیا کرتے تھے۔

منڈی سے دس میل دور شمال مشرق کی طرف لوہربن، لوہرکوٹ یا لودھانا کی تازگی مقام ہے جو سینکڑوں سال پہلے اس پہاڑی ریاست کا دار الحکومت تھا اور جس کا ذکر یوں تسنگ دایبیٹنی نے کیا ہے۔ لوہرکوٹ کے مقام پر پانی عمارتوں کے کھنڈرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور یہاں ایک مضبوط قلعہ کے آثار بھی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہاں ایک پرشکوہ شہر آباد تھا، یہاں دو تاریخی ٹیلے تھے اور مگر کے نام سے مشہور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ٹیلوں پر زمانہ قدیم میں دو قلعے ہوئے ہوں گے مگر اب ان کے آثار محو ہو چکے ہیں، منڈی سے پونہیں دور مشرق کی طرف ایک مقام منڈی کا گٹ ہے یہاں بھی پانی عمارتوں کے آثار ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں بھی دار الحکومت لوہرکوٹ سے تعلق رکھتی تھیں، منڈی سے اڑھائی میل دور شمال مغرب کی طرف ایک پہاڑ پلائی نامی ایک گاؤں آباد ہے۔ یہاں بھی پانی عمارتوں کے کھنڈر پائے جاتے ہیں اور ایک پرانے قلعہ کے آثار بھی موجود ہیں، یہاں سے چھ میل دو ایک مقام جھمبر ہے جو خاص طور پر مشہور ہے، یہاں کے آثار قدیم بنا رہے ہیں کہ قدیم زمانے میں یہاں عظیم الشان شہر آباد کیا گیا تھا جو سیلوں تک پھیلا ہوا تھا، پونچھ شہر کی سرحد پر درہ مادی پیر کے دامن میں تاریخی مقام علی آباد ہے، جہاں سے ایک شاہراہ کشمیر کی طرف جاتی ہے، اس طرف سے کشمیر جانے والے اور بھی پیدل راستے ہیں جو مغل مرگ اور شہر پیاں کی طرف جاتے ہیں، مگر تاریخی اہمیت اسی بڑی شاہراہ کو حاصل ہے جو مغل سلاطین نے تعمیر کرائی تھی، علی آباد کے قریب مغل فرمازاوا جھنگر نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی تھی جس کے کھنڈرات اس عہد کی یاد تازہ کرتے ہیں، مغل حکمرانوں نے یہ سرائے مسافروں کے لئے تعمیر کرائی تھی تاکہ کشمیر کی طرف سے تجارتی سامان لے جانے والے تاجروں اور دیگر مسافروں کو سہولت ہو، اس عظیم الشان سرائے کے کھنڈرات اب ہر کرتے ہیں کہ مغل عہد میں کشمیر کی طرف زیادہ آمد و رفت اس طرف سے ہی تھی، مغل سلاطین کی تعمیر کردہ بڑی ٹولی کے آثار سننے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی تعمیر جو خاص توجہ دی گئی تھی، قدیم جہاز پلو

نے کشمیر اور پونچھ کے درمیان پھیلی ہوئی اس کمان نما قدرتی سرحد اور کشمیر کی دیگر سرحدوں پر پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلہ کو تین محلوں میں تقسیم کیا ہے۔

ان پہاڑوں کا جو کشمیر کے زیادہ قریب ہے اسے پیر پناہ کہتے ہیں اور پیر پناہ کے دامن سے لے کر جنوب مغرب کی طرف جو پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے کشمیر کے لئے ایک قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے جغرافیہ دان سر ہفرڈ کا خیال ہے کہ اس قدرتی سرحد کا آغاز دہان سے ہوتا ہے جہاں درہ بانہال منڈی سے صرف ۹۲۰۰ فٹ تک بلند ہے اور یہ پہاڑوں کے اس نشیب کو نمایاں کرتا ہے جو مشرق کی جانب پھیلے ہوئے ہیں، یہ پہاڑی سلسلہ ۳۵ میل تک مشرق سے مغرب کی جانب پھیلتا چلا گیا ہے اور اس کے بعد اس کا رخ بتدریج ڈھلوانوں کی صورت میں وادی کشمیر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دوسرا اسی طرح پہاڑوں اور ٹیلوں کی صورت میں پونچھ کے صدر مقام کی طرف ہے اور علی آباد کی بڑی شاہراہ اس کے درمیان حصے سے گذر کر وادی کشمیر کی طرف اتارنا شروع ہو جاتی ہے جو سر پٹنگ جلی گئی ہے، اس کے علاوہ اس طرف سے جو جوٹے چوٹے پہاڑی راستے کشمیر کی طرف جاتے ہیں یہ سب اسی بلند فہیل کو عبور کرتے ہیں اور پونچھ کا موجودہ شہر اس کے جنوب مغرب میں آباد ہے۔

جغرافیہ دانوں کی تقسیم کی روش سے اس پہاڑی سلسلہ کے دوسرے حصہ کو درہ باناشال کہتے ہیں اور درہ بانہال کا پہاڑی سلسلہ کافی بلند ہے۔ بلائی وادی پنجاب اور پاکستان کے ساتھ ملحقہ علاقوں کی طرف ملنے والے آسمان راستے اسی طرف سے ہیں۔ درہ باناشال کا نام یہاں کے ایک مقامی گاؤں باناشال کے نام پر ہے جو اس درہ کے جنوبی دامن میں ہے اور یہاں بھی پانی عمارتوں کے آثار ملتے ہیں۔

پیر پناہ کے فک بوس پہاڑی سلسلہ میں صرف درہ بانہال ہی ایک ایسا راستہ ہے جسے برناری کے موسم میں بھی عبور کیا جاسکتا ہے، بانہال کے مغرب میں تین برف پوش چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں جو سرحد کی سطح سے ۱۵ ہزار فٹ تک بلند ہوں گی۔ ان کو عبور کرتے چوٹیوں کا منظر وادی کشمیر سے بھی دکھائی دیتا ہے، ان چوٹیوں کو مشہور کشمیری مترجم پنڈت کلہن نے برہم مشیکھر کا نام دیا ہے اور آرل شین نے دیوانی چوٹی کی بلندی ۱۶ ہزار فٹ تک بتائی ہے، ہندوؤں کا مشہور ٹوند من تیر تھا اسی چوٹی پر ہے۔ اس کے علاوہ اس چوٹی پر ایک خوبصورت اور شگفتہ جھیل کوم سرس کے نام سے مشہور ہے جسے دیپا کے جہلم کا بہن خیال کیا جاتا ہے۔ اس جھیل سے آٹھ میل دور مغرب کی طرف ۱۴ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک اہم

دہ ہے جسے دہ سدہ یا دہ بڈل کہتے ہیں۔ یہ دہ اس راستہ پہلے جو ایک سیدی گلی کی طرح سڑک
کی طرف جاتا ہے۔ اس دہ کے ساتھ ساتھ جو پہاڑی سلسلہ ہے اس کے نشیبی حصوں سے کئی پیدل
راستہ وادی کشمیر کی طرف جاتے ہیں، یہاں سے جون ۱۲۹ میل دور ہے اور بانہال کی طرف سے
جون کی مسافت ۷۷ میل تک شمار کی جاتی ہے، یہاں سے دہل میں آگے سلسلہ رتن پنجال کا
آغاز ہوتا ہے، دہ سدہ یا بڈل سے چند میل آگے دہ ادپری اور دہہ حال واقع ہیں جن کی بڑی
سمندر کی سطح سے ۱۳ ہزار فٹ تک ہے اور ان دونوں کے درمیان سے گزر کر ایک بڑی سڑک راجوری
کی طرف جاتی ہے یہ آگے جا کر اس شاہراہ میں ملتی ہے جو جن عکملوں نے گمراہ سے کشمیر جانے کے
لئے تعمیر کرائی تھی، ممبر اور راجوری کی طرف سے جو مسافر پیدل سفر کرتے ہیں دہہ شور پور ان کے لئے
اہم پڑاؤ کا کام دیتا ہے، یہاں سے تھوڑی دور ایک اور دہہ ہے جسے اہلی دروازہ کہتے ہیں اس
دہہ کے قریب سے کئی پیدل راستے الگ ہوتے ہیں اور وادی یار مینہ یہاں سے ۸ میل تک ہے
دہہ ادپری اور پیر پنجال کی طرف سے آئے دے تمام ندی نالے یہاں آپس میں مل جاتے ہیں اور
اسس طرح یہاں جو ایک ٹکون سی بن گئی ہے اسے یہاں کے لوگ کامل کوٹ کہتے ہیں، یہاں کے بعض
آثار بتاتے ہیں کہ پچھلے زمانے میں کسی ہندو راجہ نے یہاں قلعہ تعمیر کرایا تھا مگر اب اس کی صرف
بنیاد ہی رہ گئی ہیں، اس مقام سے چار میل آگے علی آباد ہے۔

علی آباد کے ایک قریبی پہاڑی سلسلہ کا نام ہستی دینج ہے اور پونچھ کا صدر مقام اور اس کا
بالائی پہاڑی حصہ بالکل ہستی دینج کے دامن میں ہے، ہستی دینج سے تھوڑی دور جنوب
مغرب کی طرف ایک پرانی عمارت کے کھنڈر ملتے ہیں جس کا نام شیش نے ہشت پہلو درج
بتایا ہے، شیش نے اس کی وضاحت نہیں کی، لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ مغلیہ عہد میں یہ عمارت
ایک قلعہ کے طور پر تعمیر کی گئی ہے کیونکہ اس کے آثار قلعہ نما ہیں۔

پہاڑی ہستی دینج سے ایک مودی ڈھلوان پونچھ کے صدر مقام کی طرف جاتی ہے اس
ڈھلوان کے ساتھ ایک گاؤں آباد ہے جسے شہر مورخ کلہن نے پشان ناؤ کہا ہے اور لکھا
ہے کہ وادی کشمیر میں جو لوگ سرکشی و بغاوت کرتے تھے وہ اسی علاقہ میں آکر چھپتے تھے
پشان ناؤ سے ایک راستہ مغرب کی طرف جاتا ہے، جس کے ساتھ ساتھ مال دوشی بہتا ہے اور

اس سے اگی منزل بہرام گڑ ہے، بہرام گڑ سے ایک راستہ جنوب کی طرف نکلتا ہے جو دہ رتن پیر سے نکلتا
ہے اور اس پہاڑی فیصل کو عبور کرنا ہے جس کی بلندی سمندر کی سطح سے ۱۳ ہزار فٹ تک ہے اور جس کے
بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ پیر پنجال ہی کی ایک شاخ ہے، بہرام گڑ سے دوسرا راستہ راجوری کی طرف
چلا گیا ہے، تہہ کوئی کا بلند پہاڑ چوٹی مچی ۳۰۰۰ فٹ ہے اور شمال مغرب کی طرف ہے اور اس تمام برفانی پہاڑی
حصہ کو تہہ کوئی ہی کہا جاتا ہے جس کی بلندی سمندر کی سطح سے ۱۵۵۲۲ فٹ ہے، یہ برفانی چوٹی کبیری
سے جو کہ ایک بلندی نار کی طرح دکھائی دیتی ہے اور یہاں سے جو کہ کشمیر کی وادی ایک پیالے کی طرح نظر
آتی ہے، یہاں کا شامی حصہ مودی ڈھلوان اور خطرناک چٹانوں پر مشتمل ہے اور شہر گلگیر کلاہک ان
چٹانوں کے آخری حصہ میں واقع ہے۔

دہہ توش میدان یا دہہ میدان وادی کشمیر اور وادی لوہر کوٹ کے درمیان ایک مفبوطہ قلعہ یا دیوار
کا کام دیتا ہے اور پونچھ شہر کی طرف سے جس قدر اٹنے کشمیر کی طرف جاتے ہیں وہ سب اس دیوار کو عبور
کرتے ہیں، دہہ توش میدان نعمانہ قدیم سے ہی ایک طرف پونچھ کے لئے ایک اہم مورچہ کا کام دیتا اور وادی
طرف کشمیر کے لئے بھی سرحدی چوکی تصور ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ پرانی تاریخوں میں اس کا ذکر کمزرت
ابیرف ادران کے معاصرین نے ان کا ذکر پوری تفصیل سے کیا ہے، کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود غزنوی کی فوجیں
دہہ توش میدان تک جا پہنچیں اور اس نے قلعہ لوہر کوٹ (جسے فرشتہ نے لوہ کوٹ لکھا ہے) کا خاکہ
کیا تو رقبہ باری شہر و باغی اور سلطان محمود غزنوی عمارہ اٹھا کر پنجاب کی طرف چلا گیا۔

لوہر کوٹ یا لوہرین کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ تاریخی شواہد اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ
مقام صدر دہلی کی عظیم تہذیب کا دفین ہیں۔ پونچھ کے صدر مقام شہر اور وادی کشمیر کے میدان
کھڑے برفانی سلسلہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم ان پر کثیف وادیوں کی طرف آتے ہیں
جن کے طبعی طاقے بنانے سے یسارت پونچھ کا مرکزی مقام سطح سمندر سے ۳۳۰۰ فٹ تک بلند ہے
یہی وجہ ہے کہ اس کی آب و ہوا معتدل ہے، سرداں میں یہاں سردی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ
اس کی سرحدیں صرف ایک پہاڑی کھڑے ہیں جو موسم سرما میں برف سے ڈھک جاتے ہیں، اور ان پہاڑوں
کے زیریں حصہ یعنی شہر پونچھ میں سردی کی لہر تیز تر ہوتی جاتی ہے، اور گرمیوں میں قدرے گرمی اس
سبب سے ہوتی ہے کہ اس سے ملحقہ پوٹھوار کے میدانوں میں پڑنے والی گرمی کی لہر شہر پونچھ تک پہنچ جاتی ہے۔

پونچھ کی وادیاں

جس طرح خاقان کائنات نے وادی کشمیر کی ساخت میں ایک خاص حسنا پونچھ کی تخلیق میں بھی اپنی قدرت کاملہ کا مکمل واکمل مظاہرہ کیا ہے، پونچھ کے نقشہ پر غور سے دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ ریاست دس بڑی بڑی وادیوں پر مشتمل ہے، مگر جب ہر وادی کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر وادی اپنے وامن میں کئی اور وادیاں رکھتی ہے۔ اور اس طرح ان پر کثرت وادیوں کا سلسلہ ریاست پونچھ کے سولہ سو مربع میل پر محیط ہے جس کی ترتیب اس طرح قائم کی جاسکتی ہے۔

وادی تابیہ۔ یہ وادی مہنڈلہ سے سوہرن تک کم از کم ۲۵ میل لمبی ہے۔ اس وادی کے درمیان سے دریائے پونچھ بہتا ہے اور پونچھ کا موجودہ شہر بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہے۔ اس وادی کے دونوں طرف جو چھوٹے چھوٹے معاون ندی تابیہ میں انہوں نے کئی اور چھوٹی چھوٹی وادیوں کی شکل اختیار کر رکھی ہے، پیداوار کے لحاظ سے وادی تابیہ خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وادی دیگوار۔ پونچھ کی وادی دیگوار بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے، اس وادی کی کئی اراضیات کو نالہ جیتاڑ کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اس وادی میں بھی چھوٹی چھوٹی وادیاں موجود ہیں **وادی راولا کوٹ**۔ راولا کوٹ کا مرکزی مقام ایک میدانی قطعہ میں ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ نگراس کا ایک تشبیہی حصہ وادی کی صورت میں ہے اور اس ایک وادی کے بیچوں بیچ اور کئی وادیاں موجود ہیں، یہاں کوٹوں کی کاشت بکثرت ہوتی ہے، اور مقامی لوگوں نے سیدک کے باغات بھی لگا رکھے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل اور فرحت بخش ہے، راولا کوٹ کے درمیان سے جونا گڑ تابیہ یہ مقامی زبان میں نالہ کہلاتا ہے جو اس کے مقام پر نالہ گویں میں گرتا ہے۔ اس وادی کی اگرچہ مختلف شاخیں ہیں مگر منگ تک اسے ایک وادی شمار کیا جاسکتا ہے۔

وادی بارغ۔ ریاست پونچھ کی سب سے بڑی وادی بارغ ہے جو ایک پوری تحصیل پر مشتمل ہے۔ اس وادی کے درمیان سے نالہ بایگڑ تابیہ اور معاون ندی ناووں نے اس وادی میں کئی اور وادیاں بنائی ہیں، نالہ ماہل اور ملوانی کے عین سنگم پر بارغ کا تاریخی شہر آباد ہے۔ نالہ ملوانی گنگا چوٹی کے وامن سے آنے والے دھبہ کئی ندی ناووں کو اپنے وامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اس نالہ کے کنارے ایک انتہائی خطرناک ٹیلہ پر دو درگاہ راجہ کلاب سنگھ کا مقبرہ کمرہ قلعہ ہے۔ ناچورہ کے مقام پر نالہ ماہل میں تاریخی

شامل مقنا ہے جو ناگ پیر پہاڑ کے وامن سے آتا ہے۔ ناچورہ کے قریب ہی ایک اور نالہ ناڑی ماہل میں گرتا ہے جو سنگلو کے پہاڑوں سے آتا ہے۔ اس طرح ناچورہ سے گرتا ناگ پیر پہاڑ تک کا علاقہ بھی ایک خوبصورت وادی کی شکل رکھتا ہے۔ دوسری طرف جونا نالہ ناڑی ناچورہ کے مقام پر ماہل میں گرتا ہے یہ بھی ایک وادی کے گڑ تابیہ، ہڈی گوں بادی کے سلسلے نالہ ماہل میں شامل ہوتا ہے، اس طرح یہ پہاڑی سلسلہ راولا کوٹ کی سرحد تک ایک وادی میں سے موسوم کیا جاسکتا ہے، نالہ ماہل میں اور کئی ندی تابیہ شامل ہوتے ہیں جن میں نالہ دھنڈی اور نالہ جڑی قابل ذکر ہیں، نالہ ماہل میں تابیہ کے قریب دیا ہے جہاں ہمیں گرتا ہے، اس لحاظ سے وادی بارغ کو تابیہ سے لے کر سرحد تک منگ تک شمار کیا جاسکتا ہے، وادی بارغ کی آب و ہوا مختلف مقامات پر مختلف ہے۔ بارغ سے نیچے تابیہ تک کا تمام علاقہ گرم ہے اور یہاں کی پیداوار کئی اور دھان مشہور ہے، بارغ مرکزی مقام سے اوپر کے تمام مشرقی حصے سرد ہیں اور اس سے آگے جو پہاڑی سلسلہ کشمیر کی سرحد تک ہے بے حد برفانی ہے، یہاں کمی کی پیداوار بھی ہوتی ہے۔

وادی سوہرون۔ یہ وادی دراصل وادی تابیہ کا مشرقی حصہ ہے اور تحصیل حویلی جو ریاست پونچھ کی زرخیز ترین تحصیل ہے اس میں شامل ہے، وادی سوہرن کی پیداوار بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

وادی مہنڈلہ۔ وادی مہنڈلہ تحصیل مہنڈلہ کے درمیان حصہ کا نام ہے۔ یہ پورا علاقہ ریاست پونچھ میں پیداوار کے لحاظ سے بے مثال ہے۔

وادی سردھرون۔ وادی سردھرون کا آغاز شہر پونچھ کے شمالی حصہ سے ہوتا ہے اور اس کی ایک سرحد کشمیر کی طرف پھیلتی چلی جاتی ہے، پونچھ کا مشہور قصبہ ٹنگی بھی اسی وادی میں ہے، سردھرون کا پورا علاقہ بے حد زرخیز ہے۔ یہاں کے مقامی باشندے پیداوار کے لحاظ سے خود کفیل ہیں۔

وادی ناٹ۔ بانڈی عباس پور ناٹا وادیہ کے علاقے بھی ایک خوبصورت وادی کی شکل میں۔ ریاست پونچھ کا یہ حصہ بھی بے حد زرخیز ہے۔

وادی ہجرہ۔ وادی ہجرہ مینڈلہ سے شروع ہو کر کئی میل تک چلی گئی ہے۔ ہجرہ کا مرکزی مقام بھی اسی وادی میں ہے۔

وادی بابل۔ وادی بابل کو پورہی سے لے کر کوٹلی تک شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس وادی کا ایک حصہ

اگرچہ گرم ہے مگر پلندری کی آب و ہوا معتدل ہے۔ پلندری کے مرکزی مقام پر ایک کالج، ایک ہائی سکول اور ایک درسگاہ ہے۔

مذکورہ بالا دونوں علاقائی حالات اگرچہ عامے تفصیل طلب ہیں۔ لیکن مختصر طور پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس ریاست کی موٹی اور زرعی کیفیت یکساں نہیں ہے۔ ریاست پونچھ کی دو تحصیلوں باغ اور سدھوتلی کا بڑا حصہ مغربی پاکستان کے علاقہ پٹھوڑا سے ملا ہوا ہے اور دیباٹے جہلم نے پٹھوڑا اور پونچھ کے درمیان حد بندی کر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تحصیلوں کا جو حصہ دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ منگلا ٹنک ہے بے حد گرم ہے اور جو ان اسکے ہٹتے جائے گرمی کم اور سردی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے، ان ساحلی حصوں کی پیداوار ایلیمان بخش نہیں ہے مگر مٹی حسہ کی پیداوار بہت عمدہ ہے، تحصیل ہتھلدار جو جی کا بڑا حصہ بھارتی تہذیب ہے، لیکن جو حصہ آزاد کشمیر میں شامل ہے اس کی پیداوار قابل رشک ہے۔

پونچھ کے راستے

پاکستان کی طرف سے پونچھ میں داخل ہونے کے کئی راستے قابل ذکر ہیں، ان میں سب سے اہم راستہ آزاد پتن ہے، راولپنڈی سے ایک بڑی سڑک آزاد پتن تک ہے، اسے یہ سڑک در حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، اس کی ایک شاخ سوانگ، ڈاکھاتی ہے جو تھوڑے ہوتی وادی راولا کوٹ میں داخل ہوتی ہے، دوسری سڑک پلڈی تھوڑے کے سے مشہور ہے جو پلندری سے بچو کی طرف جاتی ہے۔ دوسرا اہم راستہ کوٹہ کی طرف سے ہے راولپنڈی سے ایک بڑی سڑک کوٹہ کی طرف جاتی ہے، یہاں سے اس کی ایک شاخ منظر آباد کی طرف مڑ جاتی ہے اور دوسری چین کوٹ۔ چمپائی۔ دھیر کوٹ سے ہوتی ہوئی باغ تک چلی جاتی ہے، باغ مرکزی مقام سے اس کی ایک شاخ سدھن گلی اور دوسری شاخ ڈھلی تک چلی گئی ہے، باغ کوٹہ روڈ کی ایک شاخ منگ بھری سے راولا کوٹ کی طرف جاتی ہے۔

تیسرا راستہ میر پور کی طرف سے ہے، راولپنڈی سے جر بڑی سڑک لاہور کی طرف جاتی ہے اس کی ایک شاخ دینہ سے الگ ہو کر میر پور کے مرکزی مقام کی طرف جاتی ہے، یہاں سے چامک پاربراستہ مٹی پور کوٹلی اور مدلا پور سے ہو کر یہ بچو کی طرف نکل جاتی ہے۔

چوتھا راستہ چواہ روڈ کہلاتا ہے، راولپنڈی سے ایک بڑی سڑک چواہ کی طرف تھیر کی گئی ہے

چواہ سے ڈس کوٹ اور یہاں سے منگ بھری تک چلی گئی ہے، ان اہم ترین شاہراہوں کے علاوہ کئی پیدل راستے بھی پونچھ کی طرف جاتے ہیں، جن میں کھدما در ٹاپوں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ڈوگرہ عہد حکومت میں ریاست پونچھ میں داخل ہونے کے صرف دو ہی اہم راستے کوٹہ اور آزاد پتن تھے مگر اب دیباٹے جہلم پر کئی جگہ پیدل گذرنے کے پل تعمیر کئے گئے ہیں، بعض مقامات پر کشتیوں کے ذریعہ بھی دیباٹے جہلم کو عبور کیا جاتا ہے۔

پونچھ کے آثار قدیمہ

خطہ پونچھ کی قدیم تاریخ پر عہدہ بہ عہدہ روشنی ڈالنا بے حد دشوار ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پہاڑی حصہ کا تمام تر تاریخی سرمایہ نہ صرف منتشر ہے بلکہ تاریکی کے دہرہ زدوں میں گم ہے، جغرافیائی طور پر اس علاقہ کی ایک بڑی پہاڑی سرحد کشمیر سے ملتی ہے اور تقریباً اتنی ہی سرحد مغربی پاکستان سے بھی ملتی ہے، سرائی اعتبار سے یہ سارا علاقہ مغربی پاکستان کے حصہ پٹھوڑا سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطہ کی قدیم تاریخ کا ایک حصہ اسی پٹھوڑا کی قدیم تاریخ میں خلاصہ ملا ہے۔

پونچھ کی تاریخ کا معلومہ دور مربوط اور قابل اعتبار تاریخی حوالہ پیش نہیں ہوا اس لیے علاقہ کی تہجانی کر کے، لیکن اس کے باوجود بعض تاریخی آثار و شواہد ایسے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم ترین تہذیب کے قافلہ پونچھ کی فلسا کی وادیوں تک بھی پہنچتے ہیں، سوان وادی کی قدیم تہذیب پر جرمن محقق ڈاکٹر ڈی ٹیر نے ایک مفید کتاب لکھی ہے اور اس بات کا ثبوت ہم پہنچایا ہے کہ سوان تہذیب ماہو، بخود اور اندس اور ٹیکسلا کی تہذیبوں سے بہت پرانی ہے اور برصغیر میں اس سے زیادہ پرانی تہذیب کے آثار و باقیات اب تک دریافت نہیں ہوئے۔

چین محقق ڈاکٹر ڈی ٹیر نے سوان وادی کا جوہر دار لہجہ ظاہر کیا ہے اس میں ریاست پونچھ کا زیریں حصہ بھی شمار کیا جاسکتا ہے، اگر ڈاکٹر موصوف کی تحریر کو حتی طور پر تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ پونچھ کی سرزمین بھی قدیم تہذیبوں سے روشناس رہ چکی ہے اور ان پہاڑی دروہوں اس وقت بھی انسان تہذیبی زندگی اور تمدنی ماحول سے واقف تھے، جب کشمیر کی وادی ابھی جزا روں فٹ پانی کے پتے تھی، پونچھ کے بعض مقامات پر پڑا سنہ برتنوں کے جو ٹکڑے ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سرزمین تاریخی مواد سے خالی نہیں بلکہ اس کی تاریخی سرگزشت کشمیر کی تاریخ کی

مگر گذشت سے زیادہ طویل اور زیادہ اہم ہے۔

جب کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ خط پونچھ تمام پہاڑی علاقہ پر مشتمل ہے اور یہاں جس قدر پونچھ آثار تھے پر باد ہو چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض مقامات کے آثار اس ملک کی تاریخی قدامت و عظمت کا ثبوت دیتے ہیں۔ شہر پونچھ کے قریب درج ذیل بعض آثار ایسے ہیں جن سے پرانی تہذیب یافتہ آبادیوں کا سراغ ملتا ہے، شہر پونچھ کے قریب کہوٹہ اور فرخ پور کا گنگان جگہ پرانی تہذیب کا ایسا مدفن ہے جو میلون تک پھیلا ہوا ہے، اگرچہ یہاں اس وقت دیودارا دیکن کے دیو پیکر خرت کھڑے ہیں اور دوسری خار دار جھاڑیوں نے اس پورے علاقہ کو چھپا رکھا ہے مگر یہاں پرانی عمارتوں اور قلعوں کے آثار چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں عظیم نشان شہر آباد تھا۔ اور یہی شہر کسی تہذیب یافتہ قوم کا دار الحکومت تھا۔

شہر پونچھ کے قریب منڈی اور نالہ بیتا کے قریب بھی پورے قلعوں اور عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ نالہ بیتا کے قریب ایک پرانے مندر کے آثار موجود ہیں، جن میں سینکڑوں من ورنی تراشیدہ پتھر استعمال کئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر کہوٹہ اور فرخ پور کی عمارت سے سینکڑوں سال بعد تعمیر کیا گیا ہے، اس مندر سے تھوڑی دور ایک مقام اجڑٹ کے نام سے مشہور ہے اجڑٹ کے شمال مشرق میں ایک بلند پہاڑ ہے، اور اس پہاڑ کے دامن سے لے کر چوٹی تک پٹانی علاقوں کا ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے، جس کے آثار اس عہد کی نشاندہی کرتے ہیں اگرچہ اس وقت یہاں خار دار جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود پورے تمام آثار صاف دکھائی دیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس شہر میں بودھ باش کھنے والی قوم ایک عظیم تہذیب کی وارث تھی۔

سرزمین پونچھ کے اس تاریخی ورثہ پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ جب کشمیری تمام وادی ایک جھیل کی صورت میں تھی اور پونچھ کی وادی تو یہی تھی تو یہاں بھی تو ان بلند پہاڑوں کے دامن میں تہذیب یافتہ لوگ آباد تھے اور ان کی آبادیوں کا سلسلہ دور در دور تک پھیلا ہوا تھا۔

پونچھ کا علاقہ گل پور بھی اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس پورے علاقے میں بھی قدیم تہذیب کے آثار ملتے ہیں جگل پور، بانڈی عباسپور سے تھوڑی دور مشرق

کی طرف واقع ہے، یہاں پرانی عمارتوں، قلعوں اور چٹنوں کے آثار دور دور ملتے ہیں۔ علی آباد، ٹوشہ میدان اور سہتی و نچ وغیرہ کے علاقوں میں بھی آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جن کی قدامت سینکڑوں سال پرانی معلوم ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس علاقہ میں ایک مقام سخی پیر پہاڑ بھی قابلِ ذکر ہے۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے، اس پورے علاقہ میں آثار قدیمہ موجود ہیں اور بعض مقامات پر تو بہت ذہنی تراشیدہ پتھروں کے ڈھیر موجود ہیں۔

ریاست پونچھ کے بالائی حصہ کی طرح زیریں حصہ میں بھی آثار قدیمہ موجود ہیں، تحصیل بارغ کی سرحد پر گنگا چوٹی اور سنکھ پہاڑ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان بلند پہاڑوں کی کمرائیوں میں کئی جگہ پورے قلعوں اور ڈیلوں کے آثار ہیں، نالنگا پیر پہاڑ کے دامن سے لے کر نالہ مائل کے کنارے تک کوئی ٹیلہ ایسا نہیں جہاں پرانی عمارت کے نشانات نہ ملتے ہوں، پرانی عمارتوں کے پتھروں کے علاوہ متذکرہ بالا تمام مقامات پر پورے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے بے شمار پائے جاتے ہیں، ان ٹکڑوں میں تین طرح کے نمونے ہیں، ایک وہ جو بہت زیادہ موٹے اور بھدے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہزاروں سالہ پرانی تہذیب کے شاہد ہیں۔ دوسرے درجہ کے ٹکڑے کسی قدر بہتر ہیں جو مٹی دور کی تہذیب کے ترجمان ہیں اور تیسرے درجہ کے ٹکڑے کافی اچھے ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس دور کا انسان نقاسات پسند اور تہذیب تھا۔ اور اس نے برتنوں پر پھول چٹیاں بنانا بھی سیکھ لیا تھا، پوٹھواری سرزمین پر تہذیب اور تمدن کے کئی دور گذرے ہیں اور ان ادوار کی تلیق جب پونچھ کے آثار قدیمہ سے کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ پوٹھواری تہذیب کے آثار جو کچھ کمزورین پر بکھرے ہوئے ہیں، جب مغربی پاکستان کی سرزمین پر درازوں نے ڈیرے ڈالے ہوں گے تو ان کے قدم پونچھ سے پربہار پہاڑوں تک بھی ضرور آئے ہوں گے اور یہاں کی وادیوں میں بھی انہوں نے اپنی آبادیاں قائم کی ہوں گی، جب مغربی پاکستان کی سرزمین پر گوندوں اور بھینوں کے قافلے پہنچے ہوں گے تو خطہ پونچھ نے بھی ان کا استقبال کیا ہوگا، سستیوں، بانسریوں اور ہنروں نے بھی اپنی اپنی مملکت کے پرچم لگا دیے ہوں گے اور اس سرزمین نے آریائی تہذیب کے نقوش کو بھی اپنے سینے پر ثبت کیا ہوگا، اس کے بعد جب مغربی پاکستان کے حصہ پوٹھواری پہاڑ ہمدت کابل بالا ہوا ہوگا بعد مجھ پونچھ کے پہاڑوں میں بھی عبادت و ریاضت کے لئے پہنچے ہوں گے، بدھ مت کو

کراس خاندان کے ایک راجہ دیاکرن نے کشمیر پر راج سے پہلے ایک شخصی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی اس خاندان کا عہد حکومت ۵۵ سال تک فاجر کیا گیا ہے مگر اس کی قلمرو میں اس پہاڑی حصہ کا قلعہ کوئی ذکر نہیں ملتا ہے ہم پونچھ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جسوں خاندان کے بعد دوسرا حکمران خاندان اکنند ہے جس کے چار راجے، اکنندہ، دامودر، رانی جیشتی اور دیا گوند بتائے گئے ہیں، اس خاندان کا عہد حکومت ۸۵ سال تک ہے، لیکن ان کے حالات میں بھی اس پہاڑی حصہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اکنند خاندان کے بعد پانڈو خاندان کے ۲۲ راجاؤں، راجہ سرن دیو، راجہ رام دیو، راجہ بیاس دیو، راجہ وندا دیو، راجہ سہر دیو، راجہ گوپال دیو، راجہ دہیانند، راجہ سکھ دیو، راجہ رمانند، راجہ سندھیمان، راجہ مدرن دیو، راجہ چندر دیو، راجہ اشو دیو، راجہ دیو پال، راجہ ہرنام دیو، راجہ سلگن دیو، راجہ منیا دیو، راجہ مشکلات، راجہ کھیم اندر، راجہ بھیم سین، راجہ نیرد سین، اور راجہ سندھیمان کا ذکر ہے، اس خاندان کا عہد حکومت ۸۹۴ سال تک بتایا جاتا ہے، مگر تاریخی مواد کی کمی کے باعث ہم سرزمین پونچھ کا کوئی ذکر نہیں پاتے۔ ان راجاؤں میں سے راجہ رام دیو کا ذکر ہمیں تاریخ فرشتہ میں بھی ملتا ہے۔ لیکن فرشتہ نے بغیر سن و سال کے اس راجہ کو ہندوستان کا راجہ لکھا ہے، اور جو حالات اس کے ذیل میں فرشتہ نے قلمبند کیے ہیں بالکل وہی حالات فوق صاحب ہند نے بھی لکھ کر اسے کشمیر کا راجہ لکھا ہے۔

پانڈو خاندان کے بعد مالوہ خاندان کے چار راجاؤں راجہ لو، راجہ کوشی، راجہ مگندر، اور راجہ سورندر کا ذکر ملتا ہے۔ ان چار راجاؤں کا عہد حکومت ۱۵۴۲ سال تک ہے، مگر ان کی ذیلیں بھی ہم اس پہاڑی حصہ کا ذکر نہیں پاتے جس کا ذکر بعد راجہ سورن، راجہ جنگ، راجہ کی نند، راجہ مگندر، راجہ بلی اور اور نو سین کے حالات ملتے ہیں۔ اس خاندان کا عہد حکومت ۲۶۲ سال ہے، ان کے حالات میں اکثر مقامات کا ذکر آتا ہے مگر پونچھ کا ذکر نہیں ملتا۔

گودھر خاندان کے بعد ہم جوں خاندان کے تین راجاؤں، گھوٹوں، پر پلا دار، اور بورکا ذکر کرتے ہیں اس خاندان کا عہد حکومت ۵۵ سال تک بتایا گیا ہے اور ان کی ذیلیں میں بھی پونچھ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد ہم دوسری دفعہ گودھر خاندان کے دس راجاؤں، پرتاپ شیش، راجہ سنگرام چند، راجہ مال سنگ چند، راجہ پرم چند، راجہ بھگین، راجہ بھگونت، راجہ اشوک، راجہ جیوگ، راجہ دامودر، راجہ جیوگ،

دیج دین سے اکھاڑنے کے لئے جب برہمن آئے ہوں گے تو انہوں نے اپنے عقائد و اذکار کی تبلیغ پونچھ کے پہاڑوں میں بھی کی ہوگی، اس کے بعد جب سکندر مقدونی نے یورش کی اور اس کی فوجیں بگولے کی طرح پورے پونچھ اور کوٹہ دہانہ کی ہوئی آگے گزریں تو خوشخبرہ لوگ پونچھ کے پہاڑی دروں میں بھی پناہ گزین ہوئے ہوں گے اور اس طرح اس سرزمین کے باشندوں نے منگولوں کی غارتگری کے سورج کو بھی طلوع ہونے دیکھا ہوگا۔

غرضیکہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس سے خطہ پونچھ متاثر نہ ہوا ہو ان تمام حالات و شواہد سے جو نتائج ہم تک پہنچے ہیں وہ یہ ہیں کہ خطہ پونچھ ایک تابناک ماضی کا دارت ہے اور اس خطہ کے سینہ میں تاریخ کے تمام اوراق پاریدار ہیں، مگر ان اوراق کو اس وقت تک عہد بہ عہد ترتیب نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ تمام آثار و قدیمہ پر جدید طریقہ سے تحقیق نہ کی جائے اور پڑے ہوئے سکوں، کتبوں اور فنون لطیفہ کے تمام نمونوں کی باقاعدہ تلاش کے بعد انہیں عہد بہ عہد نہ جانچا جائے۔ کسی خطہ کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالنے والے ہی ذرائع ہوتے ہیں، یہ قدیم ترین سرمایہ تاریخ پونچھ کی ایک ایک ادویہ ایک ایک پہاڑی درہ میں دفن ہے، لیکن اب تک ان پر تحقیق نہیں ہو سکی اور جب تک اس پورے سرمایہ کو تلاش کر کے یکجا نہ کیا جائے اس وقت سرزمین پونچھ کے قدیم دور پر کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

قدیم تاریخ دور قدیم سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک سرزمین پونچھ کا تاریخی سرمایہ بے حد مشکوک ہے۔ اس دور کے جو حالات تحقیق بیکار کے بعد مرتب ہوئے ہیں انہیں ایک طرف مغربی پاکستان کی تاریخ کا قدیم سرمایہ قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف کشمیر کی تاریخ قدیم کے کچھ ادراویہ اس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں تاریخ کے ایک طالب علم کے لئے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ سرزمین پونچھ کی تاریخ کا یہ پورا دور کشمیر کی تاریخ سے وابستہ ہے یا اس سے تمام تر تفریق مغربی پاکستان کی تاریخ میں مدغم نہیں۔

اگر اس خطہ کی تاریخ کو تاریخ کشمیر کے ساتھ ملا کر مرتب کیا جائے تو بے شمار مقامات ایسے آتے ہیں جہاں حالات کا سلسلہ متعلق ہو کر مدہ جاتا ہے، کشمیر کی تاریخ میں سب سے پہلے جوں خاندان کا ذکر ملتا ہے جس کا زمانہ فوق نے بغیر کسی حوالہ کے ۱۲۱۱ ق۔ م بتایا ہے اور دعویٰ کیا ہے

اس کے بعد پھر ماوراء خاندان کے ۲۱ راجاؤں گونڈ، راجہ دبیش، راجہ راؤن، راجہ دبیش ثانی، راجہ نر
راجہ شند، راجہ اوت پلاکھ، راجہ ہرنیاکھ، راجہ ہرنہنکھ، راجہ دسہنکھ، راجہ بہروکھ، راجہ بگ، راجہ
راجہ گتھہ نند، راجہ دسہنند، راجہ برٹائی، راجہ اچھ، راجہ گوپادت، راجہ گھوگرن ثانی، راجہ بندلادت
اور راجہ جدرہ شرد وغیرہ کے حالات ملتے ہیں، جن کا عرصہ حکومت ۱۵۳۰ء الی تک بتایا جاتا ہے۔ ان راجاؤں
میں راجہ بہروکھ کو ماوراء خاندان کا حکمران ظاہر کیا گیا ہے، مگر مغربی پاکستان کی تاریخ میں اسے بہن
خاندان کا ایک ظالم حکمران ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے جو حالات ہیں تاریخ مغربی پاکستان میں ملتے
ہیں، تقریباً وہی حالات کشمیری موزوں نے بھی لکھے ہیں اور اسے اپنے وقت کا ایک دہشتہ صفت
انسان قرار دیا ہے، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تاریخ ہند میں یہ راجہ سفید ہنوں کی شاخ میں شمار ہوتا
ہے اور کشمیری موزوں کے نزدیک یہ ماوراء خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

مالوہ خاندان کے مذکورہ راجاؤں میں سے راجہ بک کے عہد میں پونچھ کا نام ملتا ہے، مغربی
مورخوں نے لکھا ہے کہ راجہ بک نے کشمیر کے جنوبی درہ میں پونچھ نام کا ایک شہر آباد کیا تھا، اس سے
یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اس پہاڑی حصہ کا پرانا دار الحکومت لومباری تھا اور موجودہ شہر
پونچھ کا سنگ بنیاد راجہ بک نے رکھا اور اس کا نام پونچھ اس لیے تجویز کیا کہ یہ سلطنت لومبار کا
ہی ایک خارجی حصہ تھا، کشمیر کی تاریخ میں راجہ بک کا عہد سلطنت کا تمام شکہ ق م ہے۔

ماہوہ خاندان کے بعد اجمین خاندان کے تین راجاؤں پر تپ اوت، جو کہ ثانی اور توتو نمین کے حالات ملتے ہیں، ان تینوں راجاؤں کا عہد ۱۹ سال بتایا گیا ہے مان راجاؤں کے حالات میں بھی پونچھ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد خاندان بجے کے تین راجاؤں راجہ بے، راجہ بے اندر اور راجہ سندیلان کا ذکر ہے۔ ان راجاؤں کا مجموعی عہد حکومت ۹۲ سال ہے گران کی قلمرو میں بھی پونچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے بعد پھر تیسری مرتبہ ماہوہ خاندان کے تین راجاؤں میگووین، سمر شرت سیمین اور راجہ پرن

اس کے بعد چوتھری دہائی میں خانہ کعبہ کے راجاؤں پر سیریں، راجہ جہنمیشور، راجہ ندرات، راجہ توپن، ثانی، راجہ سرپ سین، راجہ گندھرب سین، راجہ لکھن، راجہ شوک، راجہ بھراوت، راجہ نادات، راجہ دیناوت، راجہ بھرمات اور راجہ بالادت کا تذکرہ ہے۔ ان راجاؤں کا عرصہ حکومت ۱۵ سال ہے مگر پونجھ کے حالات و کوائف یہاں بھی نہیں ملتے۔

جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے اس عہد تک کی کشمیر کی تمام تاریخ و روایتی اور افسانوی ہے اور یہاں تک جس قدر راجے بتائے گئے ہیں ان میں سے اکثر راجے "مارتھنہند" کے قدیم دور میں بھی ملتے ہیں، اس کے بعد کشمیر کی مسلسل وارتاریت کا آغاز ہوتا ہے، اس دور کا سب سے پہلا راجہ دہلیہ وردن ہے، جو کارکوٹ منہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اس خاندان کی حکومت کا بانی بھی تصور کیا جاتا ہے۔

لاکھوت جی خاندان نے ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۲ء تک کشمیر پر حکومت کی ہے، اس خاندان کے
راجاؤں درج ذیل ہیں: ۱۸۹۱ء، پرتاپ پیدائش ۱۸۵۳ء تا ۱۹۰۲ء، چندرا پیدائش ۱۸۰۳ء تا ۱۸۹۱ء، لالہ
۱۸۹۱ء، راجہ لقمان پیدائش ۱۸۱۵ء تا ۱۸۵۲ء، راجہ کوپا پیدائش ۱۸۵۲ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ درویش
۱۸۵۳ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ پرتھو پیدائش ۱۸۶۰ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ سنگرام پیدائش ۱۸۶۷ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ جیا پیدائش
۱۸۶۷ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ لالہ پیدائش ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۱ء، اور راجہ سنگرام پیدائش ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۱ء۔
کے واضح حالات ملتے ہیں۔ اس خاندان کے راجہ لقمان پیدائش ۱۸۱۵ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ جیا پیدائش ۱۸۹۱ء
کشمیر نے کافی تفصیل سے لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ اس راجہ نے علاوہ دیگر تعمیرات کے پونچھ کے موجودہ شہر
کا نام لکھنؤ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ راجہ جیا پیدائش ۱۸۱۵ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ جیت جیا پیدائش ۱۸۲۵ء تا
۱۸۹۱ء، راجہ انجیا پیدائش ۱۸۶۵ء تا ۱۸۹۱ء، راجہ ادوت پیدائش ۱۸۷۵ء تا ۱۸۹۱ء کے حالات پندت کلن
نے اپنی مشہور کتاب راج ترنگنی میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان راجاؤں کے حالات میں کہیں کوئی لکھنؤ
کا ذکر بھی آتا ہے، مگر واضح انداز میں لکھا اسلمت کا ذکر ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنؤ اسلمت،
کے راجہ راجگان کشمیر کے سیاسی حریف تھے۔

کارکوٹ بنی خاندان کے بعد غار خاندان ششہ تا ۹۹۶ء کا ذکر ہے، اس خاندان کے بعد انٹی
وامن ششہ تا ششہ کو کشمیر کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے کیونکہ اس نے برسرِ اقتدار
آئے ہی تعمیرات کی طرف توجہ دی تھی۔

کارکوٹ بنی خاندان کے بعد پردہ گیت ۹۶۶ء تا ششہ کے حالات پنڈت کلہن نے پوری تفصیل
سے بیان کئے ہیں۔ اس خاندان کے راجہ پردہ گیت ۹۶۶ء تا ششہ راجہ کبیر گیت ۹۶۶ء تا ۹۷۹ء
راجہ امبی مینو ۹۷۹ء ویدارانی ۹۷۹ء تا ششہ کے حالات قابلِ ذکر ہیں، اور اس مہریشی سلطنت
لوہار پور بھی کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی کا حملہ | سلطنت لوہار پور سلطان محمود غزنوی کے حملہ کی روداد اور تاریخ
کے صفحات میں محفوظ ہے، اس سے اندازہ چوتھے کے بعد کیا گیا

کی حکومت کے ساتھ ابتدائی دنوں میں ریاست لوہار پور کوٹ اور حکومت کشمیر کے دوستانہ مراسم
تھے۔ ششہ میں جب سلطان محمود نے دریائے سندھ کی طرف یلغار کی تو اندپال کی فوجوں نے
سلطان کی فوج کے ساتھ چڑا۔ اس کے مقام پر مقابلہ کیا۔ اس وقت راجہ اندپال کی اعداد کے لئے شمالی ہند کے
تمام چھوٹے چھوٹے راجے جمع ہوئے کہ انہوں نے تھے اور ان امدادی فوجوں میں راجگان لوہار اور کشمیر کی فوجیں بھی
تھیں، ان دنوں ریاست لوہار میں آگرہ راج اور کشمیر میں سنگرام راج حکمران تھے۔ جب ان تمام چھوٹے
بڑے راجاؤں نے مل کر سلطان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو سلطان کے طوفانی حملے کی تاب نہ لا کر اندپال
جہلم کی طرف بھاگ گیا۔ ششہ تا ششہ میں اندپال نے دوبارہ فوجیں جمع کیں تاکہ وہ سلطان سے اپنی
سابقہ شکست کا بدلہ لے سکے۔ اس دفعہ اندپال نے اپنے لشکر کو دریائے سندھ کے کنارے کھڑا کیا مگر
جب غزنویوں کا آہٹا ہوا سبیلاب آگے بڑھا تو اندپال کا ہڈی دل شکن رخ و خاشاک کی مانند بہہ گیا
اور اندپال کو دوسری دفعہ پھر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ششہ میں سلطان نے دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان پر حملے شروع کر دیئے اور سلطان
تھوڑے ہی عرصے میں دریائے سندھ کے تمام مغربی حصہ پر قابض ہو گیا۔

اندپال کے بعد اس کا لڑکا ترلوچن پال برسرِ اقتدار تھا۔ ترلوچن پال نے جہان کی ترنگ میں سلطان
کے ساتھ معرکہ کراٹی کی کوشش کی تاکہ اپنے باپ کا بدلہ لے سکے، مگر جب سلطان اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا

تو ترلوچن پال بھاگ کر پونچھ میں پناہ گزین ہو گیا۔ اور سلطان کا لشکر بھی تازہ دم تھا۔ اس نے تعاقب جاری
رکھا اور پہاڑی درے بھر کر تازہ ہوا جب وہ پونچھ کے قریب پہنچا تو ترلوچن پال نے ریاست لوہار کے حکمران
کے سامنے بھی دستِ سوال دراز کیا، پنڈت کلہن نے راج ترنگنی میں جو حالات بیان کئے ہیں، ان سے اندازہ
ہوتا ہے کہ ریاست لوہار اور کشمیر کی فوجوں کی کان اس وقت تو رنگ نامی سپہ سالار کے پاس تھی، تو رنگ سپہ سالار
نے ترلوچن پال کی طرف سے سلطان کے خلاف معرکہ کراٹی کی، مگر اسے شکست اٹھانی پڑی، انگریز مورخوں
نے لکھا ہے کہ اس وقت ترلوچن پال کی شکست خود وہ فوج جہلم کے قریب دجوارہ تھی، کشمیر اور لوہار کی فوجوں
نے یہاں پہنچ کر اس فوج کے حوصلے بلند کرنے کی کوشش کی مگر سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے سامنے یہ
تمام فوج نہ ٹھہر سکی، پنڈت کلہن نے اس معرکہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اس مقام کی نشاندہی کی
ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جنگ اس جگہ لڑی گئی جہاں دریائے پونچھ اور دریائے جہلم آپس میں ملتے
ہیں، اور ایک طرف نالہ توبی بھی آ کر شامل ہوتا ہے۔

پنڈت کلہن اپنی مشہور سنسکرت تعنیف راج ترنگنی کی دوسری جلد میں لکھتا ہے کہ راجہ کشمیر نے
جنوری فروری کے موسم میں تو رنگ نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں اپنی فوج ترلوچن پال کی مدد سے۔ اپنے
ردانہ کی تاکہ وہ حملہ آور سلطان کو شکست دے سکے۔ ترلوچن پال نے خود کشمیر کی فوج میں گوم پھر کر
الہیناٹ کیا، کشمیری فوج میں راجپوت سپاہیوں کے علاوہ وہاں کے جاگیردار طبقہ نے بھی حصہ
لیا تھا اور ترلوچن پال نے حملے سے پہلے ایک مرتبہ پھر کشمیری فوج کا حائرہ لیا مگر اسے یہ دیکھ کر
بے حد مایوسی ہوئی کہ اس وقت تمام سپاہیوں نے سے سو رہے تھے، ترلوچن پال نے ضروری مقامات پر
اپنی فوج کے سپاہی متین کئے اور تو رنگ کو مشورہ دیا کہ وہ اس وقت تک حملہ نہ کرے جب تک سلطان کی
فوج کے طور طریقے نہ دیکھے، مگر تو رنگ نے ترلوچن پال کے مشورہ کو مسترد کر دیا۔ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق
جب علی الصبح جنگ کا آغاز ہوا تو مسلمان سپاہیوں نے فوراً میدان میں اپنی صفیں مضبوط کر لیں۔ ہندو
کمان میں لڑنے والے تمام سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے اور تو رنگ بھی سر ہوا ڈوں رکھ کر کشمیر کی طرف بھاگ
ششہ میں جب سلطان نے پنجاب پر پھر نزول کیا تو اس دفعہ اس نے راجگان لوہار اور کشمیر کی
بھی گورنمنٹ کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ جب وہ اپنا لشکر لے کر لوہار کی سرحد پر پہنچا تو پہاڑوں پر سخت
برفباری شروع ہو چکی تھی، برفباری کی شدیدیت کا ایف برداشت کرنے کے بعد سلطان نے لوہار اور

کشمیر کی طاقتوں کو کچلنے کا ارادہ کر لیا، وہ اپنے جہاں بہت سچا بیوں کو آگے بڑھنے کی تلقین کرتا رہا لیکن جب سینکڑوں غلٹ برتن نے اس کے راستے مسدود کر دیئے تو اس نے قلعہ لوہارا کا محاصرہ اٹھالیا۔

بعض مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہاں سے اپنے لشکر کو قلعہ خندوند کی طرف کوچ کا حکم دیا تھا جو مل نا تھا کہ پہاڑ پر واقع ہے مگر جب برہادر نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو سلطان نے جوہڑ پنجاب کا رخ کیا، اور جب اس کا لشکر دہیائے جہلم اور پونچھ کے سنگم پہنچا تو اس کے سینکڑوں سپاہی دامل میں ڈوب کر مر گئے، سلطنت لوہارا پر سلطان محمود غزنوی کا حملہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

دیدارانی کے بعد اذنت دیو برسر اقتدار آیا، جس کا عہد ۱۰۵۰ء تا ۱۰۷۲ء ہے تو اس کے بعد راجہ کوف دیو ۱۰۷۲ء تا ۱۰۸۱ء حکمران ہوا، راجہ کش دیو کے بعد راجہ ہرش دیو ۱۰۸۱ء تا ۱۱۰۳ء راجہ اچل ۱۱۰۳ء تا ۱۱۲۵ء، راجہ سوسل ۱۱۲۵ء تا ۱۱۳۵ء، راجہ جے سنگھ ۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۵ء، راجہ پالو ۱۱۶۵ء تا ۱۱۸۱ء کے حالات پندت کلہن نے شرح دیبٹ سے لکھے ہیں۔ مشہور مورخ پنڈت کلہن راجہ جے سنگھ کا ہم عصر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے راجہ جے سنگھ کے حالات سینکڑوں صفحات پر بیان کئے ہیں اور اس دوران بیشتر مقامات پر پونچھ کا خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد کشمیر کی تاریخ میں ادیا دیو خاندان کا آغاز ہوتا ہے، اس خاندان کا عہد حکومت ۱۱۸۱ء تک ۱۳۲ء ہے، اس خاندان کے راجاؤں راجہ دسد دیو ۱۱۸۱ء تک ۱۳۲ء، راجہ جگ دیو ۱۲۰۷ء تا ۱۲۲۸ء، راجہ راج دیو ۱۲۲۸ء تا ۱۲۴۹ء، راجہ سنگرام دیو ۱۲۴۹ء تا ۱۲۵۸ء، راجہ رام دیو ۱۲۵۸ء تک ۱۲۷۹ء، راجہ لکھن ۱۲۷۹ء تا ۱۲۹۲ء راجہ جہم دیو ۱۲۹۲ء تا ۱۳۲۸ء اور راجہ سہیل دیو ۱۳۲۸ء تا ۱۳۴۳ء کے حالات ملتے ہیں۔

اس خاندان کے آخری راجہ سہیل دیو کے زمانے میں جب کشمیر کی وادی پر ذوالقد خان ناماری نے حملہ کیا تو پوری وادی آہ دغاں کا مسکن بن گئی۔ کشمیر کے ہزاروں باشندے تماریوں کی شیرازہ نشین کا شکار ہوئے اور ہزاروں نے جان بچانے کے لئے پونچھ کے پہاڑی دھڑوں میں پناہ لی۔ اس تباہی و بربادی کے دور میں راجہ سہیل دیو بھاگ کر شتر پور چلا گیا۔

کشمیر کی وادی میں ہر روایت زبان زد عام ہے مگر گوہر کے موسم میں تماریری کشیوں داخل ہو جتے تھے، وہ گھریں ہیں ابلی کشمیر کو لٹھتے رہے، جب یوم سرا کا آغاز ہوا تو انہوں نے ابلی کشمیر کا سونا جہاں ملتا ملے کر نہت سفر باندھا کر لے کر کشمیر لے آئے انہیں بائناں کا راستہ بتایا اور جب پچاس ہزار کا لشکر بھیجا تو

کے قریب پہنچا تو سینکڑوں غلٹ برتن تھے دھ کر گیا، اس لشکر سے صرف چند سوا فرار و نہ رہے جہاں پہاڑی علاقہ میں پھیل گئے اور یہاں کے لوگوں سے پناہ لے کر اسی ملک میں بود و باش رکھ لی۔

کشمیر میں مسلم سلاطین کا عہد ۱۳۲۵ء سے ۱۳۸۶ء تک ہے کشمیر کا سب سے پہلا مسلمان حکمران

سلطان عبداللہ بن عرف بنجن شاہ تھا۔ یہ بدھ مت کا پیرو تھا، لیکن اس نے ایک مسلمان دیوبیش سید عبدالرحمن عرف بیل شاہ کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس عہد میں کشمیر کی وادی میں کئی مسلمان مبلغ خصوصاً سادات کلام پہنچ چکے تھے اور ان کا دائرہ تبلیغ زیارت پونچھ تک بھی تھا سلطان عبداللہ بن ۱۳۲۵ء سے ۱۳۲۷ء تک رہا، اس کے بعد ایک معمولی دفعہ کے لئے کشمیر کی حکومت راجہ سہیل دیو کے بھائی راجہ ادیان دیو کے پاس رہی مگر ۱۳۲۷ء میں یہاں باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہو گیا، جس کا بانی سلطان شاہ میر تھا، سلطان شاہ میر ۱۳۲۷ء سے ۱۳۴۳ء تک رہا، اس کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں پونچھ کا کوئی دشمن نہیں ملتا، ان غائب ہے کہ سلطنت لوہارا کے راجاؤں کی مرکزی طاقت ختم ہو چکی تھی اور یہاں کا پر طاقت و شرف اپنے علاقہ کا حکمران بن چکا تھا، سلطان شاہ میر کے بعد سلطان شیشہ برسر اقتدار آیا جس کا عہد ۱۳۴۳ء تا ۱۳۷۲ء ہے، اس کے بعد سلطان علاؤ الدین نے کشمیر کی غلامی حکومت سنبھالی، جس کا عہد ۱۳۷۲ء تا ۱۳۸۶ء ہے۔ سلطان علاؤ الدین کے عہد میں دین اسلام کی کافی تبلیغ ہوئی اور سلطان نے نواحی علاقوں پر بھی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین کے بعد سلطان شہاب الدین نے تاج سر پہر رکھا، اس کا عہد ۱۳۸۶ء سے ۱۴۱۳ء تک ہے، اس نے برسر اقتدار کرتے ہی نہ صرف دین اسلام کی شدت سے تبلیغ کر لی بلکہ کشمیر کے نواحیات میں خود بخاری کرتے والے تمام چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو اپنا مطیع بنالیا، اس کے جرحالات مست عتباریوں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے پورے پنجاب کو کشمیر کی سلطنت کے ساتھ شامل کر لیا تھا اور اس زمانے میں پونچھ کا پہاڑی خطہ بھی کشمیر ہی کے ماتحت تھا اور سلطان شہاب الدین کی حکومت کشتواڑ تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس زمانے میں حضرت سید ابوبکر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کشمیر شریف لائے اور انہوں نے اپنی زندگی یہاں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے صرف کر دی، کشمیر کے تاریخی حالات شاہد ہیں کہ حضرت سید علی ہمدانی جہد و جد سے ہی پونچھ کے پہاڑی علاقہ کے سینکڑوں لوگ مسلمان ہوئے اور پھر یہاں شجر اسلام چھلکا پھوٹا۔

سلطان شہاب الدین کے بعد کشمیر میں سلطان قطب الدین بکھران ہوا، جس کا عہد ۱۳۶۷ء تا ۱۳۹۲ء ہے۔ اس بکھران کے عہد میں حضرت سید علی ہمدانی دوبارہ مات سوبلنگ ساقیوں کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے اور ان سبوں میں سے کچھ حضرات نے پونچھ میں قلعہ کھنٹا اختیار کر کے دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد سلطان سکندر برسر اقتدار آیا جس کا لقب بت شکن ہو گیا ہے اور جس کا عہد ۱۳۹۲ء تا ۱۴۱۵ء ہے۔ اس بکھران کے عہد میں بھی پونچھ میں دین اسلام کی تبلیغ خوب ہوئی، اس کے عہد میں سینکڑوں ہندوؤں نے دین اسلام قبول کیا۔

سلطان سکندر بہت لشکر کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ پوٹھوار کے پورے علاقہ پر گھمڑا جاؤں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اور اس وقت گھمڑوں کا راجہ جسرتہ خان سیالکوٹ، میرپور، بھمبر اور راجوری وغیرہ کے علاقہ پر مشرف تھا۔ اس دور میں گھمڑوں کی طاقت اس قدر مضبوط تھی کہ جب سلطان علی شاہ سے ناراض ہو کر سلطان زین العابدین نے گھمڑا راجہ جسرتہ خان کے مال پناہ لی اور راجہ جسرتہ خان نے سلطان علی شاہ پر حملہ کیا تو سلطان علی شاہ نے نہ صرف شکست کھائی بلکہ گرفتار ہوا۔

سلطان زین العابدین کا عہد ۱۴۱۵ء تا ۱۴۲۷ء کشمیر کا زین العابدین عہد تصور کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں پونچھ کا علاقہ اگرچہ کشمیر کے ساتھ ہی رہا مگر پونچھ کے ساتھ پوٹھوار میں گھمڑوں کی طاقت بے حد مضبوط ہو گئی تھی اور یہ رہتا ہے کہ ایک تک کھیتا قابض تھے۔

سلطان زین العابدین کے بعد کشمیر میں سلطان حسن شاہ کا عہد ۱۴۲۷ء تک ۱۴۷۷ء ہے۔ اس عہد میں کشمیر میں بے حد فساد ہوئی اور فریقین نے زیادہ سپاہی پونچھ کے علاقہ سے ہی فراہم کئے، سلطان حسن شاہ کے بعد سلطان فتح شاہ بالاول کا عہد ۱۴۷۷ء تا ۱۴۹۷ء ہے، اس میں پونچھ کے پہاڑی علاقہ کا متغیر ذکر ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین کی وفات کے بعد اس علاقہ کے خود سر قبائل اپنے اپنے علاقوں پر خود مختار ہو چکے تھے، سلطان محمد شاہ بالاردوم ۱۴۹۷ء تا ۱۵۰۳ء کے عہد میں بھی میرپور یعنی ریاست لوہارا کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چہر سلطان فتح شاہ بار سوم ۱۵۰۳ء تا ۱۵۱۳ء کے عہد میں پونچھ کے زیریں حصہ کا ذکر آتا ہے، اور اندازہ ہوتا ہے کہ پوٹھوار کے گھمڑا جاؤں نے پونچھ کے ساحلی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا، سلطان محمد شاہ بار چہارم ۱۵۱۳ء تا ۱۵۱۷ء کے عہد میں پونچھ کا کوئی خاص ذکر نہیں ملتا البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان زین العابدین کی وفات کے بعد کشمیر کی دادی میں جس قدر فساد ہوئی اس

میں فریقین زیادہ تر پونچھ سے ہی سپاہی حاصل کر کے ایک دوسرے کو کمیتیں دیتے رہے اور بعض دفعہ فریقین خود ہی جھگ جھگ کر اس پہاڑی ریاست میں پناہ لیتے رہے، سلطان محمد شاہ نے پانچویں بار ۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۷ء میں اس علاقہ سے فوج فراہم کر کے کشمیر کے تحت و تاج پر قبضہ کیا تھا۔

ان پہاڑی قبیلوں کے بعد کشمیر میں مرزا حیدر روغلات نے حملہ کیا اور وہ دہہ قوشہ میدان سے گذر کر کشمیر کی وادی پر قابض ہو گیا، مرزا حیدر روغلات کے عہد میں اگرچہ پونچھ کے پہاڑی سردار خود مختار تھے مگر جب مرزا حیدر نے کشمیر پر اقتدار حاصل کیا تو ان تمام سرداروں نے مرزا حیدر کی اطاعت کر لی مرزا حیدر روغلات ہمایوں بادشاہ کے خاندان کا ایک فرد تھا، اس نے اپنی نادار تعینت نارنج شیری میں تفصیلی حالات قلمبند کئے ہیں،

مرزا حیدر روغلات کے بعد کشمیر کی حکومت چک خاندان کے پاس چلی گئی، اس خاندان کا عہد ۱۵۲۷ء تا ۱۵۵۷ء ہے۔ چک مذہب آشیر تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دور حکومت میں کشمیر کی وادی شیعہ سنی فسادات کی لپیٹ میں آگئی اور اس خانہ جنگی کے باعث کشمیر کے فوجی علاقے مظفر آباد اور پونچھ وغیرہ خود مختار ہو گئے۔ مظفر آباد میں کھنڈ قبیلہ طاقتور تھا۔ اس قبیلہ کے سرداروں نے بارہ مولہ سے بچے ملک کے علاقہ پر مکمل قبضہ کر لیا۔ دوسرے لوہارا اور پونچھ کی سرزمین پر پرورد باش رکھنے والے مختلف قبائل تھے جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں مکمل خود مختاری قائم کر لی اور اس طرح پونچھ میں بھی فسادات شروع ہو گئے کیونکہ یہاں ہر طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ پر حملہ کر دیتا تھا، پونچھ کی سرزمین پر بکھرے ہوئے بعض آثار بتاتے ہیں کہ جب یہاں حریف قبائل ایک دوسرے کے خلاف مصروف جنگ ہوتے تھے تو رات کو حملہ کر کے ایک دوسرے کی بیتاب

جلاؤاٹے تھے۔ چک خاندان کے بکھران مین شاہ چک ۱۵۲۷ء تا ۱۵۴۷ء، علی شاہ چک، یعقوب چک اور یوسف چک کے عہد میں سیاسی افراتفری اور شیعہ سنی منافقات سے بڑھ چکے تھے، ان بے اندازہ زیادتیوں کی تاب نہ لا کر کشمیر میں زما کا ایک دفعہ شیخ یعقوب صوفی اور داؤد خاکی کی قیادت میں اکبر بادشاہ کے پاس گیا اور ایک معاہدہ کے بعد ۱۵۵۷ء میں اکبری لشکر نے دہہ قوشہ میدان سے گذر کر کشمیر کی وادی پر قبضہ کر لیا اور اس طرح کشمیر کی دادی سے ایک کشمیر کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

اکبر کے عہد میں پوٹھوار کے گھمڑا راجے کی مضبوط تھی لیکن اس کے باوجود اس نے کشمیر کے پورے علاقہ کو ایک صوبہ کی حیثیت سے اپنے مرکز کے ساتھ منسلک رکھا، اکبری عہد کے مستند ماخذوں میں یہاں

کشمیر کا ذکر آتا ہے وہاں پونچھ کا ذکر بھی آتا ہے، اکبری عہد کا سب سے پہلا صوبیدار لوہو سف خان تھا جو ۱۵۹۸ء سے ۱۶۰۱ء تک رہا۔ اس کے بعد ۱۶۰۱ء میں محمد قلی خان نے ہندو صوبیداری حاصل کیا اور یہ ۱۶۰۹ء سے ۱۶۱۰ء تک رہا۔ ۱۶۱۰ء میں مرزا علی اکبر خان نے کشمیر کی صوبیداری سنبھالی اور یہ ۱۶۱۰ء تک رہا۔ مرزا علی اکبر کی واپسی کے بعد اکبر نے نواب قلی خان کو بھیجا جس کا عہدہ ۱۶۱۵ء سے ۱۶۱۹ء ہے۔

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر نے تخت پر پاؤں رکھے تو اس نے نسبتاً صوبہ کشمیر کی طرف زیادہ توجہ دی، اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر فطری مناظر کا بے حد دلدادہ تھا۔ اس نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں جہاں کشمیر کا ذکر کیا ہے وہاں پونچھ کا ذکر بھی دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے، وہ اکثر ہرام گلاؤں کی آبادی کے راستے نشترے یا گرتا تھا اور اس رن پر درختوں کی اس کی چھٹی نیچے تو جہاں بھی اس کے ہمراہ جاتی تھی۔ جہانگیر نے نور جہاں کے لئے قوری چھب کے مقام پر ایک خوبصورت آبشار کے دامن میں چمک تیر کرائی تھی جس کے آداب تک موجود ہیں۔ جہانگیر جب اپنا آخری سفر خرم کر کے لاہور کی طرف جا رہا تھا تو اس کی موت بھی پونچھ کی سرحد پر واقع ہوئی تھی۔ اس کے عہد میں کشمیر پر پہلا گورنر یا شتم خان تھا جس کا عہدہ ۱۶۰۹ء تا ۱۶۱۲ء ہے۔ یا شتم خان کے بعد ۱۶۱۲ء میں صفدر خان کشمیر کا حاکم مقرر ہوا جو ۱۶۱۵ء تک رہا۔ اس کے بعد ۱۶۱۵ء میں احمد بیگ خان کو یہ عہدہ تفویض ہوا، اور یہ ۱۶۱۹ء تک کشمیر میں رہا، ۱۶۱۵ء میں لاہور میں اس کی جگہ ذمہ داریاں سنبھالیں اور یہ ۱۶۲۱ء تک رہا۔ دلاور خان کے بعد ارادت خان ۱۶۲۱ء تا ۱۶۲۳ء اور اعتقاد خان ۱۶۲۳ء تا ۱۶۲۵ء کے عہدہ قابل ذکر ہیں۔ اس دوران پونچھ کی سرزمین پر دلاور خان خانان کی حکومت قائم ہوئی اور پھر کشمیر کے ساتھ اس چھوٹی سی ریاست کی باقاعدہ سیاسی وحدت بھی گئی تھی جو اب تک قائم ہے۔

راٹھور خاندان

۱۵۹۷ء تا ۱۶۳۵ء، راٹھور خاندان راجپوتانہ کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے اکثر شہروں اور قصبہ جات میں بکثرت آباد ہے، اس کے حسب و نسب کے بارے میں وثائق راجستھان، راجپوتانہ، پنجاب اور اتر پردیش راجپوتانہ وغیرہ میں درج ہے، پونچھ کے راٹھور خاندان کے بارے میں جو حالات ملتے ہیں وہ صرف اس قدر ہیں کہ ان کا مورث اعلیٰ مرنجن سنگھ نامی ایک راٹھور راجپوت تھا جس نے کسی مسلمان درویش کی تبلیغ سے دین اسلام قبول کیا اور اسلامی نام

سراجدین رکھا، اس کے آباء و اجداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل وطن قنوج تھا اور اس خاندان کے جد اعلیٰ کا نام سیاحیا تھا، شیوری تھا، اس نے کسی جنگ میں اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کے بعد راولپنڈی میں انگریزوں کی آزادی کی اور یہاں اقتدار حاصل کر لیا۔

اس کی تیرہویں پشت سے راجدھانی جو دھپور ۱۵۹۹ء اور اسی قدر پشت میں سے راولپنڈی کی ایک سردار تھا، یوگیشی عہد میں راٹھور خاندان کا ایک بااقتدار رئیس تسلیم کیا جاتا تھا، بعض آثار تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ رانی جو دھپور رانی اسی رئیس کی بیٹی اور یہ راجدھانہ کے سنگھ کی بہن اور جہانگیر کی ماں تھی۔

راجدھانہ کے سنگھ نے ۱۵۹۷ء میں، اپنے ادرے ہندو شیاں چھوڑ کر وفات پائی، اور ان میں سے تیسویں بیٹا اپنے باپ کی جگہ گدی نشین ہوا جس کا نام سورج سنگھ تھا، ساتواں بیٹا دلپ سنگھ تھا جو اکبری دربار سے وابستہ رہا، خدمات انجام دیتا رہا۔ تین سنگھ اس کا بیٹا تھا جس نے اکبر بادشاہ سے ملاوہ میں جا کر حاصل کی، اور نویں بیٹے نے شاہجہانی عہد میں جاگیر حاصل کی تھی جس کا نام کنش سنگھ تھا، ناڈا صاحب خان کے معنیٰ نہ لکھا ہے کہ دسواں بیٹا جو بھرت سنگھ تھا اور اکبری دربار کا مایہ ناز جرنیل مان سنگھ اس کا بیٹا تھا، ماں سنگھ کے ایک فرزند کا نام سورج سنگھ تھا جس نے مسلمان ہو کر اپنا نام سراجدین رکھا تھا۔

سراجدین کی ابتدائی زندگی کے حالات کسی تاریخی کتاب سے نہیں ملتے، البتہ اتنی روایات موجود ہیں کہ جب اس نے اپنے کنبے کے چند افراد سمیت دین اسلام قبول کیا تو اپنے ملازموں کو ساتھ لے کر راجپوتانہ سے ہجرت کی اور لاہور چلا آیا، لاہور کے کنبے گیا اور وہاں سے واپس ہو کر پونچھ کے قریب کہوٹہ نامی ایک قصبہ میں اقامت اختیار کر لی، کہا جاتا ہے کہ کہوٹہ محلانوں کی جیب نامی ایک چوہان رئیس اختیار رکھتا تھا، جب سراجدین کشمیر سے واپس آگیا اس رئیس کے یہاں ٹھہرا، تو چوہان رئیس نے اس کی ذاتی شرفیت اور خاندانی وجہاں کے پیش نظر اسے متعلق بنانے کا بہانہ بنا کر اس کی ملازمت کو قبول کر لیا، اس کے نکاح میں دے دی، بعض کتب میں مذکور ہے کہ سراجدین کی پہلی بیوی بھی موجود تھی مگر چوہان سردار سراجدین پر اس قدر ہریان ہوا کہ اس نے اسے اپنی دلاوی کے شرف سے نوازا اور کچھ دین بدلے میں اس کی سراجدین کو سوہنپ دی، اور اس طرح سراجدین جو دھپور کے کہوٹہ کے نسب سے سرخیز ہوا۔

سراجدین کے حالات و واقعات گہرائی میں نہیں جاتے، یہی ہیں اور اس قدر بھی معلوم نہیں کہ اس کی سرداری کس قدر

علاقہ برقی گزرتا ہے چنانچہ اس کے جس زمانے میں شہزادہ سلیم جمہاگیر اپنے باپ اکبر کے پاس کشمیر آیا تو اس نے پونچھ کا سرحد پر اپنا غیر منصب کر لیا، اس وقت یہ علاقہ سرحدین کی عمارت میں تھا، جب سرحدین نے دیکھا کہ جمہاگیر نے یہاں اپنی سلاری روک لی ہے اور کہ وہ سیر و شکار کا راہ ہے تو اس نے جمہاگیر کی امراء کے خورد و نوش کا انتظام کیا اور جمہاگیر کے دیباہیں دست بستہ حاضر رہا، جمہاگیر سرحدین کے حسن انتظام سے خوش ہوا اس نے نہ صرف سندھ و شہزادی عطا کی بلکہ راجہ کے خطاب سے بھی سرفراز کیا، ان واقعات پر اگرچہ رنجی بہت کم ہڑتی ہے مگر کانچہ کہ جمہاگیر نے یہ تمام علاقہ سرحدین کی عمارت میں دے دیا ہوگا۔

سرحدین کے باپ ہٹی بیوی سے راجہ فتح محمد پیدا ہوا جس کو دھات دہانی کے معصیت نے عبد الفتح یا عبدالغیا کہا ہے۔ دوسری بیوی سے جو چوہان رئیس کی بیٹی تھی دو فرزند نور محمد خان و جان محمد خان پیدا ہوئے ان میں سے بڑے فرزند عبد الفتح کو پونچھ کی حکومت ملی اور دوسرے فرزندوں کو معقول جاگیریں عطا کی گئیں

۳۳۱ء تا ۳۳۲ء راجہ عبد الفتح یا فتح محمد خان نے پونچھ پر ایک طویل عرصہ تک حکومت کی ہے۔ اس زمانے میں اگرچہ پونچھ کے زیریں حصہ پر مختلف قبائل طاقتور تھے مگر اس کے باوجود اس ریاست کا اختدار اعلیٰ راجہ فتح محمد کے پاس تھا اور اس نے ہر گاؤں کے بااثر سردار کو اپنے دیباہوں میں شامل کر رکھا تھا۔

کشمیر اور لڑکی کے درمیان ایک حصہ ڈھوک گرجن کہلاتا ہے، یہاں پونچھ کا گائے صدر مقام تھا اور اس کے سب سے بڑے داروں میں پونچھ شہر کے لوگ گرجیوں کا موسم گذارتے تھے، یہ پورا علاقہ راجہ فتح محمد نے ہی پونچھ کے ساتھ شامل کیا تھا،

بعض تاریخوں سے جو حوالے ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ فتح محمد کی زندگی کا بیشتر حصہ صوبہ داران کشمیر کے ساتھ جنگ میں صرف ہوا۔

اس راجہ کے عہد میں پونچھ کے ایک انجمنی حصہ دادی باغ پر ملیال یا مغل قبیلہ کا اختیار تھا اور اس قبیلہ کا سردار جافا خان نامی بے حد طاقتور تھا، جب راجہ فتح محمد اور جافا خان کے درمیان جنگ ہوئی تو راجہ فتح محمد خان مارا گیا۔ تارکوں سے صرف اس قدر واضح ہے کہ اس نے جافا ملیال کی بغاوت میں وفات پائی ماس کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ بغاوت کس مقام پر ہوئی، لیکن قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جافا ملیال کا اختیار دادی باغ ہی ہوا ہوگا اور راجہ فتح محمد نے اس پر فوج کشی کی ہوگی، بہر حال

اس راجہ کے جو حالات ملتے ہیں ان سے اس قدر ثابت ہے کہ یہ درہنہ شمش اور خدا پرست تھا اور اس کے عہد میں پونچھ میں دین اسلام کی کافی تبلیغ ہوئی ہے۔

اس کی وفات کے وقت اس کے دو فرزند راجہ عبد اللہ زاق اور راجہ محمد مظلم تھے، راجہ محمد کو علاقہ کپڑا اور سردھون جاگیر کے طور پر عطا ہوئے اور راجہ عبد اللہ زاق خان اپنے باپ کا جانشین قرار پایا۔

۳۳۲ء تا ۳۳۳ء راجہ عبد اللہ زاق خان اپنے باپ کی وفات سے پہلے راجہ عبد اللہ زاق خان اپنے بھائی کے ساتھ گرجا کے امور میں بڑے اختیارات ملے تو اسمانے پونچھ کے موجودہ شہر کو کافی وسعت دی اور کوٹلی و میر پور تک کے علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا، اس نے پونچھ شہر کے قریب ایک قلعہ کی تعمیر کرائی جس کے شکستہ کھنڈ اب تک موجود ہیں۔

راجہ عبد اللہ زاق خان کے بارے میں جو حالات ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بے حد باادب و شجاع اور دیندار راجہ تھا، اس کے عہد حکومت میں بھملہ اور قبائل کے سادات کو رام بھی پونچھ آئے اور مختلف مقامات پر دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔

راجہ عبد اللہ زاق خان کو کئی ترہہ کشمیر کے گورنروں سے جنگ لڑنی پڑی، مگر حالات بتاتے ہیں کہ اس نے کئی دفعہ صلح کے کرایہ دینا بھی منظور کیا۔ ۳۳۵ء میں عبد اللہ زاق خان کے دو فرزند نور محمد زاق خان اور دلی محمد خان نے ایک پنڈت میسر دیالام کی شادی سے سر پر ہو کر ہل گیا مگر دونوں نے شرکت کھائی اور مارے گئے۔ اس کے دو اور بیٹے امیر خان اور علی گوہر خان تھے۔ امیر خان نے لا دلہ و وفات پائی اور علی گوہر خان کی اولاد وراثت قرار پائی، کہتے ہیں کہ جب راجہ عبد اللہ زاق خان نے انتقال کیا تو علی گوہر خان کسی تھا، اس کے والد راجہ عبد اللہ زاق خان کے ایک مصاحب لطیف اللہ خان نے پونچھ کی حکومت پر قبضہ کر لیا، یہ شخص پیشہ سے محاذ سے ترکمان تھا مگر فطری ذہانت و فطانت کے باعث اس نے راجہ عبد اللہ زاق کا قریب حاصل کر لیا تھا، جب اس نے راجہ کی وفات کے بعد ملک پر اپنی حکومت کا اعلان کیا تو راجہ عبد اللہ زاق کی بیوہ اپنے کم سن بیٹے علی گوہر خان کو لے کر رولوش ہو گئی۔ اس وقت کشمیر میں مغلوں کا آخری صوبہ دارانہ قلی خان تھا جو سلطان ناصر الدین کی طرف سے کشمیر میں متعین تھا۔ اعلیٰ خان نے لطیف اللہ کی سرکوبی کے لئے کشتواڑ کے حکمران راجہ اسلام یا رافان کو پونچھ بھیجا، جب اسلام یا رافان اپنی فوج لے کر پونچھ کے علاقہ سردھون میں آیا تو اس نے راجہ بقا محمد خان کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا

کی۔ اس وقت علاقہ پونچھ میں مختلف قبائل آباد تھے اور ہر طاقتور قبیلہ کمزور پر چڑھو دیتا تھا، یکے پر
دوسرے پر رستم خان نے یہاں کی حکومت سنبھالی تو اس نے یہاں کے تمام قبائل کو شیر و شکر کر دیا۔

اس وقت کشمیر پر افغانوں کا اقتدار قائم تھا راجہ رستم خان نے بجائے افغان گورنر مین کشمیر کے اپنے فوجی
بڑے راستہ افغانستان کی مرکزی حکومت سے استوار کر لئے، یہی وجہ تھی کہ جب مشرق میں کشمیر کے
افغان گورنر آزاد خان نے خود بخاری کا اعلان کیا تو راجہ رستم خان کو افغانستان کی مرکزی حکومت سے
یہ پیغام ملا کہ اس بناوٹ کو ختم کر دیا جائے، واقعات ورائے کا مصنف لکھتا ہے کہ کشمیر کا صوبیدار آزاد خان
دلیئے پونچھ راجہ رستم خان کا داماد تھا، جب اس نے بغاوت کی اور افغان فوجیں اس کی خوشامی کے لئے
کشمیر میں داخل ہوئیں تو آزاد خان نے اپنے خسر راجہ پونچھ کے ہاں پناہ لی مگر اس نے اسے گرفتار کر کے قتل
کر دیا، بعض دوسرے مورخوں کے حوالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ افغان گورنر آزاد خان جب کشمیر سے فرار
ہو کر پونچھ پہنچا اور یہاں اپنے خسر راجہ رستم خان کے ہاں پناہ لی تو مروجہ پاکو اس مملکت پر قبضہ کرنا چاہا لیکن
کشمیر کا اقتدار تو وہ بغاوت کر کے کھو بی چکا تھا، چنانچہ جب رستم خان کو اس کی فحاشی کا پتہ چلا تو اس نے
اس کا کام تمام کر دیا، ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ رستم خان کے تعلقات افغان حکومت کے
ساتھ خوشگوار تھے۔

اس وقت اگرچہ پونچھ میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم تھی مگر اس کے لواعات میں رہنے والے قبائل اور ان
کے سردار کافی خود سر ہو رہے تھے، مظفر آباد میں کھکھلہ راجا نے سیاسی طور پر کافی مزاحمت حاصل کر لیا تھا
چنانچہ راجہ سر بلند خان والے گورنری نے پونچھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس نے راجہ عثمان خان والے بھیلو
راجہ جید راجہ خان والے میر پور کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا اور اس طرح پونچھ سے راجہ رستم خان کے اقتدار
کا خاتمہ کر کے اس ملک کو آپس میں تقسیم کرنے کی کوشش کی مگر راجہ رستم نے پونچھ کے تمام قبائل کے تعاون
سے اس سازش کو ناکام بنادیا۔

بتایا جاتا ہے کہ جب رستم خان نے ان نوابی راجاں کے حاکم کو ناکام بنادیا تو بعد ازاں ان ہی سے اکثر کو
گرفتار کر کے افغانستان میں ہر شاہ کے پاس بھیجا، کابل کا حکمران تیمور شاہ راجہ رستم خان کا بھید مدد تھا
یہی وجہ تھی کہ اس کی طرف سے جس قدر فرامین آتے تھے ان میں راجہ رستم خان کو معزز و اقبال سے نوازا جاتا
تھا، ایک مرتبہ رفیق اللہ کینڈی جو کشمیر میں نائب السلطنت تھا کسی وجہ سے متوب ہو کر جب راجہ رستم خان

جوڑا ٹھوڑا خاندان کی شاخ سے تھا، ان دونوں نے مل کر لطیف اللہ خان کے اقتدار کا خاتمہ کیا مگر پونچھ
پر راجہ اسلام یا رخاں نے خود قبضہ کر لیا۔ اسلام یا رخاں کے حالات کسی تاریخ میں تفصیل سے نہیں
میلے، البتہ اتنا یہ جلتا ہے کہ اس نے منڈی کے قریب اسلام آباد کے نام سے ایک شہر آباد کر لیا تھا
جس کے مدد سے آثار اب تک موجود ہیں۔

۹۰ء تا ۱۰۳ء، راجہ علی گور خان عرف راجہ رستم خان کا عہد پونچھ
راجہ رستم خان کا زیر مہد تصور کیا جاتا ہے، اس کے ابتدائی حالات تفصیل سے نہیں ملتے یہ
بتایا جا چکا ہے کہ جب پونچھ پر لطیف اللہ خان نے پاؤں پھیلانے لگے تو عالم لغویات میں اس کی والدہ
اسے لے کر دوش ہو گئی تھی، اس نے کن لوگوں کی معاونت سے دوبارہ اقتدار حاصل کیا اور اقتدار حاصل
کرنے سے پہلے کن کن مصائب سے دوچار رہا۔ ابتداً تپا تپتا چلتا ہے کہ متواتر ۱۳ سال تک پریشاں حال
رہنے کے بعد علی گور خان نے اپنا مردی حق دوبارہ حاصل کیا اور اسے راجہ رستم خان کا لقب ایک
لاہوری درویش نے عطا کیا تھا۔

اس وقت کشمیر و افغانوں کی حکومت قائم ہوئی تھی اور راجہ رستم کا علاقہ اگرچہ رقبہ کے لحاظ سے بہت کم
تھا مگر اس کے باوجود اس نے اپنے اس مختصر سے رقبہ کو مضبوطی ترقی دینے کے لئے پوری پوری کوشش کی، راجہ
رستم خان کی نیک نامی اور شرافت کا شہرہ سن کر بہرے سینکڑوں حرف پیشہ لوگ پونچھ آئے اور انہوں
نے اس ملک کو ترقی یافتہ ممالک کے ہم پل بنادیا۔ یہی وجہ ہے کہ پونچھ میں راجہ رستم خان کے عہد کو ذہین
عہد تصور کیا جاتا ہے اور اسے پونچھ میں وہی حیثیت حاصل ہے جو کشمیر میں سلطان بد شاہ کو حاصل تھی۔
راجہ رستم خان کے عہد میں پونچھ کی سر زمین پر مسادات گردیز کے مبلغوں نے شاندار تبلیغی خدمات
سراںام دیں، اس وقت یہاں کے بعض پسندہ لوگ دین اسلام سے بے خبر تھے، جب حضرت سید منور شاہ
عرف شاہ سہار پونچھ کے پہاڑی علاقہ میں تشریف لائے تھے تو یہاں کے لوگ دین اسلام کے معاملہ میں
بالکل ہی بے بہرہ اور غیر واقف تھے۔ انہوں نے ایک طویل مدت تک یہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دیا
تھا۔ اس کے بعد ان کی شاخ سے بہت سے مبلغ پونچھ میں مقیم رہے اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے
فرائض انجام دیتے رہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

پونچھ کے ہر دھرم زاد و دیندار حکمران راجہ رستم خان نے یہاں کے تمام قبائل کو متحد رکھنے کی کوشش

کی۔ اس وقت علاقہ پونچھ میں مختلف قبائل آباد تھے اور ہر طاقتور قبیلہ کمزور پر چڑھو دیتا تھا، لیکن جب راجہ رستم خان نے یہاں کی حکومت سنبھالی تو اس نے یہاں کے تمام قبائل کو شیر و شکر کر دیا۔

اس وقت کشمیر بادشاہوں کا اقتدار قائم تھا راجہ رستم خان نے بجائے افغان گورنر مہتمم کشمیر کے اپنے تعلقات بڑھاد راستہ افغانستان کی مرکزی حکومت سے استوار کر لئے، یہی وجہ تھی کہ جب سلاطین میں کشمیر کے افغان گورنر کا دھانے خود بخاری کا اعلان کیا تو راجہ رستم خان کو افغان نشان کی مرکزی حکومت سے یہ پیغام ملا کہ اس بغاوت کو فرو کیا جائے، واقعات درانی کا مصنف لکھتا ہے کہ کشمیر کا صوبیدار آزاد خان دایہ پونچھ راجہ رستم خان کا داماد تھا، جب اس نے بغاوت کی اور افغان جوہیں اس کی گوشمالی کے لئے کشمیر میں داخل ہوئیں تو آزاد خان نے اپنے خرمو راجہ پونچھ کے ہاں پناہ لی مگر اس نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا، بعض دوسرے مورخوں کے حوالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ افغان گورنر آزاد خان جب کشمیر سے فرار ہو کر پونچھ پہنچا اور یہاں اپنے خرمو راجہ رستم خان کے ہاں پناہ لی تو موقع پا کر اس ملک پر قبضہ کرنا چاہا کیونکہ کشمیر کا اقتدار وہ بغاوت کر کے کھو بی چکا تھا، چنانچہ جب رستم خان کو اس کی بخاری کا پتہ چلا تو اس نے اس کا کام تمام کر دیا، ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ رستم خان کے تعلقات افغان حکومت کے ساتھ خوشگوار تھے۔

اس وقت اگرچہ پونچھ میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم تھی مگر اس کے فاعلات میں ہنے والے قبائل اور ان کے سردار کاغذی طور پر دوسرے ہوتے تھے، منظر آباد میں کھکھل راجا نے سیاسی طور پر کافی عروج حاصل کر لیا تھا، چنانچہ راجہ سر بلند خان والے گھوڑی نے پونچھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس نے راجہ نشان خان والے بھیج دیے راجہ حیدر خان والے میر پور کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا اور اس طرح پونچھ سے راجہ رستم خان کے اقتدار کا خاتمہ کر کے اس ملک کو آپس میں تقسیم کرنے کی کوشش کی مگر راجہ رستم نے پونچھ کے تمام قبائل کے تعاون سے اس سازش کو ناکام بنادیا۔

بتایا جاتا ہے کہ جب رستم خان نے ان فوجی راجاں کے حاکم کو ناکام بنادیا تو بعد ازاں ان میں سے اکثر کو گرفتار کر کے افغانستان میں پور شاہ کے پاس بھیج دیا، کابل کا حکمران تیمور شاہ راجہ رستم خان کا بھید مدارج تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی طرف سے جس قدر فزین آتے تھے ان میں راجہ رستم خان کو عزت و انقباب سے نوازا جاتا تھا، ایک مرتبہ میر تقی اللہ کیڑی جو کشمیر میں نائب اسفلت تھا کسی وجہ سے متوہ ہو کر جب راجہ رستم خان

والے پونچھ کے پاس پناہ گزین ہوا، اور راجہ سے امداد کی درخواست کی تو راجہ رستم خان نے اخلاقی طور پر اس کی ناراضی کے پیش نظر اس کی کوئی مدد نہ کی اور اسے چند دن یہاں رکھ کر رخصت کر دیا۔

راجہ رستم خان نے پونچھ کی ریاست پر ۲۸ سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی، اس نے اس ملک کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے قلعے اور چوکیاں قائم کیں ان کے آثار اب تک ملتے ہیں، راجہ رستم خان کے عہد میں پونچھ کو رستم بھگت کہا جاتا تھا مگر اس نام نے غلط پونچھ کے مقابل میں رواج نہیں پایا۔ راجہ رستم خان نے جب انتقال کیا تو اس کے تین بیٹے مگر شہباز خان، صوبہ جنگ باز خان و بہادر خان نامی تھے، راجہ رستم کی جگہ راجہ شہباز خان مقرر ہوئے۔

۱۷۹۷ء تا ۱۸۰۷ء راجہ شہباز خان اپنے دونوں بھائیوں سے بڑا تھا، جب اس نے باپ کی جگہ کی انتہا ارات سنبھالے تو پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض سرانجام دیئے، راجہ شہباز خان دلیر اور شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے اس پہاڑی علاقہ میں دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس راجہ کے عہد میں پونچھ کے قبائل سدرن، ملدیال، گوجر اور دیگر اکثریتی قبائل پوری طرح متحد و متفق تھے یہی وجہ تھی کہ جب راجہ رستم کے راجہ مگر اللہ خان نے پونچھ پر حملہ کیا تو ان تمام قبائل نے راجہ شہباز خان کی قیادت میں متحد ہو کر اسے شکست دی۔

۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۷ء راجہ شہباز خان کے انتقال کے بعد پونچھ کی مغل حکومت راجہ بہادر خان نے سنبھالی مگر اس کے زمانے میں بہت سے مازشیوں نے اندرون ریاست ریشہ و اذیان شروع کر دی تھیں اور روح اللہ نامی ایک شخص نے کافی سیاسی عروج حاصل کر لیا تھا اس سے پہلے عمر خان کھنیر راجہ بہادر خان کا وزیر تھا مگر جب اس کی جگہ روح اللہ خان نے وزارت سنبھالی تو اس نے گورنر کشمیر عبداللہ خان انگوئی اور راجہ بہادر خان کے درمیان دشمنی پیدا کر لی۔

روح اللہ خان کی سازش اس حد تک کامیاب رہی کہ اس نے راجہ بہادر خان کو عبداللہ خان انگوئی کے وزیر تبدیل کر لیا اپنے بیٹے امیر خان کو پونچھ کا حاکم بنادیا، بعض مورخوں نے اس کا نام بھی بہادر خان ہی لکھا ہے، مگر اس کا اصل نام امیر خان تھا، امیر خان کے عہد حکومت کے حالات بہت کم ملتے ہیں، البتہ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست میں بڑی طرح انتشار پھیل چکا تھا اور طاقتور قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے

غلام معروف جنگ ہو چکے تھے۔

راجہ شیر باز خان

۱۸۳۱ء تا ۱۸۳۸ء اس وقت راجہ شیر باز خان علاقہ سدھرون پر حکومت کرتا تھا، مگر جب اس کے بیٹے امیر خان نے ریاست پونچھ پر قبضہ کر کے یہاں کے قبیلوں کو اٹھایا، تو اس نے حملہ کر کے ان دونوں باپ بیٹوں کو پونچھ سے نکالا اور ملک پر خود قبضہ کر لیا۔ شیر باز خان کے بارے میں جو حالات ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اس نے روح النہاد اس کے بیٹے کو شکست دے دی تھی مگر اس وقت پونچھ کے طاقتور اور حریف قبیلوں کی باہمی جنگ نے ملک کے نظم و نسق کو بڑی طرح متاثر کر رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ دوسری مرتبہ روح النہاد نے کشمیر کے افغان گورنر سے مل کر جب پونچھ پر حملہ کیا تو یہاں کی حکومت ایک مرتبہ پھر اس کے پاس چلی گئی۔

راجگان سدھرون

سدھرون اور گوبند کا علاقہ پونچھ کے صدر مقام شہر سے شمال کی جانب درہ پیر پتال دھن برگ کے دامن میں اور ادوڑی کے جنوب کی طرف واقع ہے، اس علاقہ میں ساٹھ گاؤں تھے اور اس کا کل رقبہ ۶۰ مربع میل تھا، راجہ فتح محمد خان دالے پونچھ نے جب اپنے بیٹے فرزند راجہ عبدلرزاق خان کو اپنی زندگی میں ہی پونچھ کا والی مقرر کیا تو اپنے دوسرے بیٹے محمد عظیم خان کو تمام علاقہ سدھرون بخش دیا جس میں کچھ علاقہ غرقیانہ، کہہتر اور ڈاٹا بھی شامل تھے اور اس کی حدود گندکی سی تک تھیں، یہ واقعہ ۱۸۳۸ء کا ہے، راجہ عنایت اللہ خان دالے سدھرون کے آخری زمانہ تک یہ تمام علاقے ایک چھوٹی سی جاگیر کی صورت میں پونچھ کے ساتھ ہی ملحق رہے لیکن راجہ شیر باز کے زمانہ میں جبکہ دیگر بڑا ہے روح النہاد کے حملہ کے دوران یہ علاقے الگ ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ سدھرون اور اس کے یہ قبضہ شدہ قبیلہ کشمیر کے ماتحت ہوئے مگر جب کشمیر پر سکھوں نے قبضہ کیا تو یہ علاقہ سکھوں کے ماتحت آئے، دو گروہ ہندیں سدھرون کا یہ علاقہ پونچھ کی ایک جاگیر قرار پایا اور راجہ غلام علی الدین کو اس کا حاکم تسلیم کیا گیا تھا ۱۹۳۷ء تک راجگان سدھرون اس علاقہ کے حاکم تسلیم کئے جاتے رہے۔

آپ راجی

کشمیر و سکھوں کا جد ۱۸۱۸ء تا ۱۸۳۹ء اس علاقہ سے خاص اپریت رکھتا ہے کاس میں بیس پونچھ کی اس آخر تقری، بدنگلی اور آپ راجی کا پتہ چلتا ہے جو ہماری ملکی تاریخ کا ایک اہم سنسکارت ہے اور جس کے اثرات اب تک موجود ہیں۔

کشمیر و ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے پہلا صوبیدار دیوان سرحد متعین ہوا ایک مختصر وقت

کے لئے تھا، اس کے بعد دیوان موتی رام ۱۸۱۸ء کے اور خیر بیگیا جو ۱۸۲۰ء تک رہا، دیوان موتی رام کے بعد کشمیر کی صوبیداری ہری سنگھ تلودہ نامی ایک سکھ کو سونپی گئی جس نے منظر آبا وادہ پر زور دیا وغیرہ میں پانچ ملازم توڑے، ۱۸۲۰ء میں اسے واپس بلانے کے بعد ہمارا راجہ نے دیوان موتی رام کو کچھ کشمیر کا علاقہ دیا اس دفعہ یہ ۱۸۲۵ء تک رہا۔ اس کے بعد دیوان چرنی لال کو بھیجا گیا، ۱۸۲۵ء سے لے کر ۱۸۳۰ء تک کشمیر پر حکومت کرتا رہا۔ ۱۸۳۰ء کے اوائل میں ہمارا راجہ رنجیت سنگھ نے دیوان دلہانہ رائے امین آبادی کے بیٹے دیوان پرا رام کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا اور یہ ۱۸۳۰ء تک رہا، یہ شخص بڑا علم دوست اور عالم تھا، اس نے نہ صرف کشمیر کی ایک بہ دولت سرنگار کشمیر کے نام سے کبھی بلکہ گلاب نام بھی لکھا جو ہمارا راجہ گلاب سنگھ کی سواغری ہے۔ ۱۸۳۰ء میں جب لاہور و بارہانے اسے واپس بلایا تو اس کی جگہ بہانہ سنگھ اور دلی نامی ایک شخص کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا گیا جو ۱۸۳۰ء سے لے کر ۱۸۳۵ء تک رہا۔ اس کے بعد شہزادہ شیر سنگھ کو کشمیر کی صوبیداری عطا کی اور شہزادہ شیر سنگھ ۱۸۳۵ء تک کشمیر کی صوبیداری پر مامور رہا، ۱۸۳۵ء میں ہمارا راجہ کرن بہانہ سنگھ کیدل کو یہ عہدہ عطا کیا اور یہ ۱۸۳۵ء تک اس پر بحال رہا۔

مذکورہ بالا سکھ صوبیدار ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کے عہدے فلق رکھتے ہیں، اس دور کے حالات و واقعات کا تحریر کرتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ پونچھ کا راجا و راجا نند کمزور اور بے اثر ہو چکا تھا اور اس کا دائرہ حکومت صرف سدھرون تک محدود تھا اور پونچھ کے قبیلہ سر پر یہاں کے طاقتور قبیلوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں جنہیں خاص دریش آپ راجی کہا جاتا تھا۔

اس دور کے حالات مدد و مرتب صورت میں ہمارے سامنے نہیں تاہم سینہ بہ سینہ علی آئے دلی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ پونچھ، میر پور کوٹلی، بہمپور اور جوری وغیرہ کے سرکش اور لکڑی قبا ئل نے اپنے اپنے علاقوں میں مکمل خود مختاری قائم کر لی تھی اور یہی طرح بھی سکھوں کی اطاعت کے لئے تیار نہ تھے، اس وقت سکھوں کی مضبوط طاقت ایک طرف پورے پنجاب پر محیط تھی اور دوسری طرف کشمیر بھی اس کے زیرِ نفاذ تھا مگر پونچھ کا پہاڑی حصہ اس کے زیرِ اثر نہ تھا۔

پونچھ کے معاملات مختلف ذیلیوں سے ہیں ملتے ہیں ان سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ پونچھ کو ایک تحصیل پر سدھن قبیلہ کے سرداروں کی آپ راجی قائم تھی اور اس تحصیل کو سدھنوں کی اکثریت کے سبب سدھنوں کو کہا جاتا تھا، اس تحصیل کے مختلف مقامات پر سدھن سرداروں نے چھوٹے چھوٹے قلعے اور دہلیا لگے

کو کبھی تھیں اور سرکار وہ سرداران ہی تھے جن میں اس زمانے میں کوٹ کہا جاتا تھا۔
تفصیل سرحد کوئی طرح تھیں یا نہ تھیں آپ راہی تھی، اس قبیل کے بلائی حصہ پر یہاں کے قبیلہ
ملدیال کا مکمل قبضہ تھا اور اس طرح یہاں ملدیال سرداروں نے بھی کوٹ اور دپلیاں میر رکھے تھے، قبیل
بانٹ کے مغربی حصہ پر مھوٹوں (عباسیوں) تیز یاوں، کھکوں اور جوتیلوں نے بھی آپ راہی قائم کر رکھی
تھی، حد شرعی یاغی اگرچہ دوسرے قبائل یعنی نادر، کنگڑ، سید، اوان، مہاس، تمکیال، کھک وغیرہ
بھی آباد تھے، مگر یہ سب بات ہے کہ یہاں کی اراضیاں تہہ پر ملدیال قبیلہ کے سربراہ اور وہ لوگوں کا قبضہ تھا اور
چپان سیاہ و سفید کا مالک یہی قبیلہ تھا، قبیل جوبی کے ایک حصہ تک ملدیال قبیلہ کے سرداروں کے
کوٹ اور دپلیاں قائم تھے بلکہ وہ لوگ دوسرے اعلیٰ قبائل سے اراضیاں کا لگان خورد و صل کرتے تھے،
تھیں مہندہ ماہ و روحی کی بھی یہی کیفیت تھی، یہاں دوی، گوجر، تیزوا اور دوسرے کئی اعلیٰ قبائل آباد تھے
مگر قبیلہ چپان اکثریت میں تھا اس کے سربراہ اور وہ لوگ حکمران تصور کئے جاتے۔

قبائل کے پڑائے شجروں اور کافلات حکمران سے ثابت ہے کہ پونچر آپ راہی کا دور ہے حد فوسنگ
تھا اس میں شک نہیں کہ یہاں کے لوگ بڑے پختہ مسلمان تھے اور دینی شاعر کی بھی بے حد پابندی کو
تھے کہ قبیلہ برہمن کی بیماریاں ان کے دگدگ دریش میں اس قدر صریح ہو گئی تھی کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ پر اپنا
حق فائق تصور کرتا تھا۔

اگر قبیلہ نہ صرف حکمران تھے بلکہ اعلیٰ قبیلوں کے ساتھ ہی ان کے مراسم مشتقا نہ تھے، ہر اکثریتی
قبیلہ اعلیٰ قبیلہ کو دبانے اور کمزور کرنے کی کوشش میں رہتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ایک فسادات یہ
تھی کہ اکثریتی قبیلہ کے سردار بھی آپس میں متحد نہ تھے، جہاں ہر سردار ک فاطت مضبوط ہوئی تھی وہ فردا ہی اپنے
قبیلہ کے دوسرے کمزور سردار پر چڑھ دوڑتا تھا اور اس طرح ان کی تلواریں آپس میں ایک دوسرے کے
خون سے رنگی رہتی تھیں۔

ان تمام بیماریوں کے ساتھ ساتھ دیر آپ راہی میں اونچ نیچ کی بیماری انتہائی عروج پر تھی اور سب کا قبیلہ
کے لوگوں کو حقیر و کمتر اور کبتر سمجھا جاتا تھا اور ہر دست کار کو اس کے ہنرے منسوب کر کے اس کی ذات بھی
وہی تصور کی جاتی تھی۔ جو شخص پڑا ہوا تھا اسے کہہ ہی کہہ جاتا تھا اور اس کی قوم بھی کہہ ہی کہہ جاتی تھی
جو شخص لوہار تھا وہ ذات کا بھی لوہار تھا، جو ترکھان تھا اسے ترکھان ہی کہہ جاتا تھا اور ان تمام سبک

قبیلوں کو اس قدر دیا گیا تھا کہ ان کو گردن اٹھا رہا ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

پونچر کی سڑکیں پراپی کی جدا جدا ستان مشہور ہے اس کے بعض پہلوئے حد جگر سوز ہیں، شمع طہ پر یہ
سمجھا جائے کہ درائے کافلات دن ان مظلوموں کے سر پر چلتا رہتا تھا، دلا نہیں کسی طرح سرتابی
کی جرأت نہ ہوتی تھی، بعض عمر رسیدہ لوگوں کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ دستکار قبیلہ کا کوئی شخص کسی لڑکے
کے سامنے چارپائی پر نہیں بیٹھ سکتا تھا، اور اگر کوئی ستان یہ حرکت کر گزرتے تو علاقہ کے سردار کی طرف
سے اسے کڑی سزا دی جاتی تھی، یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں دستکار قبیلہ کا کوئی آدمی اچھی گائے
بھینس، بھیڑ بھری یا بیل نہ رکھ سکتا تھا، اگر کسی سردار کو پتہ چلے کہ کسی دستکار کے پاس اچھی گائے یا
بھینس ہے تو وہ جبراً بھینس کرے جاتا تھا۔

کوٹ اور دپلیاں اس لئے تعمیر کی گئی تھیں کہ ان میں علاقہ کا سردار رہائش رکھتا تھا، اس کے ماتحت
جس قدر لوگ ہوتے تھے وہ ان کے تنازعات کا خود فیصلہ کرتا تھا اور اس کے فیصلہ کے خلاف سب کتنا ہی
کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی، علاقہ کا سردار یعنی رعیت سے فصل کا لگان وصول کرتا تھا اور اپنا حصہ
کرنے کے بعد وہ دکان اس بڑے سردار کے حضور پیش کیا جاتا تھا جو کئی علاقوں کا سردار ہوتا تھا ہزار
در سرداری کے اس نظام نے ملک میں بید مفاہی واقعہ دی تا پھاری پیدا کر دی تھی، کاشتکار لوگ
محنت کے ثمر حاصل نہیں کرتے تھے مگر جب فصل تیار ہوتی تھی تو علاقہ کا سردار انہیں بلانے نام حصے
کر لیتے غلہ خود استعمال لیتا تھا۔

اگر اکثریتی قبیلہ کے کسی فرد کے ہاتھوں اعلیٰ قبیلہ کا کوئی فرد قتل ہو جاتا تو کوئی باز پرس نہ ہوتی بلکہ
اگر یہی حرکت اعلیٰ قبیلہ کا کوئی شخص کر فاطا تو اسے سزائے موت دی جاتی ہو گئی ہو یا قاعدہ دہیار
منقہ کئے جاتے تھے اور جب اعلیٰ قبیلہ کے لوگ سردار کے دربار میں حاضر ہو کر سلام کرتے تو ہر
سلام کے جواب میں جوتی کی نوک ادا کرتا تھا اور اعلیٰ قبیلہ کے لوگ سمجھتے کہ سردار خوش ہے اور اگر
سلام کے جواب میں جوتی کی نوک نہ اٹھاتا تو سلام کرنے والوں پر خوف طاری ہو جاتا کہ سردار
کسی وجہ سے ناراض ہے۔ اور اگر سردار سلام کے جواب میں ہاتھ کی نوک اٹھاتا تو یہ سلام کا جواب سمجھا جاتا۔
دستکار قبیلہ کا کوئی شخص اگر چاہا کہ کسی دوسرے سردار کے ہاں پناہ لیتا تو سردار اپنے
علاقہ کے تمام لوگوں کو اسے کراٹا سر بار پر غلام کر لیتا اور اس طرح سینکڑوں افراد لوہار کے

گھاٹ اتر جاتے، بعض سرداروں کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ اقلیتی قبیلہ کے لوگوں کی طرح کوہپرا اٹوا کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور ان کے خلاف کسی قسم کی دایا فریاد نہ ہوتی تھی، بعض کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر ان کے ملاقاتیں کسی مظلوم کی شادی ہوتی تو وہیں کو پہلی رات گزار کے حضور پیش کیا جاتا، اگر وہیں سردار کو پسند آجاتی تو وہ اس کی عملی سربراہی کرتی اور اگر ناپسند ہوتی تو دوسرے دن دھماکوں کی آواز دیتی۔

پونچھ کی آپ باقی کے یہ تمام قصے من گھڑت افسانے نہیں ہیں بلکہ زندہ حقیقتیں ہیں اور اس پر پانچ دور کو قہر سے دیکھنے والے بعض لوگ ابھی بغیر حیات ہیں، راقم کے اپنے گاؤں راوی رقبہ رگ میں ایک صاحب فغ فور نامی تھے جنہوں نے ایک سو پچاس برس کی عمر میں وفات پائی، فغ فور کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ انہیں آپ راجہ کی تمام باتیں یاد تھیں اور وہ ایک ایک بات اس طرح بیان کرتے جیسے یہ کل کی باتیں ہوں، فغ فور کی وفات ۱۹۲۷ء میں ہوئی ہے، ایک خصوصی ملاقات میں انہوں نے آپ راجہ کی پوری داستان بیان کی تھی، انہوں نے بتایا تھا کہ اس دور میں ایک دوسرے کا ہال چھیننا، ایک دوسرے کو بے گناہ قتل کرنا اور اپنے سے کمزور کو مزید کمزور کرنا بہاوری سمجھا جاتا تھا، آپ راجہ کی داستان بے حد طویل ہے مختصر طور پر اس کا خاکہ اس طرح ذہن میں رکھا جاسکتا ہے۔

(۱) تحصیل صدھوتی پر سدھن بھکران تھے اور یہ ایک قبیلہ ہونے کے باوجود بعض دفعہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر چڑھ کر دوڑتے تھے اور جب ان میں باہم جنگ شروع ہوتی تھی تو نہ صرف طرفین کے سینکڑوں آدمی مارے جاتے تھے بلکہ سینکڑوں گھری خاکنہ کر دیے جاتے تھے۔

(۲) تحصیل بانا کے بالائی حصہ پر خویلی تک ملدیاں قبیلہ کے سردار قابض تھے، اور ان میں بھی رات دن سرداری پر جھگڑا رہتا تھا اور یہ بھی اس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔

(۳) تحصیل بانا کے مغربی حصہ پر چھ دریاے جہلم کے ساحلی علاقوں تک بے مختلف قبیلے آباد تھے، جن میں دو قبیلے کو اختیار حاصل تھا اور تیزیاں، کھکھہ اور چوتیلی بھی اپنے اپنے علاقوں میں اقتدار رکھتے تھے اور یہ بھی آپس میں اُچھے ہوئے تھے۔

(۴) تحصیل بانا کے وسطی حصہ میں سید، نارہ، گکھڑ، منہاس اور دوسرے اقلیتی قبیلے ایوان کھکھہ اور چٹمان وغیرہ آباد تھے۔ اور ان کا بھی یہی حال تھا، تحصیل حویلی کے ایک حصہ پر

ملدیاں تیزوہ، گوجر، بگیال، دودی، راجپوت اور دوسرے کئی قبائل آباد تھے اور ان کی بھی آپس میں ٹھنی رتی تھی۔

(۵) تحصیل ہنڈہ میں یہاں کے مختلف قبیلوں کی آپ راجہ بھی اور یہ بھی آپس میں مصروف پیکار رہتے تھے ان تمام واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں کسی قسم کی سیاسی، معاشی، زرعی اور تجارتی ترتیب نہ تھی اور کوئی قبیلہ بھی کسی مشترکہ قانون کا پابند نہ تھا بلکہ ہر قبیلہ نے اپنی بساط کے مطابق اپنے خود ایک قانون بنالیا تھا، اس دور کے سیاسی، اقتصادی اور معاشی پہلوؤں کا جو خاکہ حالات کی روشنی میں مرتب ہوتا ہے، اس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں کے لوگ بے حد سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

جب انسان اپنے اوپر ظلم کی انتہا کر دیتا ہے اور وہ کسی انسانی ضابطہ کا عدہ کا پابند نہیں رہتا تو اس احکم الحاکمین کی غیرت جرش میں آجاتی ہے اور وہ ان لوگوں کو کچل کچل کر ان پر ظلم بھران مسلط کر دیتا ہے، پونچھ کا در آپ راجہ جب حد سے گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل پونچھ پر زور دے بھکران صواب کی صورت میں نازل ہوئے اور انہوں نے اس ملک پر اپنا اقتدار بحال کرنے کے لئے درندگی، وحشت اور بربریت کے وہ مظاہرے کئے جن کی مثال پلا کو اور چنگیز کی تاریخ سے بھی نہیں مل سکتی۔

ڈوگرہ خاندان

۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء

مستشرق ڈوگرہ خاندان کے مظالم کی داستان بے حد طویل ہے مگر ہم یہاں صرف اسی حصہ سے بحث کریں گے جو سر زمین پنجھ سے تعلق رکھتا ہے۔

ڈوگرہ خاندان کے بانی ہمارا جہ گلاب سنگھ کے حالات و سوانح گلاب نامہ کے مصنف دیوان کپارام نے شرح و بسط سے بیان کئے ہیں، وہ گلاب سنگھ کے خاندانی کوائف بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ جوں کے ایک شخص دھرمپ دیو کے چار بیٹے تھے جن کے نام رنجیت دیو، بھنسا دیو، صورت سنگھ اور بلونت سنگھ تھے، سب سے چھوٹے بیٹے صورت سنگھ کا بیٹا کشور سنگھ تھا اور کشور سنگھ کے تین بیٹے گلاب سنگھ، دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ تھے جنہوں نے سکھوں کے دربار لاہور میں اقتدار حاصل کر کے اس تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کیا جہاں آپا جی تھی اور جس کا ذکر مسطور گذشتہ میں کیا گیا ہے۔ دیوان کپارام نے جو حالات قلمبند کئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گلاب سنگھ نے اپنا بچپن گھیل کو دین گذاراء اور اس کی باقاعدہ طور پر تعلیم بھی نہیں پڑھ سکی جب اس نے سن پندرہ برس کی عمر میں قدم رکھا تو باب سے ناراض ہو کر کابل کا رخ کیا تاکہ شاہ شجاع کی فوج میں ملازمت اختیار کرے، لیکن دیوانے الگ کی خطیاتی دیکھ کر اس نے لاہور کا رخ کیا اور میاں موٹا نامی ایک ڈوگرہ سردار کے توسط سے ہمارا جہ رنجیت سنگھ کے دربار تک رسائی حاصل کر لی، گلاب سنگھ ایک وچہر جوان ہونے کے ساتھ دلیر بھی تھا، جب اس نے سکھ سرداروں کے ساتھ رہ کر مختلف جہوں میں حصہ لیا تو ہمارا جہ رنجیت سنگھ نے اسے اپنے خصوصی ملازمین میں سے لیا اور اس طرح گلاب سنگھ ہمارا جہ کے قلوب سے قریب تر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس نے بہت ہی جلد اپنے دوسرے بھائیوں دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ کو بھی دربار لاہور میں بلالیا۔

جب گلاب سنگھ نے اپنی انتھک کوششوں سے اپنے دوسرے دونوں بھائیوں کو بھی ہمارا جہ رنجیت

لے ڈوگرہ خاندان کے مفصل حالات لائق تھے تا راجہ گھیریں قلمبند کر کے جو شش دہائیوں میں چھپ چکا ہے۔ اس کتاب میں تاریخ پونچھ کا بھی ایک فصل سا خاکہ موجود تھا مگر حالات سلسلہ وار نہ تھے۔

کے دربار میں ملازم کر لیا تو ان تینوں نے مل کر بہت ہی جلد ہمارا جہ رنجیت سنگھ کا اعتماد حاصل کر لیا اور یہ لاپرواہی اس قدر بڑھ گئی کہ ہمارا جہ رنجیت سنگھ ان کی منشا کے خلاف کوئی کام بھی نہ کر سکتا تھا۔

گلاب سنگھ نے ہمارا جہ رنجیت سنگھ کی جہوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا اور صورت سنگھ دھیان سنگھ نے درباری امور میں اس قدر اثر و رسوخ حاصل کیا کہ ہمارا جہ رنجیت سنگھ جیسا چالاک محفل ان کے ہاتھ میں کھلی پن کر رہ گیا، اس دوران گلاب سنگھ نے کئی جگہوں میں نام لیا اور رنجیت سنگھ اس پر اس قدر بھروسہ کر کے اسے راجہ ملک دے کر جوں کا حکمران بنادیا، گلاب سنگھ نے جوں کی عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اگرچہ اپنی مستقل رٹاں جوں میں ہی رکھی مگر جیسا کہ لاہور دربار کو کوئی اہم ہم درویش نہ ہوتی تھی گلاب سنگھ کو فوراً بلایا جاتا۔ اور گلاب سنگھ خدمات، بحالانے کے بعد واپس جوں چلا جاتا۔

گلاب سنگھ کا بھائی دھیان سنگھ لاہور دربار میں اس قدر غلغلہ نہ کر داتا کہ راجہ کا بظاہر اس پر رنجیت سنگھ کو شبہ کی گنجائش نہ تھی مگر وہ بدروہ یہ شخص رات دن اپنے بھائیوں کے سیاسی اور اقتصادی مفادات کے لٹکائے تھا، جوں حکومت سنبھالنے کے بعد رنجیت ڈوگرہ ہلورانے لاہور دربار میں اس قدر عروج حاصل کر لیا تھا کہ ان کے سامنے کسی کا پرانا نہ چلتا تھا اور ان کے ایک ادنیٰ اشارے سے بڑے بڑے سرداروں کی سرداریاں چھین جاتی تھیں اور کم تر سے کم تر درجہ کے انسان کو اعلیٰ مراتب مل جاتے تھے۔ ہمارا جہ رنجیت سنگھ نے جب اس خاندان پر کرم گسترانہ عنایات شروع کیں تو دھیان سنگھ کو بھیہ اور چھبال وغیرہ علاقے جاگیر کے طور پر دیدیئے۔ دھیان سنگھ کے تین بیٹے پیرا سنگھ، موٹی سنگھ اور جواہر سنگھ تھے۔ ہمارا جہ رنجیت سنگھ ہیرو سنگھ پر اس قدر فرشتہ تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے دربار سے الگ نہ ہونے دیتا تھا، ہمارا جہ کے ہر ایک مستند تارخ عمدۃ التواریخ میں ہے کہ جب ہمارا جہ دربار عام منعقد کرتا تو اپنے ساتھ تخت پر پیرا سنگھ کو بٹھا اور تمام درباری ہیرو سنگھ کے حضور نذر گزارتے تھے،

جن دنوں ہمارا جہ نے دھیان سنگھ کو جاگیر دی ان ہی دنوں پونچھ اور سرحد وغیرہ کے علاقے ہیرو سنگھ کو بطور جاگیر عطا کئے تھے۔ حالانکہ گذشتہ صفات میں ہم بتا آئے ہیں کہ اس زمانے میں پونچھ پر یہاں کے قبائل کا قبضہ تھا۔ اور یہ علاقہ برسرے سکھوں کے زیر قبضہ ہی نہ تھا۔

راجہ گلاب سنگھ نے جوں کا اقتدار سنبھالنے کے بعد اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک یہ تمام پہاڑی علاقے پامال نہ ہوں اس وقت تک ڈوگرہ اقتدار مضبوط نہیں ہو سکتا چنانچہ اس خیال سے سب سے پہلے

سلطان خان واسطے مجھ کو گرفتار کیا اور اس کے بعد راجہ اعرخان والے راجہ جوری کے اقتدار کا خاتمہ کیا تاکہ پونچھ پر تہمتہ کرنے میں آسانی ہو۔

پونچھ پر ڈوگرؤں کا حملہ ۱۸۳۲ء میں پونچھ کے نواحی علاقوں بمبارہ، رندہ، دی سے مسلمان ولایت کو سز دل کرنے کے بعد گلاب سنگھ کی پوری توجہ پونچھ کی طرف ہو گئی اس لئے تفصیل حالات بھرجی۔ سی سمجھ انگریز معصفت نے اپنی کتاب ریگ فیمل آف لاہور میں لکھے ہیں انگریز قافلے لگانے اپنی کتاب میں "سرمینوں کی بغاوت" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس کا مکمل ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

انگریز معصفت جی۔ سی سمجھ لکھتا ہے کہ "میں نے ڈوگرہ برادران گلاب سنگھ و دھیان سنگھ کی طرف ان آزاد قبائل پر لگی ہوئی تہمتیں اور وہ انہیں اپنے تسلط میں لانا چاہتے تھے، وہ بظاہر انہیں لاہور دربار کا مصلح کرنا چاہتے تھے لیکن ان کا مشاوریہ تھا کہ ان آزاد قبائل کو اپنی غلامی میں جکڑیں، مگر انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ ان قبائل کو اپنے تابع کرنا آسان نہیں تھا وہ سمجھتے تھے۔

اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے آثار بہت سنگھ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنی تمام فوج لے کر راولپنڈی کی طرف پیش قدمی کرے تاکہ ان قبائل کو جو اطاعت قبول کرنے پر تیار نہیں تھے فوجی طاقت سے مرعوب کیا جائے۔ رنجیت سنگھ تقریباً ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر راولپنڈی کی طرف روانہ ہوا اور میدانی علاقہ میں کئی مقام پر پڑاؤ کیا، یہ مقام ان آزاد قبائل کے پہاڑی علاقہ کا دروازہ سمجھا جاتا تھا، ہمارا جد رنجیت سنگھ کی ڈیوہہ قوتوں نے پہاڑی علاقہ پر گولہ باری شروع کر دی تاکہ ان قبائل نے جب اسے بڑے لشکر کو دیکھا اور جب شرب و روزان پہاڑی علاقوں پر توپ کے گولے گرنے لگے تو قبائل نے خوفزدہ ہو کر ڈوگرہ کی اطاعت کر لی۔

جب سردھن قبیلہ نے اطاعت کی تو اس کے سرداروں میں سے شمش خان بھی ایک سردار تھا

بلکہ سردار شمس خان کے بارے میں پونچھ کے ملکیال (مغل) قبیلہ کا کہنا ہے کہ یہ ملکیال بھرجی سے تعلق رکھتا تھا، لیکن بھرجی۔ سی سمجھ نے اسے سردھن قبیلہ کا ایک سردار لکھا ہے، اس دور پر تفصیلی روشنی ڈالنے والے ہمارے پاس وہی مآخذ ہیں، پہلا مآخذ رنجیت سنگھ کی انگریزی کتاب "ریگ فیمل آف لاہور" جیسا کہ ہم نے

چونکہ سردھن قبیلہ زیادہ سرکش تھا اس لئے سردار شمس خان کو یہ خیال کے طور پر دھیان سنگھ کی ذاتی طاقت میں رکھ لیا تاکہ شمس خان کو قبیلہ اور اس کا اپنا خاندان فرما نہ رہا ہے، اسے راجہ دھیان سنگھ نے ایک گھوڑا اور چار سپاہی دے کر اپنے ساتھ رکھ لیا، شمس خان نے اپنے آقا یعنی دھیان سنگھ کی توجہ اور اہتمام حاصل کر لیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت راجہ کا متحد بن گیا، وہ راجہ دھیان سنگھ کے اس قدر قریب ہو گیا کہ دھیان سنگھ کا بڑا بھائی گلاب سنگھ شمس خان سے نفرت اور حسد کرنے لگا، وہ اس دھبے کے کئی دفعہ دھیان سنگھ سے انجھا اور اسے سخت مسرت کہا کہ اس نے شمس خان جیسے شخص پر لڑنا کر کے جو قوتی کی ہے، لیکن دھیان سنگھ شمس خان پر بدستور اہتمام کرتا رہا اور اس نے اسے اپنی جو قوتی تسلیم نہ کیا، وہ حسب سابق اس بارے ہوئے شمس خان پر کرم نوازیوں کرتا رہا۔

شمس خان کا بھائی جو پورے پاپن آکا شکر گڑا نظر آتا تھا اور عزت افزائی کے عوض احترام کرتا تھا، وہ ۱۸۳۲ء کے اواخر تک راجہ دھران سنگھ کے ہمراہ لاہور رہا اس وقت راجہ گلاب سنگھ جیوٹ کے مقام پر دیوان سادہ مل کے خلاف ہمارے ہوئے تھا مگر اسے واپس بلایا گیا اور وہ اپنی فوج لے کر پشاور کی طرف روانہ ہوا کیونکہ سردھن خانوں نے سکھوں کو ایک حاضری سی شکست دی تھی اور وہ ان کو مدد دینا سردار حریت سنگھ کو ہلاک کر دیا تھا۔

گلاب سنگھ سے پہلے دھیان سنگھ بہت تیزی سے خطرہ کے علاقہ میں پہنچ گیا تھا، ہمارا جد رنجیت سنگھ اس وقت توگڑ، یا توگڑ کے مقام پر خیمہ زن تھا، اسے یہ پتہ چلے کہ راجہ دھیان سنگھ چند سواروں کے ہمراہ پشاور پہنچ گیا۔ اس وقت دھیان سنگھ کے ہمراہ زیادہ اور سوار ملا کر چھ ہزار سپاہی تھے اور ان کے پاس

سلور ہلا میں تیار ہے کہ سمجھ نے اپنی کتاب میں سردھنوں کی بغاوت کے عنوان سے باب باندھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ واقعات اس نے اس انگریز افسر سی آئی ڈی سے سنے جو راجہ گلاب سنگھ کی فوج میں تھا اور اس کے بارے میں درجن سا نسخہ رہا۔

دوسرا نسخہ گلاب نامہ ہے۔ گلاب سنگھ کا اس سوانحی کا مصنف دیوان کرپال سنگھ ہے جو دیوان دہانہ کا چٹا تھا، اور دیوان دہانہ رائے نہ صرف شمس خان کا ہم عصر تھا بلکہ دیوان کرپال سنگھ اس وقت کشمیر کی صوبیداری پر تھے۔

۱۲ ملکی قویں تھیں، پانچویں روز برب دھیان سنگھ کا لشکر دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو گلاب سنگھ کا لشکر بھی پہنچ گیا، حالانکہ دھیان سنگھ نے پشاور سے ہو کر اطلاع دی تھی کہ وہ دریائے کابل کے شمالی حصہ کی طرف جانے چہرکہ وہاں یوسف زئی قبیلہ نے بھی اپنی آزادی کی جنگ شروع کر دی ہے۔

بعد میں گلاب سنگھ اس علاقہ کی طرف گیا اور اس نے یوسف زئیوں سے جنگ شروع کر دی یہاں اسے اپنی پہاڑی ریاست میں سدرن، سہمی، ڈھونڈ اور ملدیال قبیلوں کی بغاوت کی اطلاع ملی گلاب سنگھ کو یوسف زئی قبیلہ کی سرکوبی کے لئے سخت جنگ لڑنی پڑی جس میں دو ماہ صرف ہو گئے سرکوبی کیا ہوئی چٹانوں کا بہت سا علاقہ ویلن ہو گیا۔

پونچھ کے پہاڑی قبائل کو دراصل پشاور میں سکھوں کی شکست کی اطلاع ملی تھی اور انہیں یہ پتہ بھی چلا تھا کہ پشاور میں نہ صرف سکھوں کو شکست ہوئی ہے بلکہ لڑائی میں راجہ گلاب سنگھ بھی رخمی ہوا ہے، ان قبائل کو بھی اندازہ تھا کہ اب پوری کی پوری ڈوگرہ فوج سکھوں کی ہموں میں مصروف ہے اس وجہ سے موقع بغیرت جان کر ان قبائل نے بغاوت کر دی سکھوں کی فوج نے بغاوت دبانے کی کوشش کی مگر وہ ان کے آگے نہ ٹھہر سکی۔

سر دار شمس خان جو راجہ دھیان سنگھ کے پاس لاہور میں تھا چند دن کی رخصت لے کر اپنے علاقہ میں گیا، گلاب سنگھ کے دل میں اس کے خلاف عداوت تھی اس نے پشاور سے دھیان سنگھ کو خط لکھا کہ شمس خان غدار ہے اور ریاست میں جس قدر افراد ہیں اسی نے پھیلانی ہیں گلاب سنگھ نے دھیان سنگھ کو یہ بھی لکھا کہ وہ شمس خان کو اس کی تحویل میں دیدے۔ اور وہ اس کی کارروائی میں معاونت نہ کرے

دیوان کپرا لے شمس خان کے قبیلہ کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ شمس خان نامی ایک سردار جو چند دن پہلے تھا، دیوان کپرا دام اور بھرتی۔ سی سٹھ کے بیانات میں اگر تطبیق پیدا کی جائے تو کوئی اور ایسا سامنے آئی ہیں، پہلی یہ کہ سٹھ نے سردار شمس خان کو سدرن لکھنے سے منکر اس نے ساتھ ہی ملحقان سبز علی خان امدان کے دو سرے ساتھیوں کی کہائیں اتارنے کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ ہمارا راجہ گلاب سنگھ باغ کی طرف گیا تھا، اس کے برعکس جو واقعات دیوان کپرا لے گلاب نام میں لکھے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ گلاب سنگھ نے آہن کے قریب سے دیا ہے، صلہ ہو گیا اور ہنگامے مقام پر قیام کیا یہاں

کہ جو وہ شمس خان کو سزا دینے اور ملک میں امن قائم کرنے کے لئے کرے گا، اس وقت گلاب سنگھ ابھی سرحد میں یوسف زئی قبیلہ کے علاقہ میں تھا، چند ہی دنوں بعد گلاب سنگھ نے اپنے کارپردازوں کو ہدایت کی کہ وہ شمس خان کو گرفتار کریں، شمس خان اس وقت اپنے پہاڑی علاقہ والے گھروں تھا، شمس خان کے پاس جاسوسی اور خبری کا اہلیانک نظام تھا اس سے اسے اطلاع ملی کہ گلاب سنگھ اس کی اور اس کے خاندان کی گرفتاری کا حکم دے چکا ہے، وہ جانتا تھا کہ ڈوگرہوں کی تیسری اس کا اور اس کے خاندان کا کیا حشر ہوگا، وہ بیڑی سے ان علاقوں کی طرف چلا گیا جو گلاب سنگھ کی دسترس سے دور تھے۔

یہ ایک اشارہ تھا بلکہ ایک چٹکاری تھی جس نے بغاوت کو شعلہ بنا دیا۔ سارے قبائل مسلح ہو کر ڈوگرہوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلح قبائل نے بہت ہی جلد پونچھ کے لئے کیتوں تک اور گنیر کی سرحد کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے دامن تک تمام جنگل اور ڈوگرہوں کی چوکیاں ختم کر دی تھیں، اس وقت تک گلاب سنگھ نے جرفونج بھیجی تھی اسے سخت نقصان پہنچا، جیوں کی فوج کی تعداد پانچ ہزار تک تھی جس کی قیادت میاں اودھ سنگھ کر رہا تھا، یہ ڈوگرہ خاندان کا بہادر ترین فرد تھا لیکن اسے تحصیل سہیونی میں پے در پے شکستیں کھانی پڑیں آخر میں گلاب سنگھ کو خود پر کچھ کاڑے کرنا پڑا، وہ جب راولپنڈی کے شمال مشرقی پہاڑوں میں پہنچا تو اس نے سہارا کرکھڑ فوج کو ہی استعمال کیا گیا تو اس کا نتیجہ شکوک بھی ہو سکتا ہے، وہ کچھ عرصے کے کہوٹہ میں رک گیا۔ اس نے قبائل میں نا اتفاقی پیدا کرنے اور کچھ لوگوں کو اپنی طرف کرنے کے لئے سازشوں اور رشوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس وقت سردار شمس خان نے ڈوگرہوں کے خلاف کھل کر اعلان جنگ کر دیا تھا اور اپنے تمام

بھروسہ داروں اور بھرتیوں کی کہائیں اتار دے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں افراد کے ہاتھ پاؤں کاٹنے لگا دیے کارروائی کے فارغ ہو کر وہ بارہ پہنچا اور یہاں اس نے نہ صرف ایک ماہ تک قیام کیا بلکہ یہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا، سٹھ دار کپرا لے کے بیان کردہ واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جنگ صرف تحصیل سہیونی میں لڑی گئی اور باقی کے لوگوں سے اسے خوریزی سے خوفزدہ ہو کر گلاب سنگھ کی اطاعت کرنی اور یہاں امن قائم کرنے کے بعد راجہ گلاب سنگھ واپس چلا گیا۔

بھرتی۔ سی سٹھ دار دیوان کپرا لے اس ماہ سے تعلق رکھنے والے مصنف ہیں۔ ان کے برعکس جو

سپاہیوں کی قیادت خود سہنالی بھی۔ راجہ گلاب سنگھ نے پہاڑی قبیلوں کے ان سرداروں کو جو کسی نہ کسی وجہ سے شمس خان سے ناراض تھے اپنے حامی بنانے کی کوشش کی، بعض سردار تو گلاب سنگھ کے ساتھ مل گئے لیکن بعض نے غیر جانبدار بننے کا وعدہ کیا۔ اس وقت گلاب سنگھ کے ساتھ آٹھ ہزار سپاہی تھے۔ گلاب سنگھ نے ۱۲ ہزار مزید تیار کئے اور اپنا یہ لشکر لے کر کوہ پٹہ سے منگ کی طرف بڑھا اور وہاں سے پلندری پہنچ گیا۔ گلاب سنگھ نے علاقہ میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کو حکم دیدیا کہ وہ جس قدر دندگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں کوئی نامہ یاغیوں کے حوصلے بہت ہوں۔ گلاب سنگھ نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ جو شخص کسی باغی کا سر کاٹ کر لائے گا اسے پانچ روپے فی سرانعام دیا جائے گا گلاب سنگھ کے اس دشمنانہ اعلان کے بعد بڑے علاقہ میں قتل عام شروع ہو گیا اور ڈوگرو سپاہیوں نے پانچ روپے کے لالچ میں سینکڑوں نامزدگانہ ہوں کے سر کاٹ دیئے۔ ایسا منظر دکھائی دینے لگا کہ اس علاقہ میں کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا جب اس قسم کی دندگی شروع ہوئی تو لوگ اپنے اپنے کنبوں کو لے کر پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لینے لگے لیکن ڈوگرو فوج کے سپاہی علاقہ میں پھیل گئے اور انعام کے لالچ میں ان بے گناہوں کے سر کاٹنے شروع کر دیئے۔

اس کے بعد گلاب سنگھ نے حکم دیدیا کہ عورتوں اور بچوں کو زندہ بچو کر لایا جائے، چنانچہ اس کے بعد ایسے مناظر دکھائی دینے لگے کہ ڈوگرو فوج کے سپاہی عورتوں اور بچوں کے ریوڑ بھڑکڑیوں کی طرح لٹے جا رہے ہیں اور جوان عورتوں کے جسم پر بوسیدہ کپڑے پھٹ چکے تھے، ان قیدی عورتوں اور بچوں کو کوئی کنڈی دن تک کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا اور ان کے ساتھ ڈوگرو سپاہی انتہائی وحشیانہ

روایتیں یہاں باغی میں مقامی طور پر مشہور ہیں وہ یہ ہیں کہ جب گلاب سنگھ نے حملہ کیا تو باغ کے تمام قبیلے متاثر ہوئے تھے اور ملدیاں (مغل) قبیلہ کا اس میں زیادہ نقصان ہوا تھا۔ جب گلاب سنگھ نے باغ کے قریب نامہ ملوانی کے قریب نیمہ نصب کیا تو اس نے یہاں کے تمام ملدیاں سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یہ خیال طلب کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم از کم ساتھ کے قریب سرداروں کو گلاب سنگھ نے یہ خیال کے طور پر اپنے ساتھ رکھا اور انہیں جوڑ دے گیا، مقامی روایتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جن دنوں ہمارا راجہ گلاب سنگھ باغ میں قلعہ تعمیر کر رہا تھا چند ملدیاں سرداروں نے قلعہ میں سرسبز لگا دی تھی تاکہ گلاب سنگھ کو قتل کیا جائے مگر وہ بچوے گئے تھے۔

سلوک کرتے تھے۔ جب چاروں طرف سے ڈوگرو فوج تاراجی و غارتگری کے بعد پلندری جمع ہوئی تو ان مظلوم اور نامزدگانہ قیدی عورتوں کو موشیوں کے گھر کی طرح ایک باٹے میں دکھایا گیا، ان کی تعداد پانچ ہزار تک تھی، ان کے چاروں طرف خاردار جھاڑیوں کی ایک بالادہ باندھ دی گئی اور ان کے سامنے مٹی کے گھسے ڈال دیئے گئے تاکہ یہ زندہ فوج جائیں۔

دن میں صرف ایک مرتبہ ان مظلوموں کو قریبی نالہ سے پانی پلایا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً پندرہ ہزار عورتیں پلندری میں ہی مر گئیں۔ باغی قبیلہ کے مرد تو تقریباً صاف ہی کر دیئے گئے تھے۔ ڈوگرو فوج نے پلندری میں تقریباً سولہ روز قیام کیا اور اس نے تقریباً ہزار افراد کو پہاڑوں کی غاروں سے تلاش کیا اور ان کے سر کاٹے گئے اور وہ سران قیدی عورتوں کے سامنے لٹھکائے گئے۔

اس کارروائی سے خارج ہو کر گلاب سنگھ نے سردار شمس خان کے سر کے لئے بہت بڑے انعام کا اعلان کیا، شمس خان کے دشمنوں نے جو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے گلاب سنگھ کو جنگش کی کہ وہ اس کی فوج کو اس خفیہ مقام تک لے جائیں گے جہاں شمش خان اور اس کے ساتھی چھپے ہیں، گلاب سنگھ نے اپنے بیٹے اور ہم سنگھ کی قیادت میں ایک دستہ بھیجا جس کی قیادت شمس خان کے دشمنوں نے کی انہیں یقین تھا کہ شمس خان گہری نیند سوتا ہو گا چنانچہ اپنے ہی آؤہوں نے چھاپہ مار کر شمس خان کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا۔ شمس خان اور اس کے بیٹے کے سر لوٹے کے ایک بجرے میں رکھے گئے، اور یہ بجرے لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے پونچھ کے ایک پہاڑی درہ اور ٹیک کے مقام پر کئی سال تک رکھے رہے۔

سردار شمس خان کے بارے میں واقعہ یہاں کے کئی عمر رسیدہ بزرگوں سے سن میں بلیریش شمس خان ڈھیری لڈو فتح نورمائی ڈکری میں معلوم کیا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ سردار شمس خان ملدیاں تھا اور وہ پونچھ کے ایک قریبی قصبہ نالہ لکھ کے پاس، بھیاں والی نالی گاؤں میں مدہوتا تھا، سید امیر شاہ صاحب بند و بست میں اس علاقہ میں پٹواری رہے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے شمس خان کے مکان کے آگے دیکھے تھے، اسی طرح ملدیاں قبیلہ کے تمام عمر رسیدہ بزرگ شمس خان کو ملدیاں قرار دیتے ہیں مگر دوسری طرف مدین قبیلہ کے عمر زدہ لوگوں کا کہنا ہے کہ شمس خان کا ذکر کچھ اور کر پارام نے کیلئے یہ مدعی تھا اور لڈو لکھ کے قریبی گاؤں مٹی کا

سردار شمس خان کی گرفتاری اور قتل کے بعد علاقہ میں مکمل طور پر سکوت طاری ہو گیا اور گلاب سنگھ نے بڑی مہم زحمت کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ملتان پر گلاب سنگھ اپنی فوج کو پہاڑی دروں سے گزاریا ہوا جوں نے گیا اور قیدی پوتوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں بھی پھانسی دے دی جائے۔ جب بلندری سے ان مظلوم عورتوں کے خالق کچھوں کی طرف ہانکا گیا تو سات سو کے قریب عورتیں راستہ میں ہی مر گئیں، جب باقی عورتیں ہوں پہنچیں تو ان میں سے چھاس اچھی شکل والی لڑکیوں کو گلاب سنگھ کی ٹکسٹریں رکھا گیا اور باقی لڑکیوں کو پولی دینے والوں کے ہاتھ بیلا کر دیا گیا۔

میں میری سی سی سہ کے الفاظ جو ہم نے پوری ذمہ داری اور دینا داری سے نقل کئے ہیں اور کسی مقام پر بھی سیاق و سباق کو مدنظر کرنے کی کوشش نہیں کی میری سی سی سہ نے یہ تمام واقعات اس انگریز انگریز آئی ڈی کی زبان پر لکھے ہیں جو ہر حال میں رعیت سنگھ کی فوج میں تھا اور جس نے یہ تمام روج فرما کر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے کیونکہ یہ ڈوگرڈوں کے حملہ پونچھ کے وقت گلاب سنگھ کی اس فوج میں موجود تھا جس نے تحصیل سدھوتی پروردگی کا مظاہرہ کیا

ڈوگرڈوں کو گلاب سنگھ نے اہل پونچھ پر جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے اس کا تفصیلی ذکر اس کے سوانح نگار دیوان گھلا رام نے بھی گلاب نامہ میں کیا ہے۔ ہم یہاں گلاب نامہ کا وہ باب فارسی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہیں جس کا عنوان اس نے در بیان شمس نمک حرام رکھا ہے اور بعض مقامات پر بڑے توہین آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں۔ گلاب نامہ کا مصنف لکھتا ہے۔

رہنے والا تھا۔ اس کے ثبوت کے طور پر ان کا کہنا ہے کہ یہ جنگ بانہ میں پونچھ کے صدر مقام پر نہیں لڑی گئی بلکہ اس جنگ کا میدان تحصیل سدھوتی کا علاقہ تھا، اگر شمس خان لدیال قبیلہ سے ہوتا اور اس کا گھر نانگا لکی کے قریب ہوتا اور سدھوتوں کے علاقہ پر حملہ کرنے کا کیا جواز تھا، پھر تو راجہ گلاب سنگھ پونچھ کے صدر مقام تحصیل بانہ پر حملہ کرتا اور بجائے سدھوتوں کے علاقوں کا قتل و مارتا کرتا تو کتنا انتقام سی قبیلہ سے لیا جاتا ہے جس کا سردار بانہ ہو اس کے ساتھ سدھوت قبیلہ کے بعض سردار کیسے تھے کہ لدیال شمس خان دو سر تھا جو نانگا لکی پونچھ کے قریب کا رہنے والا تھا اور اس نے بھی اس جنگ میں بے مثال قربانی دی ہے اور اس کے حالات سدھوت شمس خان کے حالات

”یہ امر نفیس و آفاق کے رمز شناسوں اور دانش مندوں پر واضح و آشکار ہے کہ جس شخص کی بدسرشت ہوگی اس کی سیرت بھی بُری ہوگی، اس شخص کی جس قدر بھی بادشاہی اتفاقات کی وجہ سے ترقی ہوئی جائے گی اسی قدر اس کی بدکرداری بھی ترقی کرتی جائے گی اور وہ بدگمانان جو بدکرداری کا پتلا ہوگا اس کا درجہ شاہی عنایات کی وجہ سے جس قدر بھی بلند ہوگا وہ اپنی بدکرداری سے باز نہ آئے گا۔ لہذا ان بدصفت لوگوں اور ناچار انسانوں کو سزا دینے کے لئے عادل بادشاہ کا جو شخص غضب میں آئے اور وہ انہیں سزا دے تو یقین جانیے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں سے کوئی شخص آرام و امن سے نہ رہے گا۔ اور دنیا پر لوگوں کو ان کی ایذا رسانی کی وجہ سے جینا ہل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی عادل انسان جو شجاعت و دلیری کی صفات سے متصف ہو دشمنوں کے بیٹوں کو چاک کرنا اور فتنہ پرداز لوگوں کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس سرزنش کے ذریعہ سرکش لوگوں کے سرنگوں کرے اور مظلوموں کو ان ظالموں کے چنگ سے نجات دلائے۔

اس بیان کی وضاحت اور اس اجمال کی تشریح یہ ہے کہ لکھنؤ کے بادشاہ نے اپنی انتہائی مہربانی سے ملک چھال سلطان خان کی گرفتاری کے بعد راجہ صاحب دھیان سنگھ کو بلوہاگیر علاقہ کر دیا، اور پونچھ کا علاقہ راجہ صاحب کو دے دیا گیا۔ دیوان کشن گوپال جو حضور بادشاہ کی طرف سے جوں کا حکم مقرر کیا گیا تھا اسے پونچھ کا حکم بنا دیا گیا۔ پونچھ کے لوگ اس کے سنہ سلوک کی وجہ سے اس کے مدد کے لیے صرف ایک شخص شمس نامی جو پونچھ کے زمینداروں میں سے تھا اور سنا کا باطن شرارت سے پُر تھا۔ یہ شخص بلاعیار و مکار تھا، اس نے اپنی چکنی چڑھی باتوں سے راجہ صاحب دھیان سنگھ کو اپنے دام فریب میں پھانس لیا اور وہ اس کے ملازمین میں شامل ہو گیا، دیوان مذکور (کشن گوپال) جب مرانا اس کی جگہ دیوان دبا نراٹھ

میں غلط ملط ہو گئے ہیں، شمس خان ایک تعالیٰ اور اس کی تحقیق اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس دور کا تحریری ریکارڈ نہ دستیاب ہو، راقم نے خدا کو حاضر و ناظر مان کر دینا داری سے وضاحت کر دی ہے، خدا کرے کہ مستقبل کے کسی مورخ کو پرانا ریکارڈ ملے اور وہ یہ وضاحت کر سکے۔

کو حق رکھا گیا، شمس اپنے برفرب الغاھا ورن محفلت قصوں کے ذریعہ راجہ کے قریب ہوتا گیا، اس کی سازشیں بار آور ہوئیں اور دیوان مذکور (دلیان رائے) کو حکم ہوا کہ امور سلطنت اس کے مشورہ سے لے جائیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضور ممدوح نے اپنی خدا داد عقل اور مال اندیش رائے سے اس کے بالمشیدہ اطوار کو مہیا کیا تھا اور راجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ زمین شور کو جس قدر پانی دیا جائے سوائے خس و خاشاک کے اس سے کچھ نہ اُگے گا۔ اور کینے آدمی سے سوائے ضرر کے کچھ حاصل نہ ہوگا لہذا ایسے شخص کی پرورش کرنا خالی از غلہ نہ ہوگا، جو سکتا ہے کہ کترتی کرتے کرتے یہ شخص فتنہ و خدا کا مو جب بن جائے، مگر راجہ صاحب اس بے وفائے کے بد اطوار سے غافل تھے لہذا انہوں نے اس کی بڑی تعریف کی، قصہ کوتاہ اس بد طبیعت شمس کو ایام سوچے بغیر ہی پونچھ بھارا اور وہاں اس نے فتنہ و خدا شروع کر دیا، اس نے وہاں کے لوگوں کو باغی کر کے قلعہ داروں کو قلعوں سے نکال دیا، بعض قلعہ دار تو خود قلعے چھوڑ کر بھاگے مگر جو اندر رہے اس نے ان کو دھمچھمچا کر کھانے کو دیں جو ہندوؤں کے مذہب میں حرام ہیں۔ (مثلاً کھانے کا گوشت) اس نے ان کو طرح کی ایذاؤں دیں، مہا چن سکھو جنالی کو جو اس علاقہ کا تھا نیدار تھا بھجور کیا کہ وہ اس کے ساتھ یہ چیزیں کھائے۔ اس نے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچے نکالے اور انہیں خاک و خون میں تہ پت کیا، جو لوگ برہمنی سے اس کی قید میں گئے ان کے کانوں اور آنکھوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونکیں مرث پونچھ کا قلعہ اس کے تعرت سے بچا رہا۔ اور وہ بھی اس نے کیا نشان دہاں

لہ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پونچھ کے شہر کا قلعہ بدستور ڈوگرہ فوج کے پاس تھا اور اس طرف بغاوت کے کوئی آثار نہ تھے اگر پونچھ کے صدر مقام پر بھی بغاوت ہوتی تو وہاں کا قلعہ ضرور ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں سے نکل جاتا، اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جنگ کا میدان تحصیل سدھوتی ہی رہا، اور یہاں کی پامانی کے بعد مہلاب سنگھ بانا کی طرف گیا۔

مقیم تھا۔

جب اس کے شہر کے انکار سے روشن ہوئے اور اس کا فتنہ و خدا سنگین صورت اختیار کر گیا تو میاں ہشتان سنگھ، دیوان دلیان رائے اور راجہ صاحب کی طرف سے مہاراجہ صاحب کے سامنے درخواستیں پیش کی گئیں، جب وہ پنجاب کی فتح کے بعد پیشاور سے واپس آ رہا تھا ان عرصہ اشتیاق کو پرستے ہی اس کے شیخ و غصب کی آگ بھڑک اُٹھی اور اس نے ان کا قلعہ فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔

میاں آدم سنگھ بھٹار کی ہم سر کر کے آ رہا تھا اسے مہاراجہ کی طرف سے حکم مل چکا تھا میں قیام کر کے ایک لشکر ہزار فرائم کیا جائے، چنانچہ زور آور سنگھ کلہوڑیہ، میاں ادب سنگھ مرزاؤں کا ایک بھاری فوج لے کر میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی آمد کے دہے سے اس کی فتنہ پردازی کمزور پڑی اور قلعہ کا عمارہ چھوڑ کر بھاگا۔

جب مہاراجہ کو وہ میمنہ زن ہوا تو اس نے اپنا کچھ سامان اور گھوڑے وہیں چھوڑے اور دشوار گزار گلیوں کی راہ سے دور تک نکل گیا، پھر واپس پہلے کراہن کے قریب سے عبور کیا جہاں ایک مضبوط قلعہ تھا، یہاں سے ہوتا ہوا وہ منگ کے مقام پر پہنچا۔ جہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا، اسی اثنا میں اس بدگو کی طرف سے مہاراجہ کی خدمت میں ایک خط گزرا گیا جس میں اس نے کہا تھا کہ جب کے مقابلہ میں میری ہستی کی مثال ایک سایہ کی سی ہے جس تہہ آپ میری گرفتاری کے لئے کو مشتش کرتے رہیں گے میں آگے ہی آگے بھاگتا رہوں گا اور چنی آپ واپس ہوں گے میں آپ کا تعاقب کرتا رہوں گا، یہ خط پڑھتے ہی مہاراجہ صاحب گنگوڑا ہو گئے اور اس نے میاں صاحب دلیان رائے وغیرہ کو سختی سے حکم دیا کہ کوئی سے روانہ ہو کر یا نہیں پرہلہ دیوا اور نوجوں کو گرفتار کر کے اس کے قلعہ پر دازوں سے لگ کر پک کر لیں، نیز سے کی لوگوں سے انہیں خاک و خون آلودہ کر دیں اور ان میں سے جو شخص زندہ گرفتار ہوا سے مہاراجہ کی طرف بھیج دیا جائے، یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ جو شخص مخالفوں کو گرفتار کر کے لائے اسے انعام دیا جائے۔ التعم یہ فوج عتاب کی طرح ان پر چھٹی جو چھٹی کی سیرت رکھنے والے اور محبت کے نسب میں سے تھے، تلوار اور توپ کی بوچھاڑ نے ان ذلیل اور کینے لوگوں کی

صفوں میں تفرقہ ڈال دیا۔ بہادروں کی تلواریں ان کے خون سے زنجیں ہو گئیں اور جو اسیر ہو کر آتا اسے فوراً ہمارے کی خدمت میں منگ بیچ دیا جاتا۔ چنانچہ ہر روز ان بدنہاد لوگوں کی بڑی تعداد گرفتار ہو کر آتی اور اپنی بد اعمالیوں کی مزایا کی۔ ان کے ہاتھ داریوں کاٹ دیئے جاتے اور اگر کسی روز ان سرکشوں کی کثیر تعداد قید ہو کر آتی تو ان میں سے کچھ لوگوں کو زندہ رہنے دیا جاتا ایک روز غلامی اور سبزی کی کھائیں سینہ تک اور بڑی گینیں۔ خون کے تمام بدن سے رس رہا تھا، جب غلامی اور سبزی کی کھائیں سینہ تک اور بڑی گینیں اور ابھی ان میں جان باقی تھی تو انہوں نے درخاست کی کہ انہیں چوری پھونک دے کو دیکھنے کی ایک لمحہ کے لئے اجازت دی جائے۔

آں کہ نیکوئی خواہد باکے
ہر نہاے کاں ثمر نہر کاورد

اس نے پھر درخاست کی کہ اس کی جان بخشی جائے مگر منظور نہ ہوئی، جب اس کی کھال حلق تک اتاری گئی تو اس نے پانی مانگا۔ ابھی ایک گھونٹ ہی پیا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس طرح باقی دونوں سے بھی کیا گیا، پھر ان کا گلہ کاٹ دیا گیا اور ان کی کھالوں کو مسروں کے ساتھ دوبارہ جوڑ کر ان میں گڑم کا بوسہ دیا گیا اور لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے ان کھالوں کو سولی پر رکھا گیا اور ان کی اولاد کو جان کی امان دے دی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ جب میاں صاحب اور دم سنگھ نے ان کی اس حالت کو دیکھا تو منہ دوسری طرف کر دیا۔ ہمارا صاحب نے دونوں ہاتھوں سے میاں صاحب کا سر پکڑ کر اس طرف کیا اور فرمایا اگر دنیا میں عادل بادشاہ غریب و ستم کا شکار ہو کر ستمگری اور خونریزی میں لگ جائیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

انقعہ قلعہ منگ سے ڈیرہ اٹھا کر میاں صاحب اور دم سنگھ کو لے کر باغیٹ لٹ کر کوٹ کیا اور وہاں بھی ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا، ایک ماہ تک یہاں (یعنی باغیٹ میں) قیام رہا۔ باغیٹ کے باشندے خوفزدہ ہو کر قد بوسے کے لئے حاضر ہوئے، وزیر دربار کے حکم پر

اور میاں صاحب سنگھ کو دوسرے راستہ سے پہلے ہی روانہ کر دیا، ایک شخص نے منافقت کر کے اس طرح ہمارا کہہ کر بتایا کہ آپ کی فوج مخالفین نے قتل کرادی ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آپ واپس چلے جائیں، یہ سنتے ہی ہمارا جب کی طبیعت منفعل ہوئی۔ ہمارے میرے والد بزرگوار دیوان صاحب (یعنی دیوان دہلوانے) سے مشورہ کیا۔ دیوان صاحب نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے اور صریح بہتان ہے۔ یہ ان دشمنوں کی ایک چال معلوم ہوتی ہے اور وہ خدا کی تختی کے لئے نذرانہ ہو گئے، جب وزیر دربار دم سنگھ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ دشمن شکست خوردہ اور فوج خراب ہے، وہ اسی وقت واپس آئے اور ہمارا کہہ کر آگاہ کیا۔

ہمارا بھائی شیر باز خان والد راجہ سہل نادر خان سردروہ کے نام پیغام بھیجا کہ جن لوگوں کو حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا ان کی زبانی معلوم ہوا کہ شمس تہاری مدد سے کہیں چھا چھاپے اگر اسے ہمارا کہہ کے سامنے لا کر پیش کر دو تو تمہیں بہت اعزاز بخشا جائیگا اور اگر تم نے اس کے برعکس کیا اور ہم سے چال بازی سے پیش آئے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جرمی، سودن اور دوسروں کا بھاپے، شیر باز خان نے ہمارا کہہ سے فوج طلب کی۔

چنانچہ اس فوج کو لے کر وہ سردوں پہنچا جہاں اس نے شمس خان اور اس کے پیچھے راجہ ولی خان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر ہمارا کہہ کو بھیج دیا، انقعہ ہمارا کہہ نے باخان رائے کے قلعہ میں قیام کیا اور ہلا مالاکر تھا نیلاری کا عہدہ ملا کیا، جہاں کہیں مغرور پرواز لوگوں نے فتنہ و فساد پکڑ کر کہا تھا وہاں قابل اور ہوشیار تھا نیلارے مقرر کئے گئے ان مہات سے فارغ ہو کر دلیاں رائے کو کام سپرد کیا اور براستہ پورنچہ روانہ ہوئے۔ جب راجہ جی کے قصبہ میں آکر قیام کیا تو وہاں کے زمیندار جیم اللہ خان نے ہمارا کہہ کی تشریف آوری کو تائید بھی کی اور بہت سی نعمات انجام دیں جن کے صلے میں ہمارا کہہ نے اس پر بہت عنایات کیں۔

ڈوگرہ راج گلاب سنگھ کے اس وحشیانہ حملہ پر نگاہ ڈالنے تو اندازہ ہو گا کہ اس نے جو سلوک مسلمانوں کو بوجھ سے روا رکھا اس کی مثال بنی نوع انسان کی جو ہزار سالہ تاریخ سے دستیاب نہیں ہو سکتی دنیا میں بڑے بڑے ظالم اور خونخوار حکمران گذرے ہیں جو قتل و غارتگری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن گلاب سنگھ نے پونچھ کی سرزمین پر وارد ہو کر جو انسانیت سوزی کا مظاہرہ کیا اور جس طرح انسانوں کے زندہ جموں سے کہا میں اتنا ہی کم از کم تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

گلاب سنگھ کی دہندہ فوج نے چونکہ تباہ و برباد کر دیں اور مسلمانوں کے مکانات جلا کر انہیں زندہ یہ انسان ناجوان گئے مسلمانوں کی تمام فضیلتیں تباہ و برباد کر دیں اور مسلمانوں کے مکانات جلا کر انہیں زندہ درگور کر دیا تھا۔ چنانچہ جرمنی یہ دہندہ خصلت ڈوگرہ واپس ہوئے ملک میں شدید غم و غم پڑ گیا اور قحط کے سبب دیوتا نے یہاں کے جمہور مسلمانوں کو اپنے چنگ میں جکڑ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں لوگوں نے کئی کئی ماہ تک درختوں کے پتے کھائے اور جب کوئی بس نہ چل سکا تو انہوں نے پنہاں میں آکر اپنے بچے فروخت کر کے شہر دریا کر دیئے۔

ڈوگرہوں کی باہمی جنگ ڈوگرہ برادران کے مضبوط اتحاد و یکجہتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کسی پیرسیر میں اور غریب اہل وطن کے عالم میں ہاتھ

رنجیت سنگھ کے دیباہیں پاؤں رکھے اور خدا داد و صلاحیتوں کے باعث نہ صرف اعلیٰ عہدے حاصل کئے بلکہ بڑے قبیلہ میں کشمیر کے تمام فوجی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جب ان کا اتحاد ختم ہوا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد و بغض نے جنم لیا تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف تواریں بے نیام کر لیں۔ ۱۸۹۳ء بمبئی میں جب راجہ دھیان سنگھ و سوچیت سنگھ کے دھیان ناچاق ہوئی تو ہمارا راجہ رنجیت سنگھ نے فقیر عزیز الدین کے ذریعہ صلح صفائی کرا دی، مگر دونوں طرف دلوں میں گرہ پڑ گئی تھی اور کچھ دین میں موجود تھیں۔ ۱۸۹۵ء بمبئی میں ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد راجہ کھڑک سنگھ جانشین ہوا تو بہت ہی جلد موت نے اسے بھی آگیا۔ اسی روز کنور فونہال سنگھ کو تخت نشین کیا گیا مگر یہ بھی ایک حادثہ کا شکار ہو گیا، اس کے بعد جب شیر سنگھ حکمران ہوا تو اس نے دھیان سنگھ کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ مگر سندھیاں والے سرداروں نے قلعہ میں داخل ہو کر جب دھیان سنگھ کو قتل کیا تو اس کی جگہ وزارت عظمیٰ ہیرہ سنگھ کو دی گئی اور دانا بانہ شہزادہ

دلیپ سنگھ کو تخت نشین کیا گیا جس کا دارالہمام ہوا ہر سنگھ مقرر ہوا۔

ہمارا ہر سنگھ نے دارالہمام کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سوچیت سنگھ کو اکسانا شروع کیا کہ وزارت عظمیٰ پر زیادہ حق تھا ہمارے کیونکہ دہار لاہور کے لئے تمہاری قربانیاں زیادہ ہیں سوچیت سنگھ پہلے ہی ہنگام میں تھا، جب ہمارا ہر سنگھ نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی تو سوچیت سنگھ اور ہیرہ سنگھ کے درمیان وزارت عظمیٰ کے لئے جھگڑا شروع ہو گیا، اس وقت ہمارا راجہ گلاب سنگھ جموں میں قیام پزیر تھا، جب اسے لاہور دہار کی آوازوں کا پتہ چلا تو وہ فوراً لاہور چلا آیا اور صلح صفائی کی کوشش کی مگر دو دنوں کے درمیان فتنہ کی چنگاری شعلہ بن چکی تھی اور ہمارا ہر سنگھ اندھ ہی اندھ ہیرہ سنگھ و سوچیت سنگھ کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتا تھا۔

جب سوچیت سنگھ دہیرہ سنگھ کے درمیان دشمنی انتہا کو پہنچی تو سوچیت سنگھ پریشان ہو کر اپنی جاگیر و مدام نگر چلا گیا۔ دہیرہ ہیرہ سنگھ نے موقع پا کر ہمارا ہر سنگھ کو قید کیا مگر جب اسے محسوس ہوا کہ تمام فوج بغاوت پر تیار ہے تو اس نے ہمارا ہر سنگھ کو رہا کیا اور ساتھ ہی رام گرسے سوچیت سنگھ کو بھی لاہور بلایا۔ اور اس کے بعد لاہور و بار کے تمام اعلیٰ اہل وطن دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرا ہو گئے، ان کی معمولی جھڑپیں جاری رہیں لیکن جب حالات نے نازک صورت اختیار کی تو ہیرہ سنگھ نے فوج لے کر سوچیت سنگھ پر حملہ کیا اور سوچیت سنگھ اپنے ۹ سپاہیوں و عہدیداروں سمیت تلوار کے گھاٹ اتر گیا۔

اس تمام کشت و خون کے دوران ہمارا راجہ گلاب سنگھ جموں میں ہی رہا، جب اسے پتہ چلا کہ ہیرہ سنگھ نے سوچیت سنگھ کو قتل کر دیا ہے تو اس نے حکم دیا کہ ہیرہ سنگھ کی جاگیر پونچھ کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا جائے، چونکہ گلاب سنگھ کی فوجیں پونچھ کی طرف بڑھیں اور ہیرہ سنگھ نے سکھ لشکر کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر جموں کا تمام علاقہ قبضہ کر دیں۔

گلاب سنگھ اپنے درکار زبردست جھگڑا و دلیر سپہ سالار تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ ہیرہ سنگھ جموں پر حملہ کرنے والا ہے تو اس کے اوسان خفا ہو گئے کیونکہ ہیرہ سنگھ اس وقت لاہور و بار کا مخالف تھا اور سکھوں کی تمام فوج اس کے ماتحت تھی، گلاب سنگھ نے پنیترہ بدل کر امام الدین کے ذریعہ صلح صفائی کی کوششیں شروع کر دیں، طرفین کی رضامندی کے بعد معاہدہ لکھا گیا اور اس کی

مکیل کے لئے میاں سرہن سنگھ و گلاب سنگھ کا بیٹا اور دہم سنگھ لاہور پہنچے۔ بہرو سنگھ نے ان کا استقبال کیا مگر اس کے دربار میں جہلا پنڈت نامی ایک شخص نے جہد مزاج اور درشت کلام تھا اور اندہ تھا اندر جو ہر سنگھ اس کا بھر خال تھا کیونکہ بہرو سنگھ سے اس پنڈت کے تعلقات عجیب و غریب نوعیت کے تھے۔

معادہ وغیرہ مستطاب ہونے ابھی باقی ہی تھے کہ جواہر سنگھ کی انکیت پر تمام فوجی سرداروں نے جہلا پنڈت کی بھڑائی کا مطالعہ پیش کر دیا، اس پر بہرو سنگھ نے جب انکار کیا تو حالات بے حد کشیدہ ہو گئے کیونکہ جواہر سنگھ نے تمام درباریوں اور فوجی افسروں کو اپنا بیٹا ہونا بنا رکھا تھا۔ میاں موہن سنگھ جہلا پنڈت کا بھائی تھا، اس نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ٹے کیا کہ جہلا پنڈت کو لاہور سے جوں سے جایا جائے۔ جب اس نے تیاری کی تو بہت سا زمانہ ساتھ لے کر بہرو سنگھ بھی جوں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ کیونکہ وہ جہلا پنڈت کے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ جہلا پنڈت اور بہرو سنگھ کا قافلہ جب لاہور سے روانہ ہوا تو نصف گز دھن بھی تعاقب شروع کر دیا۔ مخالفین جب قریب پہنچے تب تو بہرو سنگھ نے سونے کی انٹریاں دور پھینکیں تاکہ یہ چننے میں معروف ہو جائیں اور اس کی سواری دور بھل جائے۔ مگر مخالف فوج کے سپاہیوں نے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا، بہرو سنگھ کے ساتھ مسل سپاہی بہت کم تھے جب محرم گرم ہوا تو نہ صرف جہلا پنڈت کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے بلکہ بہرو سنگھ و دسوں سنگھ بھی میدان میں کام آئے۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کا سارا خاندان باہمی جلد و قتال کی نذر ہو گیا تو اس نے مستقل طور پر لاہور دربار میں رہنے کا ارادہ کر لیا اس کے دل میں بھائیوں اور جوان بھتیگوں کے قتل کا غم بھی تھا مگر ادھر سکھوں کا دربار چراغ کھری کی طرح تھا اور اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ کی تمام توجہ کشمیر کی طرف تھی کیونکہ برطانوی سامراج کے قدم بڑی تیزی سے پنجاب کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسی تیزی سے پنجاب کا سکھ خاندان بھی رو بہ زوال تھا۔

لاہور دربار میں گلاب سنگھ کا کردار

جواہر گلاب سنگھ اس بات سے آگاہ تھا کہ اگر وقت سے پہلے انگریزوں کو شہر ایسے جنت نغیر ملک کی اہمیت کا پتہ چل گیا تو اس کا تمام منصوبہ ناکام ہو جائے گا اور انگریز سکھوں کی فلموں کے ساتھ ساتھ کشمیر پر بھی خود غافل بن جائیں گے، اس وجہ سے اس

نے نا تجربہ کار سکھ شہنشاہوں کو اس کا ارادہ ۱۸۴۷ء میں بلاوجہ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دیا اور کئی دن تک طرفین کی فوجیں محرم آزمائشیں، انگریزوں اور سکھوں کی لڑائی پر روشنی ڈالتے ہوئے مورخ حضرت لکھنؤ کتاب تاریخ جنوں میں لکھتا ہے کہ خانہ جنگی اور باہمی کشمکش نے جب نازک صورت اختیار کر لی اور اپنے بھائی کے قتل کے سبب رانی جنڈاں بھی فوج کے منت نے ہنگاموں سے تنگ آگئی تو اس نے اپنی جان چھڑانے کے لئے ایک باطل افواہ جبر استعمال کرنے کی ٹھانی، اس نے چند درباریوں کی ایک مجلس مشاورت قائم کر کے فوج کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ تم تنخواہ اور انعامات کے لئے خانہ جنگی میں مصروف ہو اور برطانوی فوج نے تنگی پار کے تمام وہ علاقے اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں تمہیں ان علاقوں کی فکر کرنی چاہیے کو تاہ اندیش درباریوں اور رانی جنڈاں نے اس میں مصالحت یہ سمجھی کہ فوج خود سروا باغی ہو چکی ہے یہ برطانوی فوج کے ہاتھوں کبھی نہ رہے گی اور اس طرح چوٹی جان چوٹ جائے گی۔ لیکن اس حاققت نے پنجاب سے سکھوں کے اقتدار کا ٹھٹھا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ جب راجہ لعل سنگھ کی قیادت میں سکھ لشکر مسلح پارا ترانواری جنڈاں نے گلاب سنگھ کو شہر کی طرف جانے کی ہدایت کی جب انگریزی فوج کو سکھوں کی کارستانیوں کا پتہ چلا تو اس نے فروز پور کے مقام پر مورچے سنبھال لئے اور دیکھ کر ۱۸۴۷ء کو ایک خنزیر محرم ہوا جس میں خانہ فوج کو نہ تو شکست ہوئی، مہاراجہ گلاب سنگھ کا جھلا اس میں تھا کہ خانہ فوج کی جمیعت پارہ پارہ ہو چنا نہ جب شکست خوردہ فوجی سرداروں نے اس سے مدد مانگی تو اس نے مشورہ دیا کہ خانہ فوج جہاں مقیم ہے اس جگہ رہے، اس دوران سکھوں کی شکست خوردہ فوج نے خدشہ ڈالنے کے لئے انگریزی فوج پر ناکام حملے کے نگران کے پاؤں نہم سکے، انہیں تین دفعہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس موقع پر مورخ حضرت اللہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کا دامن بچاتے ہوئے تمام الزام سکھ حکمرانوں اور فوجی افسروں کے سر متوجہ کیا ہے مگر حالات شاید عین کہ گلاب سنگھ سکھوں کے اقتدار کا خاتمہ چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آخر دم تک پہلو تہی کی اور جب ان تینوں ناکام محرموں کا نشان ڈیڑھ کوڑ روپے سکھوں کے ذمہ داجب الادا غنیمت لو گلاب سنگھ انگریزوں کے کیچ میں ایک ٹانٹ کی حیثیت سے گیا اور سکھوں کے کچھ علاقے انگریزوں کے پاس ڈیڑھ کوڑ روپے میں گھڑ رکھوائے اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ سکھ دربار کا وزیر اعظم تھا، جب رانی جنڈاں کو اس کی عیاری کا پتہ چلا تو اس نے اس کی جگہ راجہ لال سنگھ کو وزیر اعظم بنالیا۔ مورخ حضرت اللہ کی روایت ہے کہ راجہ لعل سنگھ

نے جب وہ علاقے انگریزوں کی تحویل میں رہنے کا منصوبہ بنایا تو اس کے ہر گلاب سنگھ کے پاس تھے تو گلاب سنگھ نے سکھوں کے خلاف تاجپاتی کاروائی کی اور ۹ مارچ ۱۸۴۷ء کو انگریزوں سے ساز باز کر کے ۵ لاکھ نانگ ہی سکھوں کے عوض کشمیر کا سودا کر لیا۔ حالانکہ کشمیر وکاس وقت سکھوں کا صوبیدار شیخ امام الدین موجود تھا اور یہ ملک سرے سے انگریزوں کے قبضہ میں ہی نہ تھا۔

دس دفعات پرتش مل معاہدہ امرتسر کے بعد جب انگریزوں نے کشمیر کا اقتدار اعلیٰ ہمارا گلاب سنگھ کو تفویض کیا تو اس نے نومبر ۱۸۴۹ء کو وزیر لکھپت اور رتوں کو قبضہ لینے سرحد پر بھیجا لیکن وہ ناکام رہے۔ اور مسیحہ دہلی کی طرف سے صوبیدار شیخ امام الدین کو ہدایات مل رہی تھیں کہ تم اس دربار کے خلاف ہو گلاب سنگھ کو ملک کا قبضہ نہ دو بلکہ اپنے عہدہ پر بحال رہو۔ جب وزیر لکھپت اور رتوں کو کثیر کا قبضہ نہ لے سکے تو انگریزوں اور دو گروہ فرج کا ایک لشکر لے کر ہمارا گلاب سنگھ خود کشمیر کی طرف بڑھا اور بغیر کسی مزاحمت کے کشمیر کا قبضہ لے لیا۔ اور اس طرح اپنی عیاری، چالاکی اور معاملہ فہمی کے باعث ایک ہی سرزمین کا حکمران بن گیا جو ایک درخشندہ ماضی کے نقوش اپنے سینہ میں ثبت رکھتی تھی اور گلاب سنگھ کے بعد کشمیری سلطان غلامی کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئے جو کچھ ادارے سمیت تھا۔

راجگان پونچھ کا دعویٰ
اگشتہ ادراق میں بتایا جا چکا ہے کہ ہمارا برجیت سنگھ نے جب دو گروہ خاندان پریم گسترانہ بنایا تو کیں تو راجہ دھیان سنگھ کے نوپز بیٹے پیرہ سنگھ کو پونچھ اور سرحد وغیرہ علاقے بطور ہجرت عطا کئے تھے اور پیرہ سنگھ لاہور ہمارا کی خانہ جنگی کے دنوں پہلا چھوٹ کے ساتھ جوں جوں ہاتھ بڑھتا رہتا گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد دھیان سنگھ کے دوسرے دو بیٹے موتی سنگھ و جواہر سنگھ راجہ گلاب سنگھ کے پاس ہی رہے، جتنا عرصہ یہ دونوں بھائی باقی رہے پونچھ کا پورا علاقہ راجہ گلاب سنگھ کے زیر اقتدار رہا۔ اور اس سیاست کی کل آمدنی ہمارا راجہ گلاب سنگھ کے خزانہ میں ہی داخل ہوتی رہی۔ جب یہ دونوں باقی چھوٹ تو ہمارا راجہ نے کچھ شرائط مقرر کر کے پونچھ اور اس کے ملحقہ علاقے ان کی تحویل میں دینے کا ارادہ کیا اور ان کو اپنے ماتحت رکھنے کا فیصلہ کیا مگر ان دونوں بھائیوں نے نہ صرف اس فیصلہ سے اختلاف کیا بلکہ ان علاقوں پر اپنی خود مختاری کی خواہش ظاہر کی اور اس رقم کا بھی مطالبہ کیا جو ایک مدت سے راجہ گلاب سنگھ کے خزانہ میں آتی تھی، ہمارا راجہ گلاب سنگھ ان دونوں بھائیوں

کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا، اس کے برعکس اس کا موقف یہ تھا کہ یہ تمام علاقہ میرے کشمیر میں ہے انگریزوں سے معاہدہ امرتسر کے تحت حاصل کیا ہے اور انگریزوں کو ۵ لاکھ روپے کی رقم ادا کی ہے۔ معاہدہ امرتسر کی دوسرے یہ تمام علاقے میری قلمرو میں شامل ہیں اور اب جس اپنی طرف سے تمہیں ان علاقوں پر اپنا ماتحت راجہ تسلیم کرتا ہوں۔ اس کے برعکس راجہ جواہر سنگھ و موتی سنگھ کا مطالبہ تھا کہ معاہدہ امرتسر اور کشمیر کا معاملہ بہت بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے ہمارا برجیت سنگھ پونچھ اور جسرود پیرہ سنگھ کے نام مشغول کر چکا تھا اور ہم اس کے وارث ہیں، ہمارا راجہ گلاب سنگھ یہی اعتراض رکھتا تھا کہ میں نے پونچھ کے سرکش قبائل کی سرکوبی کر کے یہاں کا قبضہ حاصل کیا تھا اور میری ہی طاقت کے آگے یہاں کے قبائل ہجے تھے۔ اس لحاظ سے بھی اس ملک کا میں مختار کل ہوں، غرضیکہ جب اس جھگڑے نے طے پڑا اور کسی طرح بھی معاملہ ٹل نہ ہوا تو جواہر سنگھ و موتی سنگھ نے ہمارا راجہ گلاب سنگھ کے خلاف لاہور پریذینٹ کے دھاریں دعویٰ دائر کر دیا۔

ہمارا راجہ گلاب سنگھ انگریزوں کے نزدیک جواہر سنگھ و موتی سنگھ پر طرح فوقیت رکھتا تھا، اس کے علاوہ معاہدہ امرتسر میں واقعی ان تمام پہاڑی علاقوں کا ذکر موجود تھا، اس وجہ سے پریذینٹ لاہور نے بھی ہمارا راجہ گلاب سنگھ کے موقف کی تائید کی اور اس بات کو تسلیم کیا کہ جواہر سنگھ و موتی سنگھ گلاب سنگھ کے جاگیر دار کی حیثیت سے پونچھ پر قابض رہ سکتے ہیں۔

کافی عرصہ تک مقدمہ دائر رہا، جواہر سنگھ و موتی سنگھ اس کوشش میں رہے کہ ہمارا راجہ برجیت سنگھ کے فیصلہ کی رو سے پونچھ پر اپنی کے حاکمانہ حقوق بحال کر دیئے جائیں۔ مگر برطانوی حکومت اس کی قطعی حامی نہ تھی بالآخر ان کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت فیصلہ ہوا جس کے دفعات حسب ذیل ہیں:-

(۱) ایک پٹن کی نوکری جواہر دھیان سنگھ کے وقت سے رائج تھی ہمارا راجہ گلاب سنگھ معاف کر دیتے ہیں۔

(۲) راجہ موتی سنگھ و جواہر سنگھ کو خطاب رائج دیا جاتا ہے۔

(۳) جب یہ انتظام ہو جائے کہ ہمارا راجہ صاحب عرف ایک ہی جگہ وصول وصول کریں تو اس وقت ملک کے حاصل اور زائد نقد کا اندازہ کر کے ہمارا راجہ صاحب راجگان پونچھ کو رقم دیں گے۔

(۴) راجہ فیض طلب خان کی معافی کے بابت ہمارا راجہ گلاب سنگھ سواہر روپے کی رقم راجگان پونچھ کو

کو معاف کرتے ہیں۔

(۵) ہمارا جہ صاحب راجگان پونچھ سے دو گھوڑے مع ساز گلائی اور سات ہزار روپے نذرانہ دیتے تھے اب دونوں چھائیوں سے صرف سات سو روپے وصول کریں گے۔

(۶) ایک ہزار چھ سو روپے رسوم بابت دیوان جوالہ سہا نے راجگان پونچھ سے لینا تجویز جوا تھا۔ ہمارا جہ صاحب یہ رقم بھی معاف کرتے ہیں تاکہ دیوان جوالہ سہا نے ہمارا جہ صاحب کے ملازم ہیں۔

(۷) چونکہ پہاڑی ملک سرکار خالصہ سے تمام حقوق سرکار انگلشیہ کے قبضہ میں آیا ہے اور سرکار انگلشیہ نے مطابق ہند نامہ امرتسر ہمارا جہ کو ملایا ہے اور حد درجہ قدیم کا حق قائم رکھنا ضروری ہے اس لئے راجگان پونچھ کو چاہیے کہ ہمارا جہ کی مشاورت کے بغیر کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ملک کو نقص ہو۔

مذکورہ بالا دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد ہمارا جہ گلاب سنگھ نے جہاں سنگھ و موتی سنگھ کو جہوں سے پونچھ کی طرف روانہ کیا تاکہ یہ اپنے علاقہ کا نظم و نسق سنبھالیں مگر یہ پونچھ آتے ہوئے آپس میں لڑ پڑے، کہا جاتا ہے کہ جہاں سنگھ راجہ کی حیثیت سے توت نشیں ہونا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ موتی سنگھ وزیر کی حیثیت سے رہے، بالکل اس کے برعکس خواہش موتی سنگھ کی تھی، موتی سنگھ کا مطالبہ تھا کہ راجہ میں بنوں گلاس بات چلاس قدر چکر اڑا کر بجائے پونچھ آنے کے دونوں واپس جوں چلے گئے اور جوں میں یہ چکر اڑا کافی عرصہ تک چلا رہا مگر ان دونوں میں سے راجہ کو نہ ہزار وزیر مکران، اور اس عرصہ میں پونچھ پر گلاب سنگھ کا قبضہ ہی بدستور رہا۔

راجہ موتی سنگھ ۱۹۰۹ء بمبئی تا ۱۹۳۵ء بمبئی

۱۹۰۹ء بمبئی میں راجہ موتی سنگھ نے اپنی خاندانی جاگیر علاقہ پونچھ کو الٹھو کے قریب چار ستر نو آباد کرنے کا ارادہ کیا، ان دنوں پونچھ کا موجودہ شہر ایک گنجان جنگل تھا اور اس کے قریب وہاں میں بہت کم آبادی تھی، یہاں کی آبادی دراصل دو حصوں میں تقسیم تھی، جسے ملنی پونچھ اور نئی پونچھ کہا جاتا تھا پرانی پونچھ خانقاہ اور نئی پونچھ میں صرف تین محلے آباد تھے جن کے نام عدا کھڈی ناٹ، عدا قصاب اور عدا شیان تھے۔ عدا شیان میں شعیف فرقہ کہ پاس ساٹھ دکانیں تھیں اور ہندوؤں و ہندوؤں کی آبادی بھی اس طرف تھی جب بازار چاروں سے لے کر سورج ناتھ کی گلی تک شمار ہوتی تھی اور اس طرف شیعوں کا قبرستان بھی تھا۔

پونچھ صدر مقام کے ان تینوں محلوں کی مجموعی آبادی اس زمانے میں صرف تین ساڑھے تین ہزار تک تھی، اور اس کے چاروں طرف کی زمینیں لامتناہی کا بہت سا حصہ بھروسہ جوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رگن کمان بدلتے دلائے بہت کم تھا، اس وقت اس علاقہ کی نگرانی زار دن رات کسی نامی ایک پندت کے سپرد تھی جو راجہ موتی سنگھ کا کیدان یا حاکم اعلیٰ تصور ہوتا تھا اور اس علاقہ کا مختار تھا۔

جب راجہ موتی سنگھ پہلی مرتبہ پونچھ میں وارد ہوا تو اس کے ساتھ جہوں سے بلوکیدان عرف بلونت سنگھ چارنگ، مسید بہر شاہ، مرزا حیدر بیگ اور چوہدر جٹ وغیرہ ان کا ساتھ آئے تھے، راجہ موتی سنگھ نے دیہاتے پونچھ کے کئی فرد کش پہرہ کی تمام فکرو کا دور کیا، ہر مرکزی مقام کو دیکھا بھالا۔ مقامی آبادی کے بارے میں مفید معلومات حاصل کیں اور قبیلہ سدھن، ملیال، گوچر، ڈھونڈیاسی، ستید، نارمہ، تیز پال، پوتیا، کھکھ، تکیال، منہاس، لکھنڈ وغیرہ کے بارے میں آگاہی حاصل کی اور اس کے بعد دیہاتے پوتیا کے کئی شہر آباد کرنے کا حکم دے دیا تاکہ اس شہر کو ریاست پونچھ کا دار الحکومت بنایا جائے۔

راجہ موتی سنگھ جب جہوں سے چلا تھا تو اسے اس بات کا علم تھا کہ اس نے ایک چھوٹی سی ریاست کی از سر نو بنائی ہے اور مختلف محلے قائم کرنے ہیں جو ریاست کے نظام کو چلا سکیں۔ اس وجہ سے اس نے روپے کا معقول ہندو بہت کر لیا تھا۔ جو بہی اس نے ملاوت کی تعمیر کا کام شروع کر لیا چاروں طرف کے غریب لوگوں کو روزگار دیا چڑ گیا، جو کارگر تھے ان سے معقول معاوضہ دیا جانے لگا اور چھوڑے تھے ان سے معمولی مزدوری ملنے لگی، اس نے اس کے ساتھ ساتھ کاروبار حکومت چلانے کے لئے ایک خاص چانچہ ترتیب دیا تاکہ ریاستی نظم و نسق کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاسکے۔

بلوکیدان عرف بلونت سنگھ کو فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا، اس وقت راجہ موتی سنگھ کے ساتھ جہوں سے جو سپاہی آئے تھے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ بلونت سنگھ کو حکم دیا گیا کہ وہ فوج میں اضافہ کرے اور فوجوں کو شہر سے دوردست کے لئے ایک چھاؤنی بھی تعمیر کرائے، راجہ کا حکم پا کر بلونت سنگھ نے فوراً اپنے اختیارات سنبھال لئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

مرزا حیدر بیگ کو ریاست پونچھ کا اضلاع خاندان مقرر کیا گیا اور جہوں سے متعلقہ تمام کام اس کی تحویل میں دیدیے گئے۔

مسید بہر شاہ جو کہ راجہ موتی سنگھ کا خصوصی مشیر تھا اس لئے اسے فراسشن خانہ، قوشہ خانہ



10-09

of 328



اور اصل کی نگرانی پر مامور کیا گیا تاکہ یہ راجہ موتی سنگھ کے زیادہ قریب رہ سکے، راجہ موتی سنگھ کا ماموں میاں گلاب سنگھ بھی جوں سے ساتھ تھا، یہ بیٹا راجہ موتی سنگھ کے ساتھ ساتھ سردگم چشیدہ تھا اس لئے راجہ نے اسے اپنا وزیر مقرر کیا تاکہ یہ حالات پر کڑی نگاہ رکھ سکے۔

پندرہ تاروں میں دھڑکی پہلے کیا تو اس وجہ سے اسے حکم مال کا سروکار مقرر کیا گیا۔ ان اعلیٰ تقریبوں کے بعد راجہ موتی سنگھ نے حکم دیا کہ تمام اعلیٰ اراکین اپنے اپنے اہل و عیال کو پونچھ لائیں۔ چنانچہ جب سب نے اپنے اپنے خاندان کو پونچھ لائے تو اس نے شہر کی قریبی اضعیات ان میں بانٹ دیں اور اس طرح کاشتکاری کا سلسلہ شروع ہو گیا، راجہ موتی سنگھ نے ملک کا نظم و نسق بطریق احسن منظم کیا مگر بعض پہلوؤں سے مسلمانوں پر بائست کو شدید نقصان بھی پہنچا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ راجہ موتی سنگھ کی آمد سے پہلے یہاں کی تمام تجارت اور دیگر صنعت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، مگر جب موتی سنگھ نے یہاں شہر کا رکنا شروع کیا تو انہوں کے سینگوں سے تاجہ یہاں چلے آئے اور اس طرح ایک منصوبہ کے تحت تجارت پر بند دوں اور جوہر کے برباد ہو گئے۔

بعض روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے جب راجہ موتی سنگھ نے جہلم کے ایک تاجر کاڑا سنگھ کو کسٹم کا ٹیکہ دیا تو اس کے ذریعہ جہلم، ہڈیالی، ہنڈواں خان، راولپنڈی، گوجرانوالہ اور گجرات کے ہزاروں سوختہ ہندو تاجر پونچھ چلے آئے اور انہوں نے پونچھ کے مرکزی مقامات پر سودی کاروبار کا وسیع جال پھیلا دیا اور اس طرح تجارتی میدان میں مسلمان بالکل ہی ہیمانہ ہو کر رہ گئے۔

دراصل یہ ڈوگرہ راجہ موتی سنگھ کی ایک غلطی تھی، وہ جانتا تھا کہ یہاں کے بعض قبائل یہ سب کسٹم ادا نہیں کریں گے، جب تک ان کو معاشی و اقتصادی بدعالی میں مبتلا نہ کیا جائے انہیں قابو نہیں رکھنا مشکل ہے، یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک منصوبہ کے تحت ہندو تاجروں کی پشت پناہی کی اور انہوں نے جو کون کی طرح ریاست پونچھ کے مسلمانوں کا خون چوسنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں درانیوں نے نقل و حمل بالکل نہ تھے، اکثر بار بار درانیوں کا مزہ دہانوں کے ذریعہ ہی ہوتا تھا، ہندو تاجر پنجاب کے قریبی بازاروں سے اشیاء خوردنی خریدتے اور پونچھ کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے ہاتھ سود پر فروخت کر دیتے تھے، ان کا سود وصول کرنے کا طریقہ بڑا تباہ کن تھا، یہ اکثر اشیاء مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے اور ایک دفعہ مقرر کر دیتے تھے۔ اس دفعہ میں اگر کوئی مسلمان اصل رقم سود کے ادا کر دے تو بہتر ورنہ سود بڑھاتے جاتے تھے اور اس طرح مقررہ مسلمان کبھی کبھی خلاصی

نہ کر سکتا تھا، مسلمانوں سے سود میں کمی۔ دھان اور گندم لی جاتی تھی اور یہ تمام نسلہ ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا، جب مسلمانوں کو اس کی ضرورت پڑتی تو وہی نسلہ ان کو دودھ غلہ پڑھ دیا جاتا۔ جب مسلمانوں کی فصل تیار ہوتی تو سود و غنہ پھر چار من بکلی کی آٹھ من وصول کرتے، یہ سلسلہ دیکھتے دیکھتے پوری ریاست میں پھیل گیا، اور ریاستی مسلمان بالکل تروخہ غرمیں پھنسل گئے ہو کر رہ گئے۔

ہمارے گلاب سنگھ نے ۱۸۳۲ء کے حملے کے بعد پونچھ کی سرزمین پر لگان کی وصولی کے لئے نمبروا دی اور جاگیر داری کے طریقہ کو رواج دیا تھا، اس نے جن قبائل کے تزار اور کوٹوار کے گھاٹ آتا تھا ان ہی قبائل کے اکثر افراد کو اپنا حامی و معاون بنانے کی صوابدید سے نمبروا مقرر کئے تھے تاکہ ریاست پونچھ کا لگان وصول ہوتا رہے، تحصیل سونی میں تمام نمبروا ریاں سون میں قبیلہ کے ان لوگوں کو دی گئی تھیں جنہوں نے ۱۸۳۱ء میں گلاب سنگھ کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ یہی حال قبیلہ بانہ، قبیلہ ہنڈواں، قبیلہ جڑی یا قبیلہ بانہ کے قبیلہ کے تمام نمبروا ریاں اور جاگیریں یہاں کے ملایاں قبیلہ کے پاس تھیں اور پڑی صر کے ڈھونڈوں و تیزیاں ان کے پاس تھیں، جب راجہ موتی سنگھ کا بھید شروع ہوا تو اس نے نمبروا ریاں کے نظام کو برسرِ تور رہنے دیا کہ وہ ڈوگرہ خاندان کے لئے لگان وصول کرنے کا موثر ترین طریقہ ہی تھا۔

راجہ موتی سنگھ نے اپنے دفتری ملازمین کے لئے ہر شاہو و مقرر کیا تھا یہ اکثر غلطی صورت میں ہی ادا کیا جاتا تھا، دھڑکی کو ریاستی یا شہر سے لگان بھی غلطی صورت میں وصول کیا جاتا تھا، شہر میں بھی قبیلہ پر ریاستی مسلمانوں سے غلط وصول کر کے سرکاری ذخیرہ میں محفوظ کر لیا جاتا اور جب کسی اعلیٰ یا اسے ملازم کی تنخواہ ادا کرتی ہوتی تو اسے ناپ کر غلطی، دھان یا گندم حوالے کر دی جاتی اور یہی اس کی تنخواہ ہوتی تھی۔

راجہ موتی سنگھ نے پانچوڑا جانے کے فوراً بعد اپنے شہر داروں اور قبیلہ داروں کو بے حد نوازنا شروع کر دیا تھا اس نے اپنے شہر داروں میں سے جن کو بیشیہ ملازم ٹیڈنری میں لیا ان کے نام ریاست کے ذخیرہ صر سے وسیع اراضیات شتعل کر لیں تاکہ یہ لوگ آسودہ حال ہوں اور مسلمان ان کے بے وفائیوں۔

راجہ موتی سنگھ کے عہد سے پہلے ریاست پونچھ کو کشمیر کا سرکاری ٹیکس ایک ہی تھا مگر جب موتی سنگھ نے بطریق احسن نظام قائم کیا تو ریاست پونچھ کے تمام سرکاری کاغذات کے لئے الگ ٹیکسپ تجویز ہوا اور انہوں نے اپنا دفتری نظام اپنے نام پر قائم کر لیا۔

۱۹۲۱ء کی عرصہ میں جب راجہ موتی سنگھ کے ان اس کا بیٹا بلدیہ سنگھ پیدا ہوا تو پوری ریاست پونچھ میں

کوئی کمی نہ آئی۔

میاں نظام الدین کی وزارت پر کچھ عرصے تک رہی، اس نے پونچھ پر ڈوگرہ خاندان کے پاؤں مضبوط کرنے میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کیں لیکن اس کے باوجود وہ ڈوگرہ خاندان میں اپنی عزت و بقرار نہ رکھ سکا کیونکہ راجہ موتی سنگھ نے کسی بات سے ناراض ہو کر نہ صرف اسے قید کیا بلکہ اس کا تمام اثاثہ بھی لوٹ لیا۔ ضبط کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈوگرہ اہل کاروں کو ایک مسلمان کی وزارت پسند نہ تھی اس وجہ سے انہوں نے میاں نظام الدین کے خلاف ایک سازش کی اور اس وجہ سے راجہ موتی سنگھ کو اس کے خلاف اگسٹ میں کامیاب ہو گئے۔

راجہ موتی سنگھ کا عہد پونچھ میں ۴۲ سال کے عرصہ کو محیط ہے، اس کے سوا چھٹاروں نے کافی صفیہ کئے ہیں اور اس کے اوصاف بیان کرنے میں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے، مگر حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ موتی سنگھ نے ریاست پر کچھ عرصے میں بحیثیت حکمران پاؤں رکھے ہی یہاں کے مسلمانوں کے معاشی، اقتصادی اور تجارتی راستے سدود کر کے تھے اور ان تمام شعبوں پر اپنے خاندان کے ڈوگرے اور ہندو متبعین کو سنے تھے جن پر یہاں کے مسلمانوں کا حق تھا۔

اس کے مسلمان سرکاری عہدیداروں کے نام بھی ملتے ہیں، شہنشاہید مہر شاہ، مرزا حیدر بیگ، حکیم ہر نور شاہ، حکیم قلب الدین، حکیم سردار جراح، میاں نظام الدین، سردار عبدالغنی خان بگیاں، دھیمو علی پوریا پرمسفر اور رہنہ گرجب یہاں کی عوامی زندگی پر رنگہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ موتی سنگھ نے چند افراد کو اپنا معاون بنا کر باقی سب کو افلاس و شکست کے تاریک غامضیں دیکھ دیا تھا۔

یہ تمام خط و براہ راجہ موتی سنگھ کی فکر و بین شامل تھا پہلا ہی علاقوں پر دخل تھا اور یہاں کے مسلمانوں کا کل اثاثہ زمینوں کی پیداوار جس سے کثیر آبادی گذر بسر کرتی تھی لیکن جب راجہ موتی سنگھ نے سود خور ہندو تاجروں کے گردہ پونچھ میں آباد کر کے تو یہاں کے مسلمانوں کا تمام غلہ ان کے ذخروں میں چلا گیا اور مسلمان جن کی سونے مہا پادی تھی چند سود خور ہندو بیویوں کے رحم و کرم پر چھو گئے، راجہ موتی سنگھ نے مسلمانوں میں اپنے چند خیر خواہ پیدا کر کے تھے جنہیں جاگیر دار، منبر دار یا معانی دار کہا جاتا تھا اور ان ہی لوگوں سے اس کا مفاد وابستہ تھا۔ ان کے علاوہ اس نے باقی آبادی کو سدھارنے کی کوشش نہیں کی، راجہ موتی سنگھ کے حکمت بتاتے ہیں کہ اس نے فلاح عامہ کی طرف کسی قسم کی توجہ نہیں دی، اس کے زمانے میں پونچھ کی سرزمین پر کوئی سکون

چراغوں کی گلیاں۔ اس خوشی میں راجہ موتی سنگھ نے اپنے اہلکاروں کے مراتب بڑھائے اور سینکڑوں قیدی رہا کر دیئے گئے۔ کچھ دنوں بعد سید مہر شاہ کو سرکاری خلع و خیروں کا نجان قرار کیا گیا اور جب بدیہ سنگھ قریب بڑھا تو اس کے آئینے کے فرائض بھی سید مہر شاہ کو سونپے گئے، مرزا حیدر بیگ کی وفات کے بعد راجہ موتی سنگھ نے ییل خانہ اور شہر خانہ کا نجان بھی مہر شاہ کو مقرر کر دیا۔

میاں غلاب سنگھ کافی ضعیف ہو چکا تھا جب اس نے وزارت علمی سے علیحدگی اختیار کی تو راجہ نے سردار ڈاڈا سنگھ کو قلعہ دار مقرر کیا، اور سردار ڈاڈا سنگھ نے جب حکمہ جڑیشن قائم کیا تو سردار عبدالغنی خان بگیاں کو بیج تعینات کیا گیا۔

اس زمانے میں میاں نظام الدین بندوچی نے بہت ترقی کر لی تھی۔ میاں نظام الدین نے یہاں تک راجہ موتی سنگھ کا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ جب سردار ڈاڈا سنگھ نے وفات پائی تو راجہ نے میاں نظام الدین کو اپنا وزیر مقرر کر لیا اور سردار ڈاڈا سنگھ کو ۴۲ سالہ ڈاڈا ریاست پونچھ کا یوہوا فخر مقرر کر دیا گیا، پنڈت زاروں میں دیشی کی کافی خدمات تھیں جب ڈاڈا سنگھ کا لاڈ لاکا تار سنگھ ریوہوا فخر ہوا تو راجہ نے ازراہ قدر دانی پنڈت کے بیٹے پنڈت کشن کو حکمہ جھکات کا افسر علی مقرر کیا اور کچھ دنوں بعد اس کے دوسرے لڑکے پنڈت آقا بھو کو فرائز دیوانی کا نجان بنالیا۔

راجہ موتی سنگھ کے عہد پر بنگالہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے ملک کی انتظامیہ میں تعمیل سے صنعتی اور تحصیل بنانے سے کسی مسلمان کو شامل نہیں کیا بلکہ ان علاقوں کے مسلمانوں کو صرف نمبر داروں اور گھنٹیاں کی جائیگر داریوں کے پکڑیں اچھائے رکھا تا کہ یہ سرکشی نہ کر سکیں، اس میں شک نہیں کہ راجہ نے میاں نظام الدین کو ریاست کا وزیر مقرر کیا تھا اور اس لحاظ سے ریاست کا سب سے معزز عہدہ ایک مسلمان کے پاس تھا مگر اس کی وزارت کے دوران یہاں کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اس کے برعکس ریاستی، سانیہ، پارکھ، پونی، جہیں اگھور اور سوچیت گڑھ و خیر و خیر جس قدر ڈوگرہ اہل کار اور جاگیر پونچھ آئے میاں نظام الدین نے ان کی پوری پوری نگہداشت کی اور تجارتی اور زرعی جہاز میں ان کے پاؤں مضبوط کر لئے۔

میاں نظام الدین کی وزارت سے پہلے ریاست پونچھ میں مالیہ کی کوئی باقاعدہ شرح متعین نہ تھی۔ لوگوں سے علاقہ کے نمبر دار وصول کرتے تھے اور جس سے جتنا چاہتے تھے لیتے تھے، نمبر داروں نے ریاستی عوام کا جینا دہبر کر رکھا تھا، میاں نظام الدین نے انہیں ایک زیر کا شت اور ضیافت کی پیمائش کو کر مایہ کی ایک مشعر کمال بندگی کے حساب سے مقرر کر دی، لیکن قمبر داروں اور جائیگر داروں کی زیادتیوں میں اس کے باوجود

اور کوئی درس گاہ نہ تھی جہاں لوگوں کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں، یہاں کے تمام مسلمان دینا دی تعلیم سے بے بہرہ تھے اور ہر طرف جہالت و ناخواندگی کا دور دورہ تھا، البتہ دینی تعلیم میں صرف قرآن پاک اور نماز پڑھائی جاتی تھی اور یہ سادات قبیلہ کا فیض تھا جنہوں نے ریاست پونچھ کے کونے کونے میں پھر کر لوگوں کو نماز روزہ اور شاعرانہ سلاوی کا پابند بنایا تھا، سادات کی انتھک کوششوں کے باعث پونچھ کے مسلمان شاعرانہ سلاوی کے بڑی مہمت سے وابستہ تھے، لیکن تہذیبی، تمدنی اور تعلیمی لحاظ سے یہ پچھلے زمانہ تھے، جہالت کے باعث اس قدر دوسرے کے معمولی معمولی بات پر لڑکھڑکھ پڑتے تو ساروں کو لڑائی جاری رہتی۔

راجہ موتی سنگھ کی تعمیرات میں چھاؤنی، میگزین اور چند سرکاری عمارت قابل ذکر ہیں جو اس نے ابتدائی دنوں میں تعمیر کرائی تھیں۔ راجہ زیبا بیس کامریض تھا، انہوں کے دوران قیام جب اس نے اس دار فانی سے رخصت سفر باندھا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا بلدیہ سنگھ لگے کی بنیاد پڑی۔

۱۹۳۵ء بمقام ۱۹۴۵ء بمقام

راجہ بلدیہ سنگھ

جن دنوں راجہ موتی سنگھ نے وفات پائی ان دنوں کشمیر کی حکومت ایک گوشے کے ماتحت تھی کیونکہ بعض سنگیں الزامات یعنی روسی حکومت کے ساتھ ساز باز کے باعث انگریزوں نے ہمارے پرتاپ سنگھ کے اختیارات محدود کر دیئے تھے اور حکمران کونسل کے اراکین ایک انگریز اور ہمارے بھائی وائس راجہ سنگھ وائس راجہ سنگھ تھے جو باہمی مشاورت سے ملکی امور سرانجام دیتے جن کے دوران قیام دربار بسنت پنچھی کے موقع پر ہمارے پرتاپ سنگھ نے راجہ بلدیہ سنگھ کو ان ملک دے کر موتی سنگھ کا جانشین مقرر کیا، اس تقریب میں ہمارے پرتاپ سنگھ کے بھائی امر سنگھ دوہم بھی شریک تھے، راجہ بلدیہ سنگھ ابھی مصلحتوں کا مالک تھا اور ادراک عشرے سے ہی ملکی امور میں دلچسپی لینا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب اس نے بحیثیت حکمران عہدہ خود سنبھالی تو پوری دلچسپی اور سرگرمی سے کاروبار حکومت سرانجام دینے لگا۔

راجہ موتی سنگھ کے زمانے میں پونچھ میں تعلیم کا نام نہ تھا اور نہ ہی اس نے یہ ضرورت محسوس کی تھی کہ مسلمانوں کے بچوں کے لئے سکول کھولے جائیں، چنانچہ جب بلدیہ سنگھ نے عہدہ حکومت سنبھالی تو اس نے پونچھ کے صدر مقام پر ایک باقی سکول قائم کیا۔ یہ ریاست پونچھ کا پہلا باقی سکول تھا۔ ان دنوں ملکہ دکن پر یہ کی گولڈن جوبلی منائی گئی تھی، راجہ بلدیہ سنگھ نے اس خوشی میں سکول کا نام سینٹ جوبلی باقی سکول

رکھا اور سید حیدر شاہ کو اس سکول کا صدر معلم مقرر کیا۔ اس لحاظ سے گویا سید حیدر شاہ ریاست پونچھ میں دنیاوی تعلیم کے سلسلہ کے بانی ہیں۔

راجہ موتی سنگھ کے زمانہ میں پوری ریاست میں کوئی شفا خانہ نہ تھا، البتہ راجہ نے اپنے اہل خانہ کے اعلیٰ اراکین کے علاج معالجہ کے لئے یونانی حکیم ملازم رکھے تھے، راجہ بلدیہ سنگھ نے عہدہ حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد طبی طریق علاج منسوخ کر دیا اور باہر سے ایڈیٹنگ ڈاکٹر بلائے گئے تاکہ مریمینوں کا علاج سائنٹیفک طریقہ سے کیا جاسکے، راجہ بلدیہ سنگھ نے خفایاں صحت کے لئے باقاعدہ ایک فکھ قائم کیا اور ڈاکٹر بہاری اس کو ریاست کا چیف میڈیکل انسپکٹر رکھا گیا، خواجہ محمد جمعی ڈاکٹر تھا اسے بہاری لال کا نائب مقرر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ راجہ بلدیہ سنگھ نے ہوشیار پور سے دیوی سنگھ نامی ایک سکھ کو ملا کر ملازم نامہ مقرر کیا اور ہری پرشاد کو بنارس سے جاکر ریاست پونچھ کے عدلیہ کا سربراہ مقرر کیا۔ راجہ بلدیہ سنگھ نے پونچھ کے کئی مرکزی مقامات پر پرائمری اور مڈل سکول قائم کرائے اور عوام کی ضرورت کے پیش نظر پونچھ کے صدر مقام پر ایک زمانہ ہسپتال بھی قائم کرایا۔

۱۹۳۵ء بمقام جب راجہ موتی سنگھ کے مشیر خصوصی سید بہر شاہ نے وفات پائی تو راجہ بلدیہ سنگھ نے اس کے بیٹے سید علی احمد شاہ کو توشہ خانہ کا انصرامی مقرر کیا۔ اس زمانے میں دوسری لال نامی ایک دکن پونچھ میں دکان کرتا تھا غالباً یہ ریاست کا پہلا دکان تھا جسے راجہ بلدیہ سنگھ نے مفتی دے کر منع مقرر کیا۔ مکمل لال پوری نامی ایک ہندو کو دیکر باواسے بلا کر کشتی بھرت لگایا تھا، بھرت سنگھ نامی ایک سکھ کو حکام اعلیٰ اور شہاب الدین کو سپرنٹنڈنٹ پولیس تعینات کیا گیا اور سردار محمد اکرم خان عباسی سکھ چھائی کو پونچھ شہر کا کونسل مقرر کیا گیا۔

راجہ موتی سنگھ کی نسبت راجہ بلدیہ سنگھ عوامی احساسات و جذبات کا خاص خیال رکھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے علاج عامہ کے لئے مفید اقدامات کیے اور مسلمانان ریاست کے لئے سکول، ہسپتال، اور ڈاکخانے تعمیر کرائے، اس زمانے میں ریاست پونچھ اور کشمیر کے مابین سرحدی جھگڑا چل رہا تھا دونوں حکومتوں کے نمائندوں نے سرحد پر پہنچ کر عہد نامہ کی رو سے اس سرحد بندی کی اور اس طرح یہ وجہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

ان کاموں کے ساتھ ساتھ راجہ بلدیہ سنگھ نے شدت و مادہ وصولانہ زنتی کو اپنا میرمنشی مقرر کیا اور

مردارولت سنگھ کے وفات کے بعد خواجہ جرب جو کوریاست کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

ان امور کے ساتھ ساتھ راجہ بلدیوسنگھ نے زیر کاشت اراضیات کا باقاعدہ بندوبست کرنا چاہا تاکہ فاضل اراضیات سے مزدور عدا راضیات الگ کی جائیں۔ اس کام کے لئے اس نے ایک مشہور راجہ اراضیات انگریز سرگودھت کو پونچھ بلایا اور دیا کے کنارے اس کی رعائش کے لئے شاندار جنگی تعمیر کرایا مگر انگریز راجہ اراضیات کام شروع کرنے سے پہلے ہی دجہ سے ناراض ہو کر واپس چلا گیا اور بلدیوسنگھ نے قلعہ کی سکونت ترک کر کے اس جنگ میں اقامت اختیار کر لی۔

اس وقت ریاست میں بندوبست اراضیات کا کام دسیتہ پیمانے پر شروع تھا، اس دجہ سے راجہ بلدیوسنگھ نے پنجاب کے مختلف مشہوروں سے پٹواری، گرواد، جرب کس اور غرم بلائے اور مشرٹنچ نامی ایک اور انگریز گروہاوی حکومت سے مستعار لیا گیا۔ اس ماہر اراضیات انگریز کے ساتھ بطور معاون سوپ نرائن کو مقرر کیا گیا اور پرنسڈنٹ کا ہندوبست کا ہندوستان میں جرب فیض العسکری کو دیا گیا۔

مگر بندوبست اراضیات کا بنیادی خاک مرتب کرنے کے بعد جب مشرٹنچ واپس چلا گیا تو اس کی جگہ ایک اور انگریز مشرٹنچلن کو دی گئی اور قیام کام اس نے شروع کیا، جب اس کا کام مکمل ہوا تو ریاست پونچھ کی باقاعدہ الگ حیثیت تسلیم کی گئی۔

تحریک حقوق ملکیت
راجہ بلدیوسنگھ کے بندوبست اراضیات ۱۸۹۹ء کے ساتھ ساتھ سرزمین پونچھ کی وہ تحریک نمایاں خصوصیت رکھتی ہے جس کی سرمدار ہمارے اعلیٰ خان نے اٹھائی اور جس کے باعث مسلمانان پونچھ کو اپنے جائز حقوق کے لئے لب کشائی کی جرأت ہوئی، اس بارے میں جو حالات ملتے ہیں ان سے اعزاء ہوتا ہے کہ انگریز کمشنر بندوبست کے عمل نے سب سے پہلے ان سرحدوں پر اراضیات مزدور کی پیمائش شروع کی تھی جو کشمیر اور دوسرے نواحی علاقوں سے ملتی تھیں، اس دوران جب انگریز کمشنر بندوبست نے پونچھ کے سرحد آرزو لوگوں کا ایک وفد اپنے پاس بلایا تو سب سے پہلے سرمدار ہمارے ملک کھڑی، سرمدار املیل خان سکھ ٹائیس، سرمدار کالافا، ذفیل خان سکھ چیمائی اور مدلیال قبیلہ کے بعض سرمداروں کو علاقہ کی طرف سے منتخب کر کے بھجائی مگر ان کی موجودگی میں ریاست پونچھ کی عہد بندی کا کام شروع نہ لایا جائے۔ مذکورہ معززین علاقہ کی موجودگی میں جب عہد بندی مکمل ہوئی تو سب سے پہلے تحصیل ہندو اور جوئی کی طرف مزدور زمینوں کی پیمائش کا کام شروع

ہوا، اور یہاں کے مسلمان آلام و مصائب کا شکار ہو گئے کیونکہ بندوبست کا عملہ جس گاؤں میں جاتا سینکڑوں مسلمانوں کو بغیر کسی معاوضہ کے بیگانہ میں پکڑ کر بار برداری کا کام کیا جاتا اور ساتھ ہی ان سے رسد کے طور پر امتیاز خوردنی جڑ و دھول کی جاتیں، کافی عرصہ تک تحصیل ہندو اور جوئی کے لوگ پریشانی کا شکار رہے۔ مذکورہ دو تحصیلوں کی ممکن پیمائش کے بعد جب تحصیل بارغ اور سدھنوی کی باری آئی تو سب سے پہلے سدھنوی کا کام شروع کیا گیا اور عملہ بندوبست نے اپنا مرکز راڈلاکوٹ کے قریب تراڑ کے مقام پر قائم کیا۔ ۱۹۰۵ء بکری میں پرنسڈنٹ دولت رام راڈلاکوٹ پہنچا تو یہاں باتوں باتوں میں یہ راڈلاکوٹ راجہ بلدیوسنگھ نے پونچھ کی تمام زیر کاشت زمینوں کے حقوق ملکیت اپنے نام محفوظ رکھے ہیں، ریاست پونچھ کے تمام کاشتکار ماسوائے چند سرکار پرست جاگیرداروں کے محض راجہ پونچھ کے مزارعے ہوں گے اور کوئی شخص اپنی زمین کو نہ تو کسی کے ماتحت کر کے فروخت کر سکتا ہے اور نہ دہن رکھ سکتا ہے۔

راجہ بلدیوسنگھ کی کوشش دراصل یہ تھی کہ سب سے پہلے زمینوں کی پیمائش کر کے ایک نظام مرتب کیا جائے اور اس کے بعد لوگوں پر ظاہر ہو کر وہ راجہ پونچھ کے مزارعے ہیں، لیکن راڈلاکوٹ میں دت سے پہلے ہی یہ ملازمت انیام ہو گیا اور تحصیل سدھنوی کے تمام لوگ (یعنی سبھن) بیچ دیا گیا، یہ بات کسی شخص کے لئے گوارہ نہ تھی کہ زمین کا مالک راجہ ہوا اور کاشتکاروں کے مالکانہ حقوق یکسر تلف کر دیئے جائیں مگر ڈوگرہ راجہ کے خلاف لب کشائی بھی آسان کام نہ تھا، جوہی راجہ بلدیوسنگھ کی سازش آشکار ہوئی تحصیل بارغ اور سدھنوی میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی، اس سلسلے میں سدھن قبیلہ کے ایک نامور سردار بہادر خان نے سدھنوں کے تمام سرکردہ لوگوں کا ایک جلسہ بلایا۔ اس جلسے میں فیصلہ کیا گیا کہ ڈوگرہ راجہ بلدیوسنگھ کی اس عیارانہ پالیسی کے خلاف باقاعدہ ایک تحریک کا آغاز کیا جائے، سردار بہادر خان انتہائی دلیرانہ اور بہادر سردار بننا چاہتے۔ جب انہوں نے اس تحریک کی قیادت خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا تو اس کے تمام قبیلہ نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ سردار بہادر خان نے اپنے قبیلہ سدھن کو متحد کرنے کے بعد تحصیل بارغ کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور یہاں کے سرکردہ قبائل ملدیاں، نارہ، ستید، گھگر اور غری بارغ سے ڈھونڈتیا تیریاں، جوتیل اور کھکھ وغیرہ نے بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور ڈھونڈت قبیلہ کے چند سرداروں نے ان کو اپنے علاقہ سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، شرقی بارغ میں ملدیاں قبیلہ کے سردار وسیم اراضیات کے مالک تھے اور اس حصے میں ان کی ۱۱۵۰ ہجڑا دیاں تھیں، بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ملدیاں قبیلہ

کے سرداروں نے نبرد اڑوں کی پروا نہ کرتے ہوئے سردار بہادر خان کی تحریک کا ساتھ دیا۔

سردار بہادر خان پوری سرگرمی سے ڈوگرہ راجہ کے خلاف سرگرم تھے، جب راجہ بلدیوسنگھ کو بہت چلا تو اس نے اپنے اہل کاروں کے ذریعہ سردار بہادر خان کو حملیاں دیں، منگرجہ حالات بہت سنگین سمجھ کر اختیار کئے تو راجہ نے اپنے خاص اہل کاروں کے ذریعہ سردار بہادر خان کو پیغام بھیجا کہ وہ اس تحریک سے دستبردار ہو جائیں اور اس کے صلہ میں ہمیں نہ صرف جاگیر دی جائے بلکہ ان کے ایک بھائی کو ریاستی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدہ پر تعینات کیا جائے گا لیکن سردار بہادر خان نے ڈوگرہ سرکار کی اس پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے تحریک کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ تعمیل سے مدد ملنے والے معززین کا ایک وفد لے کر ریڈیٹ کے پاس گئے تاکہ آئینی حق سے راجہ پر دباؤ ڈالا جائے، مگر انگریز ریڈیٹ نے اس معاملہ میں خاطر خواہ دلچسپی نہ لی۔ وفد کے اراکین نے جب اپنی پریشانی ظاہر کی تو ریڈیٹ نے کہا کہ یہ ریاست کا اندرونی معاملہ ہے۔ ڈوگرہ خاندان نے اس ملک کو برصغیر فتح کیا ہے، اراضیات کے بارے میں وہ جو قانون مناسب سمجھیں نافذ کر سکتے ہیں اس بارے میں انہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کشن رائے ریڈیٹ کے نام سفارش کر لی گئی، اس پر راجہ ریڈیٹ نے راجہ بلدیوسنگھ کے نام ایک خط لکھا تو راجہ نے بجائے معقولیت اختیار کرنے کے بہتم بند و بست اور سپر ٹنڈنٹ سرورڈ نارائن کو راولا کوٹ بھیجا تاکہ یہ کسی طرح سردار بہادر خان پر دباؤ ڈال کر اسے تحریک سے دستبردار کر سکیں۔

راجہ کے ان اعلیٰ اراکین نے راولا کوٹ آکر کافی سازشیں کیں مگر حقوق ملکیت کے لئے یہاں کا ہر فرد بٹرس مینے سپر تھا۔ مذکورہ اہل کاروں نے سرداری وغیرہ کا لالچ دے کر کچھ لوگوں کو اپنا حامی بنایا مگر اس کے باوجود لوگ سردار بہادر خان کے ساتھ تھے۔

اس دوران سردار بہادر خان نے راجہ بلدیوسنگھ کے اس جارحانہ رویہ کے خلاف بائی کوٹ لاہور میں باقاعدہ مقدمہ دائر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سردار بہادر خان اپنے چند مخصوص معاونین کے ہمراہ لاہور پہنچے اور راجہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا مگر اس وقت انہیں کچھ کاغذات کی ضرورت پڑی جو وہ ساتھ نہیں لے جاسکے تھے، وہ ضروری کاغذات لینے کے لئے گھر روانہ ہوئے مگر اچانک ہی راولپنڈی کے نزدیک سترہ میل کے قریب وفات پانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈوگرہ راجہ نے سردار بہادر خان کو ختم کرنے

کے لئے اپنے خصوصی ننگو اران کے تعاقب میں لگا رکھے تھے، سترہ میل کے مقام پر راجہ انہیں موقع ملا تو انہوں نے کسی طرح سردار بہادر خان کو گزیرے دیا۔ سردار بہادر خان جب راجہ کے خلاف مقدمہ دائر کرنے روانہ ہوئے تھے تو انہوں نے حلف لیا تھا کہ جب تک میں ڈوگرہ راجہ بلدیوسنگھ سے اہل پونچھ کے لئے اراضیات کے مانگ نہ حقوق نہ لے لوں چین سے نہ بیٹوں گا اور اگر اس سے پہلے میں مر گیا تو میری قبر اس ملک میں نہ بنائی جائے۔

سردار بہادر خان کی وفات کے بعد اس تحریک کو ملّا نعتوان خروہ پناچوکر اس کے تادم اور درجہ رواں دی تھے لیکن ان کے بعد ان کے گئے بھائی اور دوسرے کئی مددگاروں نے مقدمہ کی پیروی کرتے رہے اور بالآخر مسلمانان پونچھ کو اراضیات کے مانگ نہ حقوق مل کر رہے۔ ڈوگرہ خاندان کے خلاف سرزمین پونچھ میں یہ پہلی منظم تحریک تھی۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اسی کشمیر کی وادی کے لوگ اپنے حقوق کے بارے میں بیدار رہنے نہ چہوتے تھے۔ اس تحریک نے کشمیر کی وادی میں بھی ہلچل مچا دی اور اس کے بعد وادی کشمیر کے مسلمانوں نے بھی ڈوگرہ سرکار کے خلاف لب کشائی شروع کر دی۔ یہ ادب بات ہے کہ کشمیر کی وادی میں کئی سالوں تک کی کاشتکاروں کے بین کے مانگ نہ حقوق حاصل نہ ہوئے تھے۔

راجہ بلدیوسنگھ کی تعمیری ترقی

ہم بتائے ہیں کہ ڈوگرہ خاندان نے اس سرزمین کو بڑی ترقی دینی چاہی تھی مگر کھانا تھا اور اس خیال سے وہ یہاں من ملنے قوانین نافذ کرتے رہتے تھے لیکن اس کے باوجود راجہ بلدیوسنگھ نے اس ملک کی تعمیری ترقی کی طرف توجہ دی، کشمیر کے ساتھ باقاعدہ جہندہ کی بعد جب ریاست پونچھ کو باقاعدہ ایک ریاست کی حیثیت حاصل ہو گئی تو اس کا ایک ریڈیٹ الگ مقرر کر دیا گیا اور یہ عہدہ بہتم بند و بست سرپرہن کو ہی تفویض ہوا۔

ان ہی دنوں راجہ بلدیوسنگھ نے سفر کی حیثیت سے خواجہ حبیب جو کوچوں کا گھر ریاست کی طرف سے گورنر ہند کے دربار میں حاضری دے۔ اس وقت لاہور میں ایک دہریہ کو بھی خواجہ حبیب جو کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس کے بعد دیوان حکم چند پوری کو ترقی دے کر خواجہ حبیب جو کی جگہ گورنر پونچھ مقرر کیا گیا تھا۔

ان تقریروں کے بعد راجہ بلدیوسنگھ نے ملک کی تعمیری ترقی کے لئے ایک منصوبہ مرتب کیا

اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے جب محکمہ پبلک ورکس کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو کئی انگریز انجینئر برطانوی ہند سے پونچھ بلائے گئے، پونچھ میں اس وقت آمد و رفت کے لئے نہ جلیق تھی، نہ ٹرکس تمام پگڈنڈی تھیں، راجہ بلدیوسنگھ نے کچھ سڑکوں کی تعمیر کا کام پہلے شروع کر لیا کیونکہ اس وقت راجہ شیر بھی سڑکیں بنوا رہا تھا۔ پونچھ کو جوں و سبھا کوٹ کے ساتھ ملانے والی سڑکوں کا کام شروع کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک سڑک پونچھ کے کشمیر کی طرف بھی نکالی گئی تاکہ کشمیر کے ساتھ بلقاعہ تجارتی روابط قائم ہوں۔

ان دنوں بابو دیو سنگھ وزیر اور ہری پرشاد چیف نج بھی اپنی اپنی مدت ملازمت پوری کر کے سبکدوش ہو چکے تھے، راجہ نے ان کی جگہ میاں فیض محمد کو چیف نج اور شیخ شہاب الدین کی جگہ سردار محمد اکرم خان عباسی سنگھ چیمائی تحصیل بان کو پیر ٹنڈٹ مقرر کیا اور وزارت کے لئے خان بہادر محمد بخش خان کو بلا لیا گیا، میاں فیض محمد کے بعد پنڈت پیارے لال کو ریاست کا چیف نج مقرر کیا گیا۔

تحصیل بانا، سدھوتی، ہنڈرا و جہلی وغیرہ کے مرکزی مقامات پر برطانوی سکولوں کا قیام بھی اسی عہد میں عمل میں لایا گیا تھا، اس سے پہلے ریاستی محصولات کا ٹھیکہ دیا جاتا تھا راجہ بلدیوسنگھ نے ٹھیکہ ختم کر کے باقاعدہ ٹیکس قائم کیا اور اس کا نگران اعلیٰ خواجہ عبداللہ جو کہ بنایا گیا، ابتدائی دو برس راجہ نے ہر دو تیس مختصر عملہ رکھا تھا مگر جوں جوں کام بڑھتا جاتا تھا سرکاری عہد میں بھی بتدریج اضافہ کیا جاتا تھا لیکن یہ بات بھی افسوسناک تھی کہ مسلمانان ریاست کی اکثریت کے باوجود معین سرکاری ملازم یا تو جوں کے ڈو گئے تھے یا پنجاب کے مختلف شہروں سے ہندو بلائے جاتے تھے۔

سرزمین پونچھ ایک ایسا پہاڑی خطہ ہے جہاں معدنی وسائل برائے نام بھی نہیں اور یہاں سرکاری کھدائی کا تمام تر زور و مدار جنگلات کی کٹائی پر ہے، راجہ بلدیوسنگھ نے ریاست کے دفتری نظام کو باقاعدہ مدد و مرتب کیا تو ایک محکمہ جنگلات بھی قائم کیا تاکہ سرکاری جنگلات کی نگہداشت کی جاسکے، لیکن اس دفتر کے لئے بھی تمام عملہ پنجاب وغیرہ سے ہی منگایا گیا۔

راجہ بلدیوسنگھ کو شکار کا یہ عہد شوق تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے پونچھ مشہور کا ایک قریبی علاقہ بنایا تھا اور اس کو کئی آبادی کا شکار گاہ کی حیثیت حاصل تھی، راجہ کی دعوت پر جب ہندوستانی دنیا سستوں کے نواب اور دہانی شکار کے لئے آتے تو پوری ریاست کے مسلمانوں کو کئی آبادی کے مقام پر چاہڑ

کے لئے بلایا جاتا اور پچارے مسلمان کئی کئی دن کا سفر کر کے راجہ کو شکار گھیلانے جاتے، چاہڑے مزادیر عقیل مسلمان چاروں طرف سے دیکھوں، جیتوں اور شیروں کو گھیر کر راجہ کے سامنے لاتے اور راجہ اور اس کے معزز بہان محفوظ مقامات سے جو کہ ہندو تھیں داغے، چاہڑے دوران اکثر مظلوم مسلمانوں کی جانیں بھی ضائع ہو جاتی تھیں کیونکہ گھیر توڑ کر جو ب شیر، ریکھو اور جیتے بختے تو دو چار مسلمانوں کی جانیں لے لیتے، چاہڑے ایک طرح کی بیگار تھی کیونکہ اس کا کوئی معاوضہ نہ تھا اور جو ریاستی مسلمان چاہڑے کے لئے پس و پیش کرتا اسے سرکاری اہل کار سمیت سزا دیتے تھے، جب لارڈ کینز علی آباد کے مقام پر شکار کھیلنے آیا تو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان چاہڑے کے لئے بلائے گئے تھے اور اس دوران کئی آدمی شیروں کا شکار ہوئے۔

کشمیر کے ہمارے پرنسپل سنگھ کے ہاں چونکہ اولاد زرینہ نہ تھی اس لئے برطانوی حکومت کی منظوری سے اس نے راجہ بلدیوسنگھ کے بیٹے جگدیس سنگھ کو اپنا متبنی بنالیا تھا اس کا اعلان لارڈ منٹگن نے اس وقت کیا تھا جب وہ راجہ بلدیوسنگھ کی دعوت پر شکار کھیلنے آیا تھا۔ اس اعلان کے فوراً بعد دو سال کی عمر میں جگدیس سنگھ کو خراجوں پہنچایا گیا تاکہ اسے ہمارے جہ کی تحویل میں دیا جائے۔

راجہ موتی سنگھ کی بہت سی جائیداد راولپنڈی، گوجرانوالہ، بہنم، گجرات، وزیر آباد لاہور وغیرہ میں تھی اور لارڈ پینڈی مشہور کا تو تقریباً نصف حصہ اسی راجہ کا تھا، اس کے علاوہ راولپنڈی میں پونچھ ناؤس کے نام سے ایک دست بنگلہ تھا، راجہ بلدیوسنگھ نے اس بیرونی جائیداد کی نگرانی کے لئے بھی ایک محکمہ قائم کیا۔

۱۹۱۷ء میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو پونچھ کے مسلمانوں نے جوق و جوق برطانوی فوج میں شمولیت جو نا شروع کیا، اس وقت اس ریاست کی کئی آبادی پونے چار لاکھ تھی مگر اس کے باوجود ۳۰ ہزار مسلمان نوجوانوں نے جنگ عظیم اول میں حصہ لیا اور ان میں ۲۲ ہزار نوجوان صرف مدینہ قیبلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ قیبلہ کے شہزادہ خان محمد خان نے اس جنگ میں شمولیت کی تھی، مسلمان نوجوانوں کی اس زندہ دلی اور شجاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی سرکار کے ہاں راجہ بلدیوسنگھ کا وقار بہت بلند ہو گیا اسے ۱۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو جبراً حاکم بنایا گیا اور اس کے اعزاز میں ۹ فروری کی سلائی مقرر کی گئی۔ راجہ بلدیوسنگھ نے اس جنگ میں ۱۳ لاکھ ۲۴ ہزار روپے برطانوی سرکار کو بطور صلہ دے دیئے تھے۔

مسلمان نوجوانوں کی بے مثال بہادری کے سبب راجہ بلدیوسنگھ نے برطانوی سرکار سے اعلیٰ اعزازات

حاصل کیے لیکن یہ بات افسوسناک ہے کہ اس دور میں جی جن بہادر سپاہیوں کو برطانوی سرکار کی طرف سے مرہ جات ملے راجہ بلدیہ سنگھ نے نژادہ مرہ جات خود دیئے اور نہ ہی برطانوی حکام کو دینے دیئے بلکہ اس معاملے میں تعصب کا شکار ہو کر رہ گیا۔

راجہ بلبر جسٹس کے عہد حکومت میں جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پونچھ کا دورہ کیا تو اس خدمت کے عوض ریاست پونچھ کے کئی اعلیٰ اہل کوشا دیات خان بہادر و رائے بہادر عفا کئے جس میں خان بہادر منشی احمد دین، سردار محمد اشرف خان، سردار محمد اکرم خان عباسی، خواجہ عبداللہ جبر، لالہ گوپال، لالہ کنند لال، مہر گمان چند، لالہ برکت رائے اور سردار احمد سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

راجہ بلہ یوسف سنگھ نے سات شادیاں کی تھیں مگر ہر سال کی عمر تک اس کے ہاں اولاد فرمیںہ نہیں ہوئی تھیں۔
سال بعد ایک رانی کے بطن سے ہم روکے پیدا ہوئے جن کے نام بگڑیوسف سنگھ، سکھ دیوسنگھ، پتھر دیوسنگھ اور
پدم دیوسنگھ تھے۔

راجہ بلدیہ سنگھ کے عہد میں مسلمانوں میں تبلیغی شعور پیدا ہو چکا تھا اور ان کی رفعت تعلیم و تعلیم کی طرف بھی ہو چکی تھی، چنانچہ جب کہ شاہزاد مسلمانوں نے سن کر پونچھ کے صدر مقام پانچنچن اسلام آباد کو بھیجا اور رکھا اور مسلمان طالب علموں کے دینی درس کا اہتمام کیا تو راجہ بلدیہ سنگھ نے اس درس گاہ کے لئے ۸ سو روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اسی راجہ کے عہد حکومت میں ریاست پونچھ کی چار تحصیلوں بہنر، جوہی، سرگودھا اور بانا کا سنگ بنیا د رکھا گیا اور دفاتر کے لئے باقاعدہ عمارتیں تیار ہوئیں جو تحصیل کی عمارتیں کہلاتی تھیں، راجہ بلدیہ سنگھ کے عہد میں خان بہادر رحیم بخش خان، لالہ سنگھ رام، رائے صاحب پنڈت راوہا میں پنڈت جناورہن زشتی، سردار بہادر جگت سنگھ اور بالو بروج لال، وغیرہ کے بعد نگرے وزارت علی کے عہد پر فائز ہوئے۔

۱۹۴۶ هجری تا ۱۹۸۴ هجری

راجہ بلدیو سنگھ کے مرنے کے بعد اس کے اہل ذریعہ نے تین سو پانچ سو روپے کے لئے ایک زمین خریدی اور اس میں ایک مسجد بنوائی۔ اس مسجد کے نام سے اس مسجد کو "مسجد بلدیو" کہا جاتا ہے۔ اس مسجد میں ایک دروازہ ہے جس کے نام سے اس مسجد کو "مسجد بلدیو" کہا جاتا ہے۔ اس مسجد میں ایک دروازہ ہے جس کے نام سے اس مسجد کو "مسجد بلدیو" کہا جاتا ہے۔

تیز تعلیم ہی تھا کہ اس کے باپ نے رحلت کی، اس کے بعد جب اسے راج ٹک دی گیا تو اس نے تعلیم جاری رکھی اور اس کی جگہ ایک انگریز پرنسپل رینڈیٹ مقرر ہے۔ ایک انڈرس اور حکومت انجام دیتا رہا۔ اس وقت خان بہادر چوہدری محمد یونس وزیر پرانچھی انڈرس کا معاون تھا لیکن تمام ملکی اختیارات انڈرس کے ہاں تھے۔

جب راجہ سکھ پرست سنگھ نے جنس کاٹ سے فارغ ہو کر ملکی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر قواہ عامہ کے لئے کافی کوشش کی اور با مخصوص مسلمانوں کی خلاف ورزی کے لئے کوشش کرتا رہا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی رغبت مسلمانوں کی طرف زیادہ تھی، لیکن درحقیقت راجہ سکھ پرست سنگھ طبی طور پر عیاض تھا اور اس نے اپنے ان لوازم کی فراہمی کے لئے چند ذیل قسم کے لوگوں کو اپنا کمار بنا رکھا تھا۔ جو اسے ادھر ادھر سے عیاضی کے سامان مہیا کیا کرتے تھے اس وجہ سے راجہ سکھ پرست سنگھ کی رغبت مسلمانوں کی طرف زیادہ تھی کیونکہ اس کے زیادہ تر قریب ہی ایسٹ قسم کے لوگ تھے اور عام مسلمان اس سے یہ تاثر لیتے تھے کہ راجہ سکھ پرست سنگھ مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے حالانکہ یہ بات قطعی غلط تھی۔

راجہ سکھ دیوسنگھ کے زمانہ میں دربار کشمیر کی طرف سے راجہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا گیا، چند دہاسیائیوں کے ذریعہ کشمیر پر مارنے والے راجہ سکھ دیوسنگھ کو یہ خوف دینے شروع کیا کہ وہ اپنی ریاست کو کشمیر کے ساتھ ملحق کر ڈالے تاکہ حکومت کشمیر اس کی باقاعدہ سرپرستی کرے۔

جب اس سازش کی اطلاع ریڈیٹ پونچھ اور یہاں کے اعلیٰ افسر کو چوتی تو انہوں نے راجہ بلدی سنگھ کو سزورہ دیا کہ وہ بجائے کشمیر و بار کی سرحدستی قبول کرنے کے برطانوی سرکار کی سرحدستی میں ہی رہے۔ انکس نے برطانوی ریڈیٹسی اٹھو اگر خود کو کشمیر و بار کی نگرانی میں دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی انفرادی حیثیت کو کشمیر کی ریاست میں مدغم کر لیا ہے، کشمیر و بار بالخصوص ہمارا جہ پرتاب سنگھ کی طرف سے جو کہ ہمارا تھا اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ چونکہ ہمارا جہ پرتاب سنگھ راجہ سکھ پر سنگھ کے دو سرے بھائی جگنادر سنگھ کا بیٹا تھا۔ ادھر ہمارا جہ پرتاب سنگھ کا بھتیجا امر سنگھ کا بیٹا ہری سنگھ بھی اب جوان تھا اور وہ حتی المقدور دکر کشش کر رہا تھا کہ کہیں پرتاب سنگھ کے بعد اس کا بیٹا کشمیر کی حکومت کا بھی دعویدار نہ بن بیٹھے۔ اس خضرہ کے پیش نظر ہری سنگھ نے منصوبہ تیار کیا کہ ریاست پونچھ سے برطانوی ریڈیٹسی اٹھو اگر اس کی آئینی حیثیت ختم کر دی جائے تاکہ یہ ریاست کشمیر کا ایک حصہ تصور ہو، اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جب اس نے مختلف عناصر کو اپنے ماتہ

میں یا تو راجہ سکھ یوسنگھ نے ریڈیٹسی اتحاد دینے کی حامی بھر لی۔ ریڈیٹسی اتحاد گئی۔ لیکن جب راجہ سکھ یوسنگھ کو اس پالابازی کا پتہ چلا تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے اپنی ریاست کو دوبارہ برطانوی سرکاری سرپرستی میں دینے کی کوشش کی اور ریاست پونچھ کے چند عائدین مثلاً پیر حاتم اللہ اور سردار محمد اکرم خان سیاسی وغیرہ کے دستخطوں سے ایک درخواست دائر کر کے ہند کے نامور لائے وکٹو بھائی کا حیا بی کے اٹلی آئیں گے پڑ گئیں۔ وائسرائے ہند نے جب وہ درخواست دیکھی تو پتہ چلا کہ راجہ سکھ یوسنگھ کو اس سال کی توہری سکھ کے مشورہ سے پتہ چلا کہ راجہ سکھ یوسنگھ نے سکھ یوسنگھ کو اپنے پاس بلا کر سخت سست کہا، کہتے ہیں کہ اس وقت ہری سنگھ بھی موجود تھا اس نے راجہ پونچھ کے سینہ پر ہتھ رکھ کر کہا فوراً ان عائدین کی جلا وطنی کے احکامات پر دستخط کرو جن کے دستخطوں سے وائسرائے ہند کو درخواست ارسال کی گئی ہے، جب خوف کے مارے راجہ سکھ یوسنگھ نے دستخط کر دیے تو فوراً ان لوگوں کو ریاست بدر کر دیا گیا اور راجہ سکھ یوسنگھ کو نا اہل اور نا تجربہ کار قرار دے کر کپٹن ٹی۔ آر۔ جونز، ڈاکٹر رام گوپال اور ٹھاکر ناتھ سنگھ کی محبت میں یورپ بھیجا گیا تاکہ یہ حکمرانی کے مزید تجربات حاصل کرے۔

راجہ سکھ یوسنگھ کو یورپ بھیجنے کے بعد ریاست پونچھ میں ان تمام افسروں کی سریننگ کی گئی جو راجہ کو دوبارہ ریڈیٹسی قائم کرنے کا مشورہ دے رہے تھے، ان تمام کو ایک قلم منسوخ کر کے دیا گیا۔ راجہ پونچھ پتہ پونچھ کے لوگ سرکاری مشینری میں داخل کئے، خواجہ عزیز الدین کی خدمت حکومت برطانیہ ہند کو واپس کی گئیں، خان بہادر چہدری محمدی کی جگہ پرنٹ انٹ رام کو پونچھ کا وزیر مقرر کیا گیا۔ خان بہادر احمد دین کو سیکرٹری کے عہدہ سے معزول کر کے اس کی جگہ کو راجہ سکھ کو دی گئی۔ ایگزیکٹو کونسل ایک مسلمان تھا اسے معزول کر کے اس کی جگہ چندر لال کو متعین کر دیا گیا اور خواجہ عزیز الدین کی جگہ عظیم حسین کو دی گئی۔ اس وقت ریاست پونچھ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مفتی محمد رفیع تھے انہیں بطرف کر کے ان کی جگہ پرنٹ لکھی چند کو متعین کیا گیا۔

لہ کہا جاتا ہے جس زمانے میں پرس آف ویز جنرل آیا اس زمانے میں ہمارا راجہ ہری سنگھ نے یہ کوشش کی تھی کہ پونچھ کی الگ ریاستی حیثیت کو ختم کر کے اسے ایک جائے کے طور پر کشمیر کے ساتھ ملا کر دیا جائے اور پونچھ کی ریڈیٹسی پرس آف ویز کی سفارش پر ہی اٹھائی گئی تھی۔

غرضیکہ تمام مسلمان عہدیداروں کو موقوف کر کے ریاست پونچھ کی انتظامیہ پر ہندوؤں، پٹنوں اور ڈگریوں کو مسلط کیا گیا۔ اور ۱۹۱۵ء کو جب پتہ پونچھ کی جگہ ہری سنگھ برسرِ اقتدار آیا تو اس نے پونچھ کی انتظامیہ پر کڑی نگاہ کشی شروع کی تاکہ مسلمان نہ آگے بڑھ جائیں۔ ۱۹۲۲ء کو راجہ سکھ یوسنگھ یورپ سے واپس آیا لیکن اس کے دورانیہ وفات پانچواں کہا جاتا ہے کہ ہری سنگھ کو اس سے نفرت تھی اور اس نے اس کو زہر دے کر مروادیا تھا تاکہ جلد از جلد پونچھ کی راجہ گدی راجہ جگد یوسنگھ کو ملے اور ہری سنگھ کو کوئی خطرہ نہ رہے۔

راجہ جگد یوسنگھ ۱۹۰۷ء بکری

راجہ جگد یوسنگھ ۱۹۰۷ء کو مقام لاہور پیدا ہوا تھا۔ اس کی تعلیم بھی چیفس کاغہ اجیر میں مکمل ہوئی تھی، تعلیم سے فارغ ہو کر اس نے ٹوٹ پورہ ضلع کا ٹیچر کے بعد ڈال خانڈن کی ایک لڑکی سے شادی کی اور اس کی شادی کے تمام مصارف ہمارا راجہ پتہ پونچھ نے اس دہے سے برداشت کئے تھے کہ یہ اس کا مقبلی تھا۔

راجہ جگد یوسنگھ جو میں رہائش رکھتا تھا جب اس نے راجہ سکھ یوسنگھ کی جگہ کا دوبارہ حکومت سنبھالا تو اس نے جوں کی سختی ترک کر دی اور پونچھ چلا آیا۔ ان دنوں موتی محل کی تعمیر آخری مرحلہ پر تھی، جب اس عظیم شان محل کی تعمیر مکمل ہوئی تو راجہ جگد یوسنگھ نے اسے رونق بخش دی۔

راجہ سکھ یوسنگھ کے زمانے میں ہری سنگھ سے جو بنائے خاص متعلق تھے وہ بدستور جاری رہی اور ریاست پونچھ کی انتظامیہ پر وہی لوگ تابع رہے جو زیادہ تر ہری سنگھ کے فداوار اور خیر خواہ تھے، ہمارا راجہ ہری سنگھ کی رات دن یہ کوشش رہتی تھی کہ راجہ جگد یوسنگھ اس کا میلن و فرمایہ دار رہے، مگر جگد یوسنگھ کے رگ دے میں ہی ڈوگرہ خون تھا وہ بظاہر ہری سنگھ کا بیحد فداوار تھا مگر درپردہ وار کر پیتا تھا۔

راجہ موتی سنگھ کے زمانے میں جن سود

سود خور ہندوؤں کے خلاف ہنگامہ خور ہندو تاجروں کو ایک مخصوص مقصد کے لئے پونچھ لایا گیا تھا ان کا اولاد نے اب یہاں تک ترقی کر لی تھی کہ پوری ریاست کی تجارت پر چھائے گئے اور تعمیل حوی و ہندوؤں میں تو انہوں نے یہاں تک جڑیں مضبوط کر لی تھیں کہ یہاں کے

تمام مسلمان ان ہی کے رحم و کرم پر تھے۔ ان حرام خوردوں نے تبارک میلن میں اپنی بد معاشی اور بیاری کے جال اس فنکارانہ انداز سے پھیلارکھے تھے کہ کوئی مسلمان بھی نہ بچ سکا تھا، انہوں نے پہلے سود و سود کے پکڑیں مسلمانوں کو اٹھایا اور اس طرح جب تمھیں حوی اور ہندو کے مسلمان مقروض ہوئے اور سود بڑھتا گیا تو ان سا جو کاروں نے ڈوگرہ راجہ جگد یو سنگھ کی پشت پناہی میں لوگوں کی تمام ارضیات گروہ سے لیں اور مسلمان نہ صرف ان کے مقروض بلکہ مزاحم ہو گئے، ان کا طریق کار بے حد عجیب و غریب تھا، یہ پہلے کسی مسلمان کو معمولی سی رقم کی اشیا نے خوردنی ادویہ دیدیتے تھے اور اس پر ایک معمولی شرح سود کی مقرر کرتے تھے۔ اصل رقم جو ان کی توں بڑھتی تھی وہی قدر زیادہ دیتے تھے اور اس پر ایک معمولی شرح سود تھے۔ اگر کسی ماہ کوئی قرض مسلمان سودا دار نہ کرے تو ہر ماہ کے طور پر رقم دیتی کر دیتے تھے۔ اس طرح جب ایک مسلمان قرض بھردہ ہو جاتا تو یہ فوراً سرکاری پشت پناہی سے اس کی زمین ڈگری لگا کر اس پر قبضہ کر لیتے اور وہ زمین اس شخص کو حصہ پر دیدیتے تھے۔ اس زمین سے جو فصل پیدا ہوتی اس کا تیسرا حصہ کاشتکاری کے عوض مالک کو دیتے اور بقیہ غلہ خود سنبھال لیتے اور پھر وہ غلہ سود پر مسلمانوں کو تقسیم کر دیتے، غلہ کا صاحب یہ تھا کہ اگر کسی مسلمان کو دامن مٹی، گنبد یا دھان دیں گے تو دوسرے سال فصل پرائس سے چاکڑیں وصول کریں گے اگر کوئی مسلمان ادانہ کر کے تو اس سے اگلے سال آٹھ من۔ اس طرح ان کا عمل بڑھتا جاتا تھا اور بالآخر مسلمان اپنی زمین ہجائیں کے حوالے کر دیتا تھا۔ ڈوگرہ سرکار کے اہل کاروں نے ایک منصوبہ کے تحت ان ہجائوں کی پشت پناہی شروع کر رکھی تھی۔ اگر کوئی ساہوکار کسی مسلمان مقروض کی زمین قرق کرنا چاہتا تو حکومت کے اشارہ سے فوراً غیر ملکی کارروائی کر کے مسلمان کی زمین ہجائیں کے حوالے کی جاتی اور مسلمان پیارہ ہجائیں کا مزارعہ ہو کر رہ جاتا۔

اس زمانے میں سردار فتح محمد خان کرپوی پولیس میں حوالدار تھے اور پھلوڑے کو ریس پاس کر آئے تھے انہوں نے جب اپنی ترقی کے لئے کوشش کی تو ڈوگرہ ہنگاموں نے انہیں موقع نہ دیا اور یہ دل برداشتہ ہو کر مستعفی ہو گئے اور اس کے بعد ڈوگرہ سرکار کے خلاف انہوں نے ایک زبردست مزاحم کر لیا، یہ اپنے علاقہ کے بااثر فرستے، جب انہوں نے ڈوگرہ جو دوسم کے خلاف آواز بلند کی تو خود بخود ہندوؤں کے ہاتھوں لٹے ہوئے تمام مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور اس طرح ان کی طاقت کافی مضبوط ہو گئی۔ سردار فتح محمد خان نے جب ان مظلوم مسلمانوں کی زبانی ساہوکاروں اور ہجائیں

کے ظلم و ستم کی داستان سنی تو انہوں نے اپنی تحریک کا مرقع ان کی طرف موڑ لیا اور انہوں نے پھر اسود خوردوں سے مقروض مسلمانوں کی گھو خلاصی کرنا چاہی۔ مقروض مسلمان موقع کی تاک میں تھے جو بھی انہیں شہ ملی انہوں نے مل کر ہجائوں کے مکانات اور دکانیں نذر آتش کرنی شروع کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندو راجہ راجوہی کے بعض مقامات فسادات کی زد میں آ گئے۔

جب چاروں طرف عار و دھار شروع ہوئی تو اسٹ پٹ کر تمام سود خورد پوچھ مشہر میں جمع ہو گئے اور اس طرح شہر کی گلی، راجہ جگد یو سنگھ اس قدر غور و فکر اور پریشان ہوا کہ موتی مل سے نکل کر قلعہ میں پناہ لگ گئے چونکہ ان کے سود خورد ہجائوں نے یقین دلادیا تھا کہ سردار فتح محمد خان کرپوی، سردار خرد خان سردار منصور خان اور سردار کالا خان اپنے اپنے جھگڑے کر پوچھ مشہر پر قبضہ کرنے کے لئے آرہے ہیں، ساہوکاروں اور مہاجنوں کا جو گروہ پوچھ کے شہر میں داخل ہوا تھا اس کے بعض افراد نے ہندو اخبارات میں بڑے سنسنی خیز مضامین شائع کرائے جن میں سردار فتح محمد خان کرپوی اور ان کے ساتھیوں کو شیرے، ڈاکو اور قاتل ٹاہر کیا گیا اور یہ تاثر دیا گیا کہ یہ لوگ ریاست پوچھ پر اپنا راج قائم کرنے والے ہیں۔

ان واقعات کا علم جب ہمارا راجہ ہری سنگھ کو ہوا تو اس نے جارج ڈین نامی ایک انگریز کی قیادت میں ڈوگرہ فوج کا ایک دستہ پوچھ روانہ کیا تاکہ فسادات پر قابو پایا جاسکے، جب جارج ڈین فوج نے کرپوچھ آیا تو اس نے دیکھ کر شور و ادواں اٹھانے والے ہندو مہاجن تو ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں مگر ان کے مقابلہ میں مسلمان بالکل ہی ہتھیار ہیں، جارج ڈین نے پس و پیش کی لیکن اس کے باوجود راجہ جگد یو سنگھ کے کہنے پر اس نے ان مقامات کا دورہ کیا جہاں مکانات جلانے گئے تھے، جو وہی ڈوگرہ فوج تحصیل ہندو راجوہی میں داخل ہوئی ان سے مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کر دیئے، مگر قاریاں شروع ہوئیں تو سردار فتح محمد خان کرپوی اور ان کے ساتھیوں کو فسادات کا ذمہ دار قرار دیا گیا اور انہیں پابہ زنجیر عداوت میں پیش کیا گیا لاکھاپنیں ڈاکو، قتل اور آتشزدگی کے الزام میں سزائے موت دی جاسکے۔ ان دنوں سردار فتح محمد کرپوی تحصیل ہندو راجوہی وغیرہ میں بے حد مقبول ہو چکے تھے اور ان مقامات کے مسلمان ان کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھے۔ راجہ پوچھ نے اس تاریخی مقدمہ کی تحقیقات کیے ایک فلنچ مقرر کیا تھا جس کا سربراہ گنگرام نامی چیف جج تھا گیسر دار محمد ایوب خان نے ان تمام ملزمین کو یہ کہہ کر ہی کر دیا کہ اگر انہیں سزا دی گئی تو عوام ریاست مشتعل ہو جائیں گے اور ملک میں قتل عام شروع ہو جائے گا، کہا جاتا ہے کہ راجہ جگد یو سنگھ

سردار محمد ایوب خان عباسی کو سخت چڑھ گیا کہ وہ ملزموں کو سزا دے مگر جب سردار محمد ایوب خان نے حالات کی سنگینی سے راجہ کو گاہ کیا تو راجہ نے خاموشی اختیار کر لی لیکن سردار فتح محمد کیلوی اور ان کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جو چرمکانات جلائے گئے ہیں ان کی از سر نو تعمیر کرائی جانی چاہیے اس پر سردار فتح محمد خان کیلوی اور ان کے ساتھی بھی رضامند ہو گئے۔

مسلمانان پونچھ کے مطالبات

مسلمانان ریاست پونچھ کی باقاعدہ سیاسی تحریک اس وقت شروع ہوئی تھی جب سردار بہادر علی خان نے حقوق ملکیت کے لئے آواز بلند کی تھی، اس وقت اگرچہ اس تحریک کی غرض وغایت صرف یہ تھی کہ کسی طرح راجہ جیلو سنگھ پر دباؤ ڈال کر مسلمانان ریاست پونچھ کو اراضیات کے مارکاہ حقوق دلائے جائیں۔ وہ تحریک سردار بہادر علی خان کے بعد دو گئی تھی لیکن اس وقت یہ ہے کہ مسلمانان پونچھ نے ڈوگرہ راج کے خلاف بولنا سیکھ لیا تھا اور وہ سکوت ٹوٹ چکا تھا جو ۱۹۳۲ء کے بعد مسلسل اور متواتر جاری چلا آتا تھا، حقوق ملکیت کی تحریک کے بعد جب وادی کشمیر کے مسلمانوں نے اپنی سیاسی تحریک کا آغاز کیا تو مسلمانان پونچھ بھی ان کے دوش بدوش آگے بڑھتے گئے۔

جب سو دو خیر ہندوؤں کے خلاف ہندو ہیں آواز اٹھی تو اس وقت پونچھ میں سیاسی شعور رکھنے والے لوگ بہت کم تھے لیکن چند سالوں بعد یہاں سیاسی کارکن پیدا ہو گئے اور اب پونچھ میں ڈوگرہ راج کے خلاف باقاعدہ ایک محاذ قائم ہو گیا۔

اس وقت تحصیل سہ منوئی اور تحصیل بانہ میں جو لوگ سیاسی شعور رکھتے تھے ان میں سردار خان محمد خان آف پٹنہ، مولوی غلام حیدر خان جٹلوی، سید احمد شاہ گریزی آف ہلی سترنگ، مولوی محمد علی خان کٹھن گڈی، ہنسی خرد علی خان، مولانا امیر غلام خان کٹھن گڈی، سردار گل احمد خان آف سہ منوئی، سردار محمد شیر خان، سردار جہاں خان، آر۔ ایس محمد علی خان، سردار امیر گل خان عباسی، سردار عبداللہ خان ٹوپی، سردار غلام شاہ خان آف بھنگوں، سردار گل احمد خان آف گھنٹل دان کے اور چند ساتھی۔ یہی شاہ گریزی خیر قاضی تھے۔

۱۔ سردار فتح محمد خان کیلوی بقید حیات ہیں، لیکن چونکہ انہیں اس بات سے اختلاف ہے کہ ان کو ان کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں اور درحقیقت سردار صاحب کی سیاسی زندگی کا ابتدائی اس واقعہ کے بعد ہی

متذکرہ بلا سیاسی کارکنوں نے جب ابتدائی دور میں ملک کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینی شروع کی تو دیکھتے ہی دیکھتے تحصیل سہ منوئی اور بانہ میں سیاسی کارکنوں کی ایک کمیپ پیدا ہو گئی جس نے آگے چل کر ملک کی سیاسی تحریکوں میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۳۲ء کے شروع میں سردار خان محمد نے (جو غلامی کاموں میں بعد سرگرم تھے) مسلمانان پونچھ کے سرکاری ادراہم مطالبات کی ایک طویل فہرست مرتب کی تاکہ راجہ پونچھ سے یہ مطالبات منوائے جائیں، انہوں نے جن اہم امور کی طرف راجہ کی توجہ مبذول کرائی تھی وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) مجلس قانون ساز اہمیلی میں باشندگان پونچھ کے مسائل حل کرنے کی سفارشات کی جائے۔
- (۲) محکمہ مال کے ماتحت حقوق ملکیت اراضیات بجائے حق اسامی کے حق ملکیت درج کیا جائے۔
- (۳) توسیع کاشت کے حقوق زمینداروں کے نام داگنا کئے جائیں۔
- (۴) اراضیات کی دس اور بیس فرسٹ ہندی میں محدود رکھی جائے یعنی مسلمانوں کی زمین مسلمان اور ہندو کی زمین ہندو ہی دس و بیس لے سکیں۔
- (۵) مزدور و عہدہ فاصلہ جو کاب میں درج ہے اسے نوٹور کرنے پر حصول اجازت کی پابندی اٹھائی جائے
- (۶) کاپ، چواندہ و رقبہ جات جولا علی کے باض بندوبست میں زمینداروں کے نام درج نہیں ہو سکے بلکہ رقبہ عطا کئے جائیں۔
- (۷) ترقی صرف مسلمانوں سے ہی لی جاتی ہے جو انباری پٹنہ ہے ازراہ کرم موقوف کی جائے۔
- (۸) گھراٹ کا متفرقہ منافع کیا جائے۔
- (۹) آبی اراضیات کامایہ نسبتاً زیادہ ہے کم کیا جائے۔

- (۱۰) پونچھ کا کل رقبہ ۹ لاکھ گھاؤں ہے جس میں صرف دو لاکھ گھاؤں آباد ہے اور سات لاکھ گھاؤں جنگل پر مشتمل ہے، پورے چار لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ زمین اس قدر کم ہے کہ زمینداروں کو شکل پھوہا کا غریب قرار دیا جاتا ہے۔ شکار گاہوں کی تعداد کم کی جائے اور زمین آباد کرنے کی اجازت دی جائے۔
- (۱۱) عہدہ جی جنگلات کی برجیاں بندوبست کے دوران زمینداروں کی منشاء کے خلاف قائم کی گئی ہیں اور اس طرح حوام کی دہرہ شالٹاں پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ برجیاں دوبارہ قائم کی جائیں۔
- (۱۲) پونچھ میں کشمیر کی طرح حق اسامی کے درخت داگنا نہیں ہیں۔ یہ داگنا کئے جائیں۔

۲۔ ترقی ہندوؤں کو بھی ملنا چاہی تھی۔

(۱۳۱) زمینداروں کو مکان تعمیر کرنے کے لئے حق اسامی اراضی سے درخت مفت دیئے جائیں۔

(۱۳۲) اتحادہ گلڑی جنگل سے بغیر معاوضہ کے اٹھانے کی اجازت دی جائے۔

(۱۵۱) شیشم کے درختوں کی فروخت کے لئے حکمران کے افسروں کو اجازت دی جائے۔

(۱۶۱) اخروت کے درخت کاٹنے کی اجازت نہیں جو درخت بیکار ہو جائے اُسے کاٹنے کی اجازت دی جائے۔

(۱۷۰) موجودہ قوانین جنگلات میں ترمیم کی گئی تاکہ جنگلات کے مطابق کیا جائے۔

(۱۸۰) چیف ٹارنٹ افسر کو پابند کیا جائے کہ ملازمان جنگلات کو مصفا کی موقوفہ ہے۔

(۱۹۰) ریاست پونچھ اور کشمیر کے درمیان کسٹم کی چرکیاں ختم کی جائیں۔

(۲۰۰) ہندو کی پرچھوں زیادہ لیا جاتا ہے کم کیا جائے۔

(۲۱۰) مویشیوں کو ڈھوکے جانے وقت ضمانت کی پابندی ختم ہونی چاہیے۔

(۲۲۰) جہیز میں دی جانے والی چیزوں پر محصول نہیں ہونا چاہیے۔

(۲۳۰) ریاست کی سرحد پر فوجیوں کے سامان کی تلاشی نہ لینی جائے۔

(۲۴۰) حق اہل صرف پونچھ میں ہی محدود رکھا گیا ہے اس کے راستے سے رکاوٹ دور کی جائے۔

(۲۵۰) پونچھ میں مسلمان وکیل نہیں براہ کرم باہر سے وکیل کو آنے کی اجازت ہو۔

مذکورہ بالا مطالبات پر غور کرنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ڈوگرو سرکار نے ریاست مسلمانوں

کو کن آ کام و معاشرہ میں جگہ رکھا تھا۔ جب سردار خان مہد خان نے ان مطالبات پر پہلے علاقہ کے عوام

سے تعاون حاصل کیا تو اس وقت ان کے ہمراہ منشی خرم علی خان آف جھنڈا بکھ، سردار علی شریف خان

آف منگ، مولوی محمد قاسم خان آف راولا کوٹ، آ۔ آر۔ ایس محمد حسین خان آف پوٹھی ماگولاں

محمدار مصباح خان آف رٹھور، سردار عبدال خان آف رٹھور اور سردار محمد نور خان آف

منگ وغیرہ تھے۔ سردار خان مہد خان نے طے کیا کہ یہ تمام مطالبات وزیر اعظم کشمیر کرن کالون کے

سامنے پیش کیے جائیں اور اس سے راجہ پونچھ کے نام سفارش کوئی جائے۔ چنانچہ سردار خان مہد خان اپنے

ساتھیوں سمیت سرحد پہنچے اور بڑی جدوجہد کے بعد کرن کالون سے ملاقات کی اور مطالبات ان کے

سلنے پر رکھے۔ کرن کالون نے پہلے تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم پونچھ کے داخلی معاملات میں دخل نہیں دیتے

مگر بالآخر بڑی رو دیکر کے بعد مطالبات کی یہ فہرست اپنی سفارش سے راجہ پونچھ کو بھیج دی اور راجہ نے ان پر

غور کرنے کے لئے ریاست پونچھ کے اعلیٰ رکن کی ایک مجلس قائم کی تاکہ مطالبات کی نوعیت و اہمیت پر غور کیا جائے، کافی عرصہ تک یہ مطالبات جرح و تعدیل کے مرحلوں سے گزرتے رہے اور بالآخر راجہ پونچھ نے انہیں مجلس اور وزیر کے مشورہ سے چند مطالبات کو تسلیم کیا مگر منظور شدہ مطالبات میں سے بیشتر پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔

مختلف مرحلوں سے گزر کر جب کشمیریوں کی جدوجہد آزادی ایک منظم اور مربوط درجہ میں داخل ہوئی تو کشمیر کے مسلم رہنماؤں نے ۱۹۳۲ء کو انہیں جوں وشمیر مسلم کانفرنس قائم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس پلیٹ فارم سے ہر کوئی دگرہ جارحیت و لاقانونیت کے خلاف منظم جدوجہد کی جاسکے۔

ریاست کے مسلمان اس وقت سیاسی طور پر پسپا رہتے اور جہاں کہہ پنے بغاوت کر دی ہے کہ حقوق ملکیت کی تحریک نے یہاں کے مسلمانوں کی زبان ڈوگرو سامراج کے خلاف کھول دی تھی۔ چنانچہ جب سرحد میں مسلم کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے پہلا سالانہ اجلاس بلا یا گیا تو ریاست پونچھ کے سیاسی رہنما بھی اس تاجی اجلاس میں شامل ہوئے اور اس کے بعد جب ریاست کشمیر کے مختلف حصوں میں مسلم کانفرنس کی شاخیں قائم ہوئیں تو پونچھ کے طول و عرض میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں اور اس طرح یہاں کے تمام سیاسی کارکنوں کی جدوجہد مسلم کانفرنس کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔

ریاستی اسمبلی

کشمیر میں مجلس کشمیر کی سفارشات کے بعد راجہ ہری سنگھ نے چند مطالبات کی منظوری کا فوراً اعلان کر دیا تھا اور ریاستی اسمبلی کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے لئے سرحد و بھارت کی مصلحت میں ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی تھی جو فرخ پور کمیٹی کہلاتی تھی۔ اس کمیٹی نے کافی غور و فکر کے بعد ریاستی اسمبلی کے لئے جو خاکہ مرتب کیا اس کے بنیادی اصول یہ تھے۔ کل ممبران اسمبلی کی تعداد ۶۰ کو نشستوں اور ۱۷-۱۸ ممبران کا رولنگ ممبروں کے ۴۰ رکھی گئی جن میں مسلمان منتخبہ ۲۱، سندھ ۱۰، سکھ ۲، تاجر ممبر ۳۰، مسلمان ممبران کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۳۲۔ اور ما سولے ممبروں کا رولنگ ممبروں کے ہندوؤں کی تعداد ۲۰ تک قرار دی گئی اور ریاست پونچھ کے لئے کشمیر اسمبلی میں دو نشستیں رکھی گئیں۔ اس کے باوجود کہ ریاست پونچھ اب کشمیر و بارگ سرحد میں غنائیکس راجہ پونچھ اس کے خلاف تھا کہ انہیں پونچھ کے لئے

کشیدہ اسبلی میں نشیمن رہ گئی جہاں بلکہ راجہ پونچھ کا خیال تھا کہ ریاست پونچھ کی اپنی الگ اسبلی ہو جائے تو کس
 سردار خان محمد خان کا ردہ ہری ملک کے خیال کی تائید کر رہا تھا اور دوسرا گروہ راجہ پونچھ کے نظریہ کا حامی تھا، جو
 لوگ سردار خان محمد خان کے خیال کے حامی تھے ان میں سردار فتح محمد کیلوی اور ان کے ساتھی تھے۔ دوسرے
 جو لوگ پونچھ کے لئے الگ اسبلی کا مطالبہ کر رہے تھے ان میں مولوی غلام حیدر جنڈلوی۔ سردار ولایت
 خان ٹوپی سیّد غلام حسین شاہ۔ سردار گل احمد خان آف سدرن گی۔ سردار جواہر خان گوٹیاں۔
 سیّد حسن شاہ گروہ بڑی سیّد احمد شاہ گروہ بڑی۔ سیّد نور شاہ۔ سیّد کلام شاہ آف بڑ۔ سیّد
 علی اسفر شاہ آف بڑ۔ چہدی خان بہادر خان آف بھنگو۔ مولانا مبدلہ خان آف کھنڈھی۔ مزار
 مبدلہ خان کھنڈھی۔ مولانا میر غلام خان کھنڈھی۔ سردار امیر کبیر خان عباسی۔ پیر صادق
 حسین شاہ و پیر شاہ حسین شاہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ اس سلسلہ پر جگہ جگہ جلسے اور جلوس
 شروع ہو گئے۔ سردار خان محمد خان اور ان کے ساتھی جب جلسہ کرتے تو مسلمانان ریاست
 پونچھ کے سلسلے یہ موقف رکھتے کہ راجہ پونچھ کو قابو میں رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس علاقہ کی
 نمائندگی کشمیر اسبلی میں کی جائے کیونکہ اس بری اسبلی میں ہم اپنے مطالبات بہتر اور مؤثر طریقہ
 پر پیش کر سکیں گے۔ سردار خان محمد خان و سردار فتح محمد خان اپنے جلسوں میں ان لوگوں کی شدید مخالفت
 کرتے جو پونچھ کے لئے الگ اسبلی کی آواز بلند کرتے تھے، اسی طرح جب پونچھ میں الگ اسبلی کے حامی
 جلسہ کرتے تو وہ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت کرتے اور یہ موقف پیش کرتے
 کہ پونچھ ایک الگ علاقہ ہے اس کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہاں کی اسبلی الگ قائم ہو
 تو یہاں ہمیں اکثریت حاصل ہوگی اور ہم راجہ پونچھ کو ٹیکس وال دیں گے، سردار گل احمد خان نے اپنا
 ہفت روزہ صداقت ۳۳ ۱۹ میں راولپنڈی سے جاری کیا تھا۔ انہوں نے اپنے اخبار میں تین روزہ
 مقنا بن لکھے۔

جب یہ جھگڑا طویل ہو گیا تو طے یہ ہوا کہ اس کا تعزیر حضرت علامہ اقبال سے کرایا جائے۔ اس
 کے لئے سردار خان محمد خان اور ان کے ساتھی جب حضرت علامہ اقبال کے پاس حاضری ہوئے تو انہیں
 نے بھی یہ مشورہ دیا کہ ریاست پونچھ کے مسلمانوں کے لئے الگ اسبلی ہی بہتر رہے گی۔ لیکن جب
 سردار خان محمد خان واپس آئے تو انہوں نے بات مال دی اور اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس کے بعد۔

پونچھ کے لئے الگ اسبلی کے حامیوں کا ایک وفد پھر ملا مرزا اقبال کے پاس حاضر ہوا۔ ملا نہوں نے یہ کہہ کر
 انہیں واپس کر دیا کہیں بار بار دہرائے نہیں دے سکتا۔ تمہارے پہلے وفد کے رازکین کو بتا چکا ہوں کہ اپنی اسبلی
 الگ رکھو۔

اس کینچیا آفاقی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ الگ اسبلی کا مطالبہ کرنے والوں کو راجہ پونچھ کا بائیسٹ قرار
 دیا گیا اور طے ہو گیا کہ مسلمانان پونچھ کو کشمیر اسبلی میں دو نشستیں دی جائیں گی اور اس قاعدہ کے مطابق
 پونچھ میں بھی اسبلی کے ایکشن ہوں گے جس کے تحت کشمیر میں ہوں گے، چنانچہ ۱۹۲۴ء میں جب کشمیر
 اسبلی کے انتخابات ہوئے تو تحصیل مہنڈرا ورجی کی طرف سے سردار فتح محمد خان کیلوی اور بارنا
 و سدرتی کی طرف سے سردار خان محمد خان کو ممبر منتخب کیا گیا اور اس طرح ان پونچھ کے مطالبات و مسائل
 کشمیر اسبلی کے بائ ہوا کر رہ گئے۔

پونچھ کی اصلاحی تحریکیں

سردار خان محمد خان و سردار فتح محمد خان کیلوی نے کشمیر اسبلی میں
 نمائندگی کے لئے بے حد جدوجہد کی تھی اور اپنے خاتین کا منہ
 بند کرنے کے لئے انہیں راجہ پونچھ کا بائیسٹ قرار دیا تھا مگر جب یہ بحیثیت کشمیر اسبلی میں پہنچے تو انہیں
 جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا کہ کشمیر اسبلی میں ان کی آواز نہ گار خانے میں طو کی کی آواز کے معلاق ہے
 کیونکہ وہاں سرکاری ممبروں کی بھرمار تھا اور اس کے علاوہ مسلمانوں میں سے جو ممبر منتخب ہوتے تھے
 ان کی آواز نامزد اور سرکاری ممبر دیتے تھے۔ ان حالات میں اعلیٰ پونچھ کے مطالبات پر کون کان دہرتا
 تھا، سردار خان محمد خان جب دوسرے ملازمین سے ملے تو انہوں نے پوری دلچسپی سے ملک کے فلاحی
 اور فلاحی کاموں کی طرف توجہ دی اور سیاست کی طرف رغبت ہی نہ رہی، لیکن جن جن وقت گذرتا
 جاتا تھا پونچھ کی سر زمین پر سیاسی شعور کھنے والے مسلمانوں کی ایک گھیب تیار ہو جاتی تھی اور ملک کا
 معمولی سے معوقی تنظیم یا نئے مسلمان بھی اب ملکی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، اس دور کے ملکی حالات پر نگاہ
 ڈالتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست پونچھ کی سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ فلاحی و ترقیاتی تحریکیں بھی
 جاری تھیں۔ سیاسی تحریکوں کے روح رواں وہ مہم جو جسٹس یا سی کی ایکن تھے جو مسلم کانفرنس سے وابستہ
 تھے اور ملک کی فلاحی تحریکوں میں سردار خان محمد خان پیش پیش تھے۔ یہ ان کی حب الوطنی اور سہی کا نتیجہ
 تھا کہ انہوں نے یہ ریاست پونچھ کے مسلمانوں سے ہمدردانہ کامیابی کی انتھک کوشش کی، جیسا کہ

پہلے پایا جا چکا ہے کہ اس وقت ریاست پونچھ کے ۹۹ فیصد تجارت ہندوؤں کے پاس تھی اور انہوں نے مسلمانوں کو معاشی و اقتصادی اعتبار سے غفلت کر رکھا تھا۔ سردار خان محمد خان نے مسلمانان ریاست کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ تجارت کے میدان میں آگے آئیں تاکہ ہندوؤں کی اجارہ داری ختم ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ریاست پونچھ کے نوجوان بلکہ تعلیم کی طرف مایوس کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو وہ دیکھ رہے تھے کہ ریاست پونچھ کے نوجوان بن برون پانڈو رکھتے ہیں سخت مزدوری کرنے کے لئے پنجاب کے مختلف مشینوں میں چلے جاتے ہیں اور تعلیم نہ پونے کے باعث انہیں کسی بھی میدان میں کامیابی نہیں ہوتی مگر ہندو ملک تمام سرکاری دفاتر پر ہندو چھائے ہوئے ہیں۔ ان افسرانہ حالات سے متاثر ہو کر سردار خان محمد خان نے سلم پوریشنل کانفرنس کا ایک خاکہ مرتب کیا تاکہ پونچھ کے تمام قبائل و چھوٹی سی اور اور تمام قبائل کے زیر تعلیم بچوں کو وظائف دیئے جائیں اس کے لئے انہوں نے ایک جامع منشور مرتب کیا مگر جب تمام قبائل کے سربراہان و لوگوں سے اس بارے میں بات چیت کی تو انہیں بے حد مایوسی ہوئی کیونکہ دوسرے قبائل کے ذمہ دار افراد نے توقع کے مطابق تعاون نہ کیا بلکہ یہ کہہ کر آپ اس کا تحریر پہلے اپنے قبیلے میں کریں۔ اگر آپ کو کامیابی ہوئی تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ ان حالات میں مایوس ہو کر جب سردار خان محمد خان نے ۱۹۳۲ء میں سلم پوریشنل کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کا پہلا اجلاس پونچھ میں سرخان کے مقام پر ہوا گیا جس میں ہزاروں ہندوؤں نے شرکت کی اور اس جلسہ کی صدارت کے لئے چوہدری نیاز احمد خان چیف ناچ پونچھ کو نفع دہی طور پر مقرر کیا گیا، سلم پوریشنل کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس تاریکی و اہمیت کا حامل تھا۔ جب سردار خان محمد خان نے چننے کی اہلی کی تو حاضرین نے دل کھل کر چن دیا اور اس کے بعد متواتر سلم پوریشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس چوتے رہے۔

اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ سردار خان محمد خان نے مسلمانوں سے نواز غم کروانے کی ہمیشہ شروعات کی۔ اس زمانے میں مسلمان گھرانوں میں نسوان کا بہت زیادہ رواج تھا اور نسوان تمام دکانیں ہندوؤں نے کھول رکھی تھیں، جب سردار خان محمد خان نے نسوان کے خلاف تحریک شروع کی تو لوگ ہلکے جیسے کر کے مسلمانوں کو ہلاکت کی کہ وہ نسوان کا استعمال ترک کر دیں، کیونکہ اس سے ایک خود انتر خراب ہوتے ہیں دوسرا اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان معاشی اور اقتصادی طور پر پس ماندہ ہوتے جا رہے ہیں، جب سردار خان محمد خان جلسہ میں تقریر کرتے تو حاضرین جلسہ ان کے سامنے نسوان کی وہاں پھینک دیتے۔

اور دھڑکتے کر اب اس کا استمال بھی نہیں کریں گے۔ مگر جب جلسہ ختم ہوا تو ان میں سے اکثر مسلمان ہندوؤں کی دکانوں سے پھر نسوان خریدتے اور گردن بھر کا گھڑوں کو چل دیتے، دراصل نسوان کا انتشار اس قدر بڑا ہو گیا کہ مسلمانوں نے اس سے نجات نہیں پاسکتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ سردار محمد خان نے مسلمانوں میں بد رسومات کے خلاف زبردست مہم چلائی۔ ان دنوں بیاہ شادیوں کے دستور بڑے افسوسناک تھے۔ شادی میں لڑکی دلے اپنے گھر کے تمام اخراجات لڑکے والوں سے وصول کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ لڑکے رقم نقد بھی لیتے تھے جسے رقم کہا جاتا تھا، سردار خان محمد خان نے جاسوں کے ذریعہ مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ یہ پرہیز دستور ترک کریں، لڑکے والوں سے کسی قسم کا خرچہ نقد یا جنس نہ لیں، ان کی اس اصلاحی تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے رفتہ رفتہ اس رواج کو ختم کر دیا، اس کے ساتھ ساتھ سردار خان محمد خان مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کرتے تھے کہ وہ اپنی نیاوہ سے زیادہ توجہ کاشت کاری کی طرف مبذول کریں اور بھیڑیں پالیں تاکہ معاشی طور پر خود کفیل ہوں اور ہندو ساہوکاروں کے دست نگر نہ رہیں۔

سردار خان محمد خان اگرچہ حکومت کے خلاف کسی قسم کی بات نہ کرتے تھے اور نہ ہی وہ مسلم کانفرنس میں شامل ہوئے، لیکن اس کے باوجود مسلمانان ریاست پونچھ کی زندگی کے تمام شعبوں پر ان کی بہت گہری نظر تھی اور وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں آگے دانا چاہتے تھے۔ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ پونچھ میں دینی ترقی کے بھی خواہاں تھے جب وہ برطانوی فوج سے صوبیداری پشنے کے لاپتہ گاؤں چلے گئے تھے تو انہوں نے ہوسوی غلام جید خان آف پھلیان کے تعاون سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے مصارف کے لئے گاؤں میں آئے کی مٹھی مٹھی کا ایک خزانہ قائم کیا تھا۔ یعنی ہر روز صبح تمام عورتیں آٹا لوندھنے وقت ایک مٹھی آٹا لنگ کر دیتی تھیں اور ہر جمعہ کے دن یہ آٹا مدرسہ میں بھیجا جاتا تھا۔ کافی طے عرصہ کے بعد سردار خان محمد خان نے سردار فیروز علی خان آف جندہ بھنگ کے تعاون سے دارالعلوم تعلیم القرآن پلنڈری کے اجراء کو فیصلہ کیا۔ سردار خان محمد خان اور سردار فیروز علی خان کی انتہک میں بے حد سرگرم تھے، جب پلنڈری میں دارالعلوم کی بنیاد پڑائی تو انہیں اس درگاہ کا صدر مدرس مقرر کیا گیا اور اس طرح ریاست پونچھ کے مسلمانوں نے اس دینی درگاہ کے سب سے پناہ بخش حاصل کیا۔

دارالعلوم تعلیم القرآن کے قیام کے ساتھ ساتھ سردار خان محمد خان نے پلنڈری کے مرکزی مقام پر ایک

جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا، ان سے پہلے چند افراد نے یہاں مسجد کا کام شروع کر دیا تھا، مگر جب سردار خان نے اس کی تعمیر کے لئے قدم اٹھایا تو اعلان کر دیا کہ کسی شخص سے چند نہیں لیا جائے گا بلکہ ہر گاؤں کے مسلمان جمعہ کی صبح میں پندرہ روپیہ آئندہ اور تمام کام اپنے ہاتھوں سے کریں گے، جو شخص جو کام جانتا ہے وہ بھی کرے گا، سردار خان محمد خان کے اس اعلان پر مسلمان پندرہ روپیہ لیکر کہا اور چند ہفتوں کے اندر اندر راجہ مسجد کی عمارت تیار کر گئی۔

ریاست پونچھ کا قصہ مختصر یہ تھا کہ ہزاروں افراد کو ہائی فوٹ سے چن چن پریشاں ہوئے تھے اور انہیں چن لینے کے لئے راولپنڈی جانا پڑتا تھا سردار خان محمد خان نے اپنی انگلیاں کوششوں سے پندرہ روپیہ کے متناہ پر ایک سو سو روپے کا رقم لکھ لیا تاکہ سابق فوجیوں کو ہر پیشانی نہ ہو جائے، مسجد راولا کوٹ کی تعمیر بھی سردار خان محمد خان کی مساعی جیلہ کا نتیجہ ہے۔

کشمیر اسمبلی میں رکن بننے کے بعد سردار خان محمد خان نے اپنی تمام فوجی فلاحی اور رفاہی کاموں کی طرف مہذول کر دی اور ڈوگرو حکومت کے خلاف کسی قسم کی تنقید نہیں کی، یہی وجہ تھی کہ ریاست پونچھ کے تمام مسلم کانفرنسی کا رکن سردار خان محمد خان سے بے حد خائف تھے۔ سیاسی کانفرنس کو اعتراض نہ کر سکا اور صاحب حکومت کے خلاف تیز و تند تقریریں کیوں نہیں کرتے اور سیاسی تحریکوں میں ہرچیز سے گریز کیا کیوں نہیں ہوتے لیکن اس کے برعکس سردار خان محمد خان کا موقف یہ تھا کہ سب سے پہلے ریاست پونچھ کے مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ ان کے اندر خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ان کی تعلیمی، اقتصادی اور معاشی حالت درست کی جائے ان سے بد رسومات کا خاتمہ کیا جائے اور ان کو پسماندگی کے تاریک غار سے نکالا جائے۔ جب یہ سب باتیں ہو جائیں گی تو یہاں کے مسلمان ڈوگرو حکومت سے اپنے سیاسی حقوق خود بخود لے سکیں گے، اگر مسلمان ڈوگرو رہے تو ان کے خلاف سیاسی تحریکیں اور نعرے بازی ضرور ہے، سردار خان محمد خان ہر سیاسی کارکن شدید قسم کی تنقید کرتے تھے، بعض سیاسی کارکن یہاں تک کہتے تھے کہ آپ ڈوگرو سم کار کے خیر خواہ ہیں اس لئے کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے، بعض کہتے تھے کہ آپ اپنے قبیلہ کے لئے ہی رات دن کام کرتے رہتے ہیں کیوں کہ آپ کی اصلاحی تحریکوں کا دائرہ صرف سیدھو تک محدود ہے، لیکن سردار خان محمد خان ان تمام باتوں سے بے نیاز باقی منزل کی طرف رواں دواں تھے اور ان کی نگاہات دن بھر ہی مسلمانان پونچھ کی تعلیمی اور معاشی، زرعی اور تجارتی حالت بہتر ہونا اور وہ ہندو کے دست نیچے نہ رہیں۔

پونچھ کی سیاسی تحریکیں

پونچھ کی اصلاحی تحریکوں کے ضمن میں ہم بتا آئے ہیں کہ سردار خان محمد خان نے اپنی تمام فوجی ریاست پونچھ کے اصلاحی، رفاہی اور تعلیمی کاموں کی طرف مہذول کر لی اور انہوں نے ڈوگرو مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کا انقلابی پروگرام مرتب نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود ریاست پونچھ میں سیاسی تحریکیں عروج پر تھیں، یہاں کے سیاسی کارکن ایک طرف سردار خان محمد خان کے ساتھ اصلاحی تحریکوں میں شریک تھے اور دوسری طرف اپنی شعاع بیا بیوں سے ڈوگرو اختلاف کو چلیں ہلاتے رہتے تھے۔

جب مسلم کانفرنس نویشنل کانفرنس کا نائب علیا گیا تو یہاں کے تمام سیاسی کارکن کسی حد تک مایوس ہو گئے تھے، لیکن جب مسلم کانفرنس کا سربراہ ہوا اور چند روپیہ ملا عام سب خان اولن کے ساتھیوں نے اس جماعت میں بی جان پیر کی ریاست پونچھ کے تمام سیاسی کارکن پھر مرکز میں چلے گئے۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کو جب ہاٹی میں مسجد کی آتشزدگی کا حادثہ ہوا تو پوری ریاست میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور پوری ریاست پونچھ کے مسلمان کفن بردوش ہو کر جیلوں میں کود پڑے۔ ان دنوں مولانا امیر عالم خان صاحب پندرہ روپیہ اپنے گاؤں آئے ہوئے تھے جب انہیں آتشزدگی کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی برجستہ تقریریں یہاں کے مسلمانوں کے دلوں کو گرم کیا۔ جب سید احمد شاہ گریو کو پتہ چلا تو وہ غریب دانا کے ہزاروں سرفروش مسلمانوں کا جھگڑے کر ڈیڑی کھل چلے آئے، سردار خان احمد خان سید شاہ سید خادم شاہ سید کدلت شاہ سید علی احمد شاہ غریب دانا کے مجاہدوں کو لے کر ڈیڑی کھل چلے آئے مولانا غلام حیدر خان کو قبیلہ سہوٹی کے دیگر سیاسی کارکن بھی چلے آئے اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ڈوگرو کے خلاف مسلمانان پونچھ کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، مسجد کی آتشزدگی کا پس منظر واضح یہاں کے دو تین مقامی ہندوؤں کی باہمی رقابت سے تعلق رکھتا تھا لیکن جب ریاست پونچھ کے ہزاروں مسلمان ہلاک ہوئے اور سیاسی کارکنوں نے ڈوگرو راجہ کا تختہ الٹنے کا اعلان کر دیا تو راجہ جنگ بوسنگ کو بھی تشویش لاحق ہو گئی اس نے حالات کو قابو میں رکھنے کے لئے فوج بھیجی تاکہ کسی قسم کی بغاوت نہ ہو سکے لیکن ڈوگرو خیر اور پولیس کی آمد کے بعد یہاں کے مسلمان اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور ادھر تھیں مہنڈر و حویلی کے مسلمانوں نے بھی احتجاجی طور پر چلے جلوس شروع کر دیتے۔ اس مرحلہ پر تین جن سیاسی رہنماؤں نے بے مثال کارواں کیا ان میں مولانا امیر عالم خان، مولانا عبداللہ خان گنڈھ، سردار جواہر خان آف کوٹلیاں سردار پٹیل خان گنڈھ

سید حسن شاہ گردیزی، سردار گل احمد خان، کپتان خان محمد خان آف ملک، کپتان بوستان خان آف نژاد سید
 خاد حسین، سید احمد شاہ گردیزی، مولوی سید خان زاد لاکھ، سید احمد شاہ انور، سید
 کریمت شاہ، سید علی احمد شاہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کئی دن تک باؤسی گول میں جھڑپ
 آتے رہے اور سیاسی راہنماؤں کو حکومت پر ایک برس سے پہلے، بالآخر جمہوریت کے منتظمین
 صورت اختیار کی تو سردار خان محمد خان اور سردار محمد ایوب خان باؤسی گول آئے اور ان کے وزیر راجہ
 جنگیو سنگھ نے نہ صرف معافی مانگی بلکہ پختہ سجدہ کر دینے کا وعدہ کیا اور فوراً ہی سجدہ کی تعمیل کا کام
 شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں سجدہ پختہ ہو گئی۔

اس واقعہ کے بعد سرزمین پونچھ میں مسلمان سیاسی طور پر بے حد بیدار ہو گئے اور ہر با شعور مسلمان
 نے سیاست کو ادھرنا بھونکا بنالیا، اس وقت تحصیل سب ضلعوں اور باران میں مسلم کانفرنس کی شاخیں
 کافی مضبوط تھیں اور ان دو تھیلوں کے مسلمان اپنے اپنے مرکزوں میں رہا رہتے تھے،

۱۹۳۷ء میں پونچھ کی ڈوگرہ حکومت نے بڑجیان نصب کرانے کا کام شروع کر لیا اگر مزور و طراریات
 سے خاصہ اذیت اور جنگلات اگ کر دیئے جائیں، دھماکے اور ڈوگرہ راجہ جنگیو سنگھ کا منشا یہ تھا کہ طراریات
 ریاست سے چلنے والی بھی جلیں تاکہ جنگلات میں اضافہ ہو لیکن یہ طرز عمل مسلمانان ریاست کے مفاد
 کے خلاف تھا۔

جد بندی جنگلات کے خلاف سید احمد شاہ گردیزی سکتے بل سرنگ نے آواز بلند کی اور دیکھتے ہی دیکھتے
 یہ تحریک ریاست گیر حیثیت اختیار کر گئی۔ جب احمد شاہ گردیزی مرنے والے مسلمانوں کا ایک جھڑپے کر
 پونچھ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ در مسلمان بھی شامل ہو گئے اور پونچھ پہنچنے تک اس جلوس نے
 ایک سیلاب کی حیثیت اختیار کر لی۔ پونچھ میں جب احمد شاہ گردیزی کو گرفتار کیا گیا تو اس اقدام کے خلاف
 ہر جگہ جلوس شروع ہو گئے، اور جب احتجاجی جلوس پونچھ کی طرف بڑھنے لگے تو ڈوگرہ حکومت
 نے گجرات کو نہ صرف سید احمد شاہ گردیزی کو لایا بلکہ جد بندی جنگلات و مزور و طراریات کا منہ تو
 ہی ملتے ہی کر دیا۔

ان دو سیاسی تحریکوں نے گویا مسلمانان پونچھ میں ایک دولہ اور جہیز عریث پیدا کر لیا تھا اور وہ
 ہر کوئی کے معاملے میں دلی کشمیر کے مسلمانوں سے گئے سب تہتے لے گئے تھے۔

۱۹۳۷ء میں جب پونچھ میں قمران کریم کی قیادت میں کاروبار فرما رہے تھے تو ریاست پونچھ کے تمام
 سیاسی کارکن ایک زیرچھری میں اکٹھے ہوئے، ہوا یہ کہ پونچھ کا میڈیکل کالج اور کالجوں میں جا کر
 تیویوں کا معاملہ کیا کرنا تھا، ایک مرتبہ جب وہ جیل میں قیدیوں کی کٹھنوں کی طرف گیا تو طاق میں۔ کہے ہوئے قمران کریم
 چٹری ماری اور قمران کریم فرس پر گڑا بس کیا تھا تمام جن خاندانہ و غیرہ لکھنے نعوں سے گونج اٹھا اور ریاست پونچھ
 میں ڈاکٹر رام سنگھ کی اس حرکت پر ڈوگرہ سرکار کے خلاف جلسے اور جلوس شروع ہو گئے، یہ ریاست پونچھ کے
 کوئی نہ کوئی نے سیاسی راہنماؤں کی قیادت میں جھڑپ پونچھ پہنچا شروع ہو گئے، ڈوگرہ راجہ جنگیو سنگھ نے
 جیل کے چاروں طرف ڈوگرہ پولیس اور فوج کا حلقہ مضبوط کر لیا، مگر مسلمانان ریاست کا غصہ وغضب جسے
 بڑھ چکا تھا، جو جنہ کے تمام مسلمان اجازت ریاست پونچھ کے ڈوگرہ حکام کی مذمت کرتے تھے اور ان بد کنشیدگی بڑھتی
 جا رہی تھی، ریاستی مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہو کر پونچھ کے شہروں میں ہو چکے تھے، سیاسی راہنماؤں کی قیادت
 اور پختہ تقریروں سے ڈوگرہ حکمرانوں کے جو رستم کی جھپاں اڑا رہے تھے اور تلے میں بند اور جنگیو سنگھ سید
 پریشان تھا، ریاستی مسلمان ملنا آپ کر رہے تھے کہ قمران کریم کی کوچن کرنے والے ڈاکٹر کو ہمارے حوالے کیا جائے
 ہاں اس کو خود مزار میں لے گئے، اس کے جواب میں ڈوگرہ حکام کو مدقت یہ تھا کہ اس ناظم رکھو، سرکار خود ڈاکٹر رام سنگھ
 کو موت مزار میں لے کر مسلمانان ریاست پر پھرتے کہ ڈاکٹر رام سنگھ کو ہمارے سامنے لایا جائے اس کے بعد ان کا
 اس تحریک میں تحصیل ہندو اور جوئی سے سردار فتح محمد خان کریم لوی، شیخ بی بخش نظامی، جوہری نظامی
 لٹوئی، ضیاء الحسن ضیاء، سردار حسن، غلام قادر باقمہ، احمد علی خان دلان کے کئی اور ساتھی پیش پیش تھے۔ ادھر
 تحصیل باران و سہیلو تھ سے مولانا غلام حیدر خان جٹا لوی، سید احمد شاہ گردیزی آف ہل سنگ، مولانا
 محمد عبداللہ خان کھنڈلوی، سید حسن شاہ گردیزی، سردار گل احمد خان کوثر، سید قادر حسین شاہ، سردار
 محمد شیر خان، سردار ہرلم خان کیل، آئی ایس محمد حسن خان، سردار عبداللہ خان کھنڈلوی، مولانا امیر عالم خان
 کھنڈلوی، سردار چار محمد خان آف کٹھیاں، سردار عبداللہ خان لٹوی، سردار یعقوب خان بن پسادری، سردار
 محمد خان دریک، سردار خان بہادر خان پٹھی، لاکھان، سید علی احمد شاہ، سید کریمت شاہ ہڑ
 وغیرہ سرگرم سیاسی کارکن تھے، ان تمام کارکنوں نے تحریک کو ایک انقلابی صورت دے دی، جنہوں کی قیادت
 میں جس قدر مسلمان پونچھ گئے تھے یہ باقاعدہ تداروں، ہندوؤں اور برہمنوں اور انہیوں سے مسلح تھے اور ہر
 مسلمان نے اپنے طور پر جہاز کی تیاری کر لی تھی۔

جب پونچھ شہر کے چاروں طرف مسلمانوں کا غم غمیرا اٹھتا تو حکومت پونچھ نے حکومت کشمیر سے بھی مدد لی تاکہ اس کا
 کے مشتعل ہونے کو روکا جاسکے۔ لیکن ادھر تمام سیاسی کارکنوں نے متفقہ طور پر مولوی حیدر خان جٹاوی کو اپنا
 مقرر کر لیا اور اس کے بعد مسلمانوں کے جموں میں باقاعدہ ایک ترتیب قائم ہو گئی۔ ڈوگر راج نے پونچھ شہر کی حدود میں
 وقفہ بہم کا اہتمام کر دیا مگر مولوی غلام حیدر خان جٹاوی نے سینکڑوں مسلمانوں کو ساتھ لے کر دہرم ۳۴ کی حالت
 کی اور اس دوران جب ڈوگر پریس نے مسلمانوں پر لاشعیاں برساتی شروع کیں تو پریس میں جوش مسلمانوں نے پریس سے
 لاشعیاں چھین لیں اور جب وہی لاشعیاں پریس پر پڑیں تو پریس کے تمام سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے اور پونچھ
 کی نقصان دہ شرماسم سنگھ مرہ باد، ڈوگر لاشمرہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی، جنہوں کی تعداد دو ہزار و زبھی جاری
 تھی۔ مسلمان راجا مظاہر کو روکے تھے کہ ڈاکٹر رام سنگھ کو تھارے والے کیا جائے ڈوگر حکام اس کے لئے تیار نہ تھے
 بلکہ فرار پالیا کہ تمام جتنے کشمیر کی طرف روانہ ہوں، جب سرفروش مسلمانوں کا شاعیاں مارتا ہوا سندر پالی کے
 قریب پہنچا تو ہمارا ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو فاجہ بت کے۔ میرے پونچھ میں آکر مسلمانوں کو فوج کو
 آنے سے روکا جائے اور ان کے مشتعل جذبات پر قابو پایا جاسکے، جب شیخ محمد عبداللہ علی آباد پہنچے تو مسلمان ریاست
 پونچھ نے ان کا پرچم شہر استقبال کیا، شیخ محمد عبداللہ پہلے مولوی جٹاوی سے ملے اور اس کے بعد دوسرے
 تمام مسلمان رہنماؤں سے ملاقات کرنے کے بعد راجہ پونچھ کو مشورہ دیا کہ فوراً ڈاکٹر رام سنگھ کو ریاست
 بدر کر دے اور اسے سرکاری ملازمت سے بھی معزول کر دے۔

اس واقعہ کے فوراً بعد راجہ پونچھ نے ڈاکٹر رام سنگھ کو ملازمت سے الگ کر کے پونچھ سے نکال
 دیا اور مسلمانوں کے مشتعل جذبات سرد ہو گئے گویا مسلمانان ریاست نے قرآن کریم کی توجہ کا بدلہ لے لیا۔
 ہاڑی گیل کا دوسرا سنگھ ۱۹۱۷ء میں ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کشمیر و بارہ نہ براہ راست
 پونچھ کے اندر کی معاملات میں مداخلت شروع کر دی تھی، ہمارا راجہ ہری سنگھ چاہتا تھا کہ ریاست
 پونچھ کے تمام سرکاری دفاتر میں جوں کے ڈوگر سے اور ہندو متعین کئے جائیں۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ
 پہنانے کے لئے اس نے راجہ جگدیس سنگھ پر دباؤ ڈالا کہ تمہاری ریاست کے تمام مسلمان ملازم کی
 ڈیوٹیوں سے سائباز رکھتے ہیں، انہیں یکھم موقوف کر کے ان کی جگہ ہندو ڈوں اور ڈوگروں کو دفاتر میں لگایا
 جائے تاکہ میرا کھدو فارما نہ ہو، ہمارا راجہ ہری سنگھ دلاس راجہ جگدیس سنگھ کو معزول کر کے
 ریاست پونچھ پر خود قبضہ کرنا چاہتا تھا اور غلط اقدام کے طور پر اس نے منصوبہ بہرہ مرتب کیا تھا کہ سب سے

پہلے سرکاری دفاتر میں اپنے ڈھب کے لوگ متعین کر لئے۔ چنانچہ جب ہمارا راجہ ہری سنگھ کے مشورے سے راجہ
 جگدیس سنگھ نے مسلمانوں کو نکالنا شروع کیا تو پوری ریاست میں بے ایمانی کی فضا پیدا ہو گئی اور
 تمام مسلمان مایوس ہو گئے۔

مولانا محمد عبداللہ خان کھن گڑھی اور دوسرے سیاسی راہنماؤں نے ہاڑی گیل کے مقام پر
 ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں تحصیل سرحنوی، تحصیل جوبلی اور ہندو کے راہنماؤں کو دعوت
 دی گئی، مولانا غلام حیدر خان جٹاوی اور مولانا محمد عبداللہ خان کھن گڑھی نے جب اپنی پرجوش
 تقریروں سے ہمارا راجہ ہری سنگھ کی سازش کو بے نقاب کیا اور راجہ جگدیس سنگھ پر بھی شدید
 تنقید کر دی تو پونچھ حکام نے تمام حالات سے ہمارا راجہ ہری سنگھ کو آگاہ کیا۔ اس وقت پونچھ کا
 وزیر گڈرام بظاہر راجہ پونچھ کا دفا دار تھا لیکن دوسرے وہ تمام خدمات ہمارا راجہ ہری سنگھ کے
 لئے انجام دے رہا تھا اور ہری سنگھ کی رات دن کوشش یہ تھی کہ کسی طرح راجہ پونچھ کو بھول کرنے
 کا معقول جواز پیدا کر لیا جائے۔ اس وقت ریاست پونچھ کے مسلمان جو بھی تحریک چلاتے اس کا بارہ راست
 فائدہ ہمارا راجہ ہری سنگھ کو پہنچا تھا، مسلمان راہنما اپنی طرف سے ریاست پونچھ میں مسلم کانفرنس کی
 صفیں مضبوط کر رہے تھے اور ان کی ساری کارکردگی ایک طرح سے مسلم کانفرنس ہی کے تابع تھی مگر
 ہری سنگھ کی کارستانی سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ ہاڑی گیل کے مقام پر جب سیاسی راہنماؤں
 باہر مولانا محمد عبداللہ خان اور ان کے ساتھیوں نے ہری سنگھ کی اس چال کی اور عاری کا پرہہ چاک
 کیا اور وزیر گڈرام کا بھائی گایا تو سیاسی راہنماؤں نے پوری ریاست کے دوسرے کارپرداز بنالیا مگر ہری
 سنگھ کی کارستانی سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ ادھر ہمارا راجہ ہری سنگھ نے ڈوگر فوج کا ایک دستہ
 محمد اکرم وٹانی چیف ڈاکٹر و دیگر راہنماؤں کی سرکردگی میں بھیجا مگر ان تمام مقررین کو گرفتار
 کیا۔ انہوں نے ہری سنگھ کی اس پالیسی کے خلاف سب کشائی کی تھی، جو نہی ڈوگر فوج کا دستہ انہیں
 پانچ ماہ بعد عبداللہ خان و مولانا غلام حیدر خان جٹاوی اپنے ساتھیوں سمیت پوٹھی ماگوالاں چلے گئے اور ہری گیل
 سے ڈوگر فوج بھی ان کے تعاقب میں لاؤلا کوٹ چلی گئی، راستہ میں جب ڈوگر فوج نے چند بے قصور
 لوگوں کو قتل کر دیا تو پوٹھی شہر و گمراہ تو لوگوں نے جیت کر صورت میں جین جو کلان پر نہ صرف پتہ بول دیا بلکہ
 اندھے ہندو تیس و فیرو بھی چھین لیا کہ اس طرح اس جنگ میں نہ تو مسیحیوں صورت حال پیدا کر دی۔

پہلے سرکاری دفاتر اپنے ڈھب کے دوگتہ تھیں کرانے۔ چنانچہ جب ہمارا ہری سنگھ کے مشورے سے دہلی
جگدیو سنگھ نے مسلمانوں کو نکالنا شروع کیا تو پوری ریاست میں بے اطمینانی کی فضا پیدا ہو گئی اور
تمام مسلمان مایوس ہو گئے۔

مولانا محمد عبداللہ خان کھن گڑھی اور دوسرے سیاسی رہنماؤں نے ہاڑی گھل کے مقام پر
ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں تحصیل سرفضوی، تحصیل جوبلی اور ہنڈلر کے رہنماؤں کو بھی دعوت
دی گئی، مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی اور مولانا محمد عبداللہ خان کھن گڑھی نے جب اپنی پرجوش
تقریروں سے ہمارا ہری سنگھ کی سازش کو بے نقاب کیا اور راجہ جگدیو سنگھ پر بھی شدید
تنقید کی تو دہلی پونچھ لنگارم نے تمام حالات سے ہمارا ہری سنگھ کو آگاہ کیا۔ اس وقت پونچھ کا
وزیر لنگارم بظاہر راجہ پونچھ کا دفا دار تھا لیکن درپردہ وہ تمام خدمات ہمارا ہری سنگھ کے
لے انجام دے رہا تھا اور ہری سنگھ کی ذات دن کو شش بہ قہقی کسی طرح راجہ پونچھ کو کھ بول کرنے
کا معقول جواز پیدا کر لیا جاتے۔ اس وقت ریاست پونچھ کے مسلمان جو بھی تحریک چلاتے اس کا براہ راست
فائدہ ہمارا ہری سنگھ کو پہنچتا تھا، مسلمان رہنما اپنی طرف سے ریاست پونچھ میں مسلم کافر نسلی
صفتیں مضبوط کر رہے تھے اور ان کی ساری کارکردگی ایک طرح سے مسلم کافر نسلی ہی کے تابع تھی مگر
ہری سنگھ کی کارستانی سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ ہاڑی گھل کے مقام پر جب سیاسی رہنماؤں
باہر سے مولانا محمد عبداللہ خان اولک کے ساتھیوں نے ہری سنگھ کی اس چالاکی اور عیاری کا پتہ چک
کیا اور وزیر لنگارم کا پتہ چلا گیا تو سیاسی رہنماؤں نے دہلی ریاست کے دوسرے کابروں کو آگاہ کیا ہری
سنگھ کی کارستانی سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتے۔ ادھر ہمارا ہری سنگھ نے ڈوگر فوج کا ایک دستہ
محمد نسیم دتائی چیت نا اور دیگر سپاہیوں کی سرکردگی میں ہاڑی گھل بھیجا تاکہ ان تمام متزینوں کو گرفتار
کیا جائے۔ جنہوں نے ہری سنگھ کی اس پالیسی کے خلاف اب کٹائی کی تھی، جو نہ ہی ڈوگر فوج کا دستہ انہیں
پہنچا، مولانا محمد عبداللہ خان اور مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی اپنے ساتھیوں سمیت پونچھ ماکوالہ چلے گئے اور ہاڑی گھل
سے ڈوگر فوج بھی ان کے تعاقب میں راولا کوٹ چلی گئی، راستہ میں جب ڈوگر فوج نے چند بے قصور
لوگوں کو کچا کر مارنا بیٹھا شروع کر دیا تو لوگوں نے جھڑپ صورت میں جین ہو کر ان پر نہ صرف پتہ بول دیا بلکہ
انہیں بندوقیں وغیرہ بھی عین لیسہ اولس طرح اس ہنگامہ سے سخت سنگین صورت حال پیدا کر دی۔

ادھر مولانا عبداللہ خان کو اس بات کا علم ہوا کہ ڈوگر فوج ان کی گرفتاری کے لئے ساتھ ساتھ راولا کوٹ
آگئی ہے تو وہ دوسرے راستہ سے ہوتے ہوئے واپس ہاڑی گھل چلے آئے مگر تحریک جاری رکھ سکیں۔
اور دوسرے رہنماؤں سے بھی رابطہ قائم رکھیں۔

ادھر راولا کوٹ کے پرجوش مسلمانوں نے مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی کی گرد گھبراہٹ ڈال رکھا تھا تاکہ
ڈوگر فوج ان کے نزدیک نہ آ سکے، کھائی دن تک پتہ اندر گرم رہا، بالآخر لوگ مولانا غلام حیدر خان کی گرفتاری
پر یہ کہہ کر رضا مند ہوئے کہ مولانا کی گرفتاری کے بعد یہاں کے تمام دوسرے سیاسی کارکن بھی گرفتار
ہوں گے اور احتجاج کے طور پر یہاں کے تمام لوگ، بھی گرفتار ہوں گے تاکہ ڈوگر سرکاری چیلوں کو بھر لیا سکے
جب مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی گرفتار ہوئے تو پونچھ سے چاکر انہیں ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا گیا اور
اس کے بعد مولانا احمد عبداللہ خان کی گرفتاری کی کوشش کی گئی لیکن عوام تفصیل بانے ان کی گرفتاری نہ کرنے
کے لئے سرحدی ہاڑی لگا دی تھی۔ ڈوگر فوج اور پولیس نے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے کئی دفعہ چاہے ماسے
مگر ہر دفعہ ناکامی ہوئی، آخر جب مولانا نے دیکھا کہ ڈوگر فوج اور پولیس عاجز آ چکی ہے تو وہ ہزاروں مسلمانوں
کا ایک جمعیہ ساتھ لے کر خود پونچھ چلے گئے تاکہ وہاں گرفتاری پیش کی جاسکے، اس وقت ان کے ساتھ سید
خادم حسین شاہ اور سید حسن شاہ گریزی بھی گرفتار ہوئے تھے۔ ڈوگر حکام نے مولانا کے ساتھ
چالاکیاں کیں کہ انہیں گرفتار کرنے کے بعد دوسرے ہی دن جیل میں نکال دیا اور ان کے بارے میں اپنے اخباروں کے
ذریعے یہ شوشہ پھوڑا کر مولانا معافی مانگ کر رہا ہونے پر، حالانکہ مولانا محمد عبداللہ خان ہزاروں افراد کو ساتھ
لے کر پونچھ گئے تھے اور خود چالاکیاں گرفتاری پیش کی تھی، مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی کو جلا وطن کرنے کے بعد
ڈوگر حکام کی خواہش یہ تھی کہ مولانا محمد عبداللہ خان کی پوزیشن عوام میں گرائی جائے، اس لئے ان کے خلاف
یہ افواہ پھیلانی گئی تھی، لیکن ڈوگر راج کے خلاف تقریریں اور جلسوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا، مولانا جوب
جبرار اور لنگارم کے علاوہ مجبوراً اپنے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی وہ راستہ ہیں ہی تھے کہ انہیں بانٹا اور
راولاکوٹ کا ایک بہت برا جتھر پونچھ کی طرف جاتا ہوا ملے، ابھی وہ جتھر میں شریک سیاسی کارکنوں نے ان سے
خطابہ کیا کہ وہ واپس پونچھیں اور دیا گرفتاری ویر کیوں کہ ڈوگر سرکار نے ان کے بارے میں شہور کر دیلے کہ وہ
معافی مانگ کر رہا ہوئے ہیں، مولانا محمد عبداللہ خان اس جتھر کی قیادت کرتے ہوئے پھر ایک سہ ہونچھ پونچھ اور ڈوگر
سرکار کے خلاف زبردست تقریر کی مگر ڈوگر سرکار نے انہیں گرفتار نہ کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت اس زمانے میں اس بات کی تشدید کو کشش کرتی تھی کہ ریاست پونچھ میں مسلم
 کانفرنس کا شروع ہونا ایک جگہ کے علاوہ کے ساتھ شہر جڑاؤ میں برطانوی فوج میں تھے اور برطانوی سرکاری
 طرف سے مہاراجہ کو شدید ہدایات مل رہی تھیں کہ ان علاقوں میں سیاسی جلسے جلوس نہیں ہونے چاہئیں چہاں کے
 لوگ فوج میں ہوں ، اس بنیاد پر مہاراجہ ہری سنگھ راجہ پونچھ کے تمام اختیارات معذہب کرنا چاہتا تھا ، ہری سنگھ
 کا موقف یہ تھا کہ چونکہ لوگ برطانوی فوج میں ہیں اور راجہ پونچھ اپنے علاقہ میں سیاسی عمل رکھنے میں ناکام
 ہو چکا ہے اس لئے اسے تمام اختیارات سے دست کش ہو جانا چاہیے ۔

ادھر مسلم کانفرنس کے تمام جلسے لڑنا اس کو کشش سے تھکے کہ انہیں ریاست پونچھ کا دورہ کرنے کی اجازت دی
 جائے ، چہرہ میں غم عباس خان نے بھی مرتبہ پونچھ کے دورہ کا اعلان کیا مگر مرتبہ مہاراجہ ہری سنگھ نے خزانہ دار
 کر کے دورہ ملتوی کر دیا ، ادھر تحصیل بانے کے سیاسی کارکنوں نے دہلی مولانا امیر خان ، مولانا محمد بللہ خان ، فضل گدھی ،
 سید حسن شاہ گورنری ، سید غلام حسین شاہ ، سردار جواہر خان آف کوٹھیل ، سردار عبداللہ خان ٹوپی ، سردار گل خان
 سردار یحیٰ یوسف خان آف بنی پوری ، سردار محمد شیر خان ، سید نور شاہ انور ، سردار محمد عبداللہ خان ، فضل گدھی اور تحصیل
 سندھوتی سے سردار فرزند گل خان ، مولانا غلام حیدر خان چنداوی ، سردار محمد شریف خان آف کھڑکی ، سردار محمد خان
 آف دریک ، سردار بہرام خان گہیل ، سید منیر حسین شاہ ، سردار حبیب خان آف پوٹھی مالکوالا ، سردار خان بہادر
 خان آف پوٹھی مالکوالا ، سردار رعایت خان وغیرہ اس بات کی کشش کرتے تھے کہ چہرہ میں غلام عباس خان کو ہر
 حالت میں پونچھ بایا جائے ۔ بانے کے چند کارکنوں نے سید حسن شاہ گورنری ، سید غلام حسین شاہ وغیرہ کی قیادت میں
 ایک وفد تشکیل دیا مگر جلد ہی غلام عباس خان کو بایا نہ دے دیا گیا دعوت دی جائے ماس و مذہب کی دعوت پر جب چہرہ میں
 غلام عباس خان اپنے ساتھیوں سمیت پونچھ نہ پہنچے تو انہیں طلب کیا کہ قریب روک لیا گیا ، اس سے قبل بھی ایسا ہوا
 تھا ۔ اس واقعہ کے بعد ریاست پونچھ کے تمام سیاسی کارکن مہاراجہ کے خلاف برگشتہ ہو گئے ، اس دوران بانے کے
 مقام پر ایک افسوسناک واقعہ ہوا جس نے پوری ریاست میں ایک زبردست تحریک پیدا کر دی ۔

ہوا کی کہ بانے کے قریب ایک گاؤں میں چند سچے بڑے ایک مجلس ذرا کی ، جب اس کا علم قریب دھار کے
 سکھوں کو ہوا تو انہوں نے مجلس کے منہ کاٹنے کے لئے لوگ اکٹھا کر دیا مزار میں لگایا ماس کا فلم جہاں کے سیاسی
 کارکن سید حسن شاہ گورنری ، مولانا محمد عبداللہ خان اور سید غلام حسین شاہ کو ہوا تو انہوں نے یہاں پر جوش
 و خروش شروع کر دیا تحریک شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری ریاست کے سیاسی کارکن حرکت میں

آگئے ۔ سید غلام حسین شاہ ان دنوں بانے کے سو درہندہ کاغذوں کے خلاف تھے ، جب یہ افسوسناک واقعہ پزیر
 ہوا تو انہوں نے جہاں پر جوش و خروش شروع کر دیا ، اور تحریک کے رنگ و بار خود بخود پیدا ہوئے ، تحصیل سندھوتی کے
 راجہاؤں سردار فرزند گل خان ، آدائیں محمد حسین خان ، خان بہادر خان اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے راولا کوٹ اور
 دیگر مقامات پر جلسے کئے اور ان سکھوں کی زبردست مذمت کی جنہوں نے مسلمانوں کی توہین کی تھی اور ہر باغ میں تمام
 سیاسی رہنما آگ رہا رہے تھے ۔

جب اس کے اثرات پونچھ تک پہنچ گئے تو وزیر پونچھ جیت رام چوڑا ڈوگرو فوج اور پولیس کا ایک مشورہ دستہ کے کر
 باغ چلا آیا اور یہاں آکر ۵۰ مسیاسی کارکنوں نے راجہاؤں کے دارنہ گڑھی کی جاری کر دیے جس میں مولانا محمد عبداللہ خان
 گل گدھی ، سردار جواہر خان ، سردار عبداللہ خان آف ٹوپی ، سید حسن شاہ گورنری ، سید غلام حسین شاہ ، سردار
 یعقوب خان ، بنی پوری ، سردار محمد شیر خان ، سید نور شاہ انور ، سید گل آف کوٹھیل ، سید گل آف کوٹھیل ، سید گل آف کوٹھیل ، سید گل آف کوٹھیل
 محمد حسین خان اور بہت سے دیگر کارکن شامل تھے ۔ جیت رام چوڑا نے مشورہ کیا کہ مسیاسی کارکنوں کو گرفتار کرانے
 کے لئے جگہ جگہ چلے مارنے شروع کر کے مگر یہ تحریک تحصیل سندھوتی ، مہندر راولا کوٹھیل تک پھیلی چلی گئی ، اور ادھر تحصیل
 مہندر راولا کے راجہاؤں ، سردار فتح محمد خان گورنری ، غلام حسین سندھوتی اور ان کے ساتھیوں نے بھی جلسے جلوس
 شروع کر دیے ۔

اسی دوران تحصیل بانے کے راجہاؤں نے تحصیل سندھوتی سے سردار خان محمد خان ، مولانا غلام حیدر خان چنداوی ، منشی فوز
 علی خان اور سندھوتی کے اور بہت سے سہ زنی راجہاؤں کو بانے لایا اور اس طرح بانے کا مرکزی مقام بن گیا اور تحریک
 کا مرکزی گڑھ بن گیا ، وزیر پونچھ جیت رام چوڑا نے مولانا محمد عبداللہ گل گدھی کے گھر کا محاصرہ کر لیا تاکہ انہیں گرفتار کیا جائے
 مگر انہیں قیام کے بہادر فرزندوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے مل کر ڈوگرو پولیس اور فوج پر حملہ کر دیا اور ان سے
 بند قیدیں اور انڈیا بھیج دیں ۔

ڈوگرو پولیس اور فوج کی پٹائی کے بعد وزیر پونچھ نے حکومت سے مزید مدد مانگی اور ساتھ ہی یہ کوشش
 بھی کی کہ کسی طرح حکومت کشمیر میں داخلہ کر کے حالات کو اعتدال پر لائے کیونکہ بانے کے مسلمانوں کے تیز و بدل چکے تھے
 جیت رام چوڑا کی خواہش یہ تھی کہ جلوس وغیرہ بر گولی چلا کر مسلمانان بانے کو داساں کیا جائے اور اس طرح اس
 تحریک کو ختم کیا جائے ، مگر یہاں کے مسلمان ڈوگرو حکومت کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے ، ادھر برطانوی سرکار
 کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو سخت ہدایات مل رہی تھیں کہ علاقہ پونچھ سے جنگ عسارتی ختم کر لی جائے

کیونکہ یہ فوجی اہمیت کا علاقہ ہے، ان تمام حالات سے مجبور ہو کر ہمارا جہری سنگھ نے چودری غلام عباس خان
 اور ان کے رفیق خاصہ۔ آرماسٹر یاغ آئے تو انہوں نے اپنی اپنی تعزیروں میں مسلمانانِ تحصیل یاغ کو پھانسی دینے
 کی تلقین کی اور ساتھ ہی حکومتِ مشرورہ دیا کردہ تمام سیاسی راہنماؤں کی گرفتاری کے وارنٹ واپس دے
 اور یاغ میں برطانوی وزیر پونچھیت رام چوڑہ مشر تھا کہ کسی سیاسی راہنماؤں کی گرفتاریاں متوہی نہ کی جائیں کیونکہ
 اس سے حکومت کی سبکی چوٹی ہے، اس کشمکش میں کئی دن گزر گئے۔ مسلمانانِ یاغ کا مطالبہ تھا کہ جب تک مسلمانوں
 کی ہتھکڑی کرنے والے ہندوؤں اور سکھوں کو قہراً واقعی سزائیں نہیں دی گئیں اس وقت تک حکومت پونچھ کے خلاف
 تحریک جاری رہے گی۔ بالآخر جب چودری صاحب نے یہاں کے سیاسی کارکنوں کو تحریک ختم کرنے کا مشورہ
 دیا تو تحریک ختم کر دی گئی اور سیاسی راہنماؤں کی گرفتاریوں کے وارنٹ بھی واپس لئے گئے۔

بانے کے مرکزی مقام پر چودری غلام عباس خان کا قہیدہ اٹھال استقبالیہ کیا گیا تھا اور غالباً چودری صاحب
 و ساغر صاحب کا یہ بارے آئے پہلا موقع تھا۔

بانے سے فارغ ہونے کے بعد جب چودری صاحب راولا کوٹ پہنچے تو وہاں سدوزئی قبیلہ کے پوتے دولاکھ
 افرانے ان کا شایان شان استقبال کیا اور مطالبہ کیا کہ اسال مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس راولا کوٹ میں
 منعقد کیا جائے، چودری صاحب جب تقریر کے لئے اٹھے تو مسلم کانفرنس زنده باد، چودری غلام عباس
 زنده باد اور اسلام زنده باد کے پرچمیں بردے اور راولا کوٹ کی مردم نیر وادی گرجی اٹھی اور چودری صاحب نے
 اعلان کیا کہ انشاء اللہ ۱۹۳۵ء میں مسلم کانفرنس کا ۱۳واں سالانہ اجلاس راولا کوٹ کی سرزمین پر ہی بلایا جائیگا۔
 ۱۹۳۵ء سے شروع میں تحصیل یاغ اور سدھوتی کے مسلم کانفرنس کارکنوں نے جماعت کے سالانہ اجلاس
 کی تیاریاں پورے جذب و شوق سے شروع کر دیں، جلسہ کے لئے فرنیچر مہیا کیا جانے لگا، باہر سے آنے والے مہانوں کے
 لئے شاندار انتظام کیا گیا، مگر تھوڑے دنوں بعد جب ہری سنگھ کے دستخطوں سے جلسہ کے اختتام کے لئے ایک
 حکم جاری ہوا تو سیاسی کارکن بے حد مایوس ہو گئے، ہم بتا چکے ہیں کہ ریاست پونچھ کے تقریباً ساٹھ ستر ہزار
 مسلمان نوجوان برطانوی فوج میں تھے اور بااختصاص تحصیل سدھوتی کے صدھن قبیلہ کے نوجوان تو بہت زیادہ فوجی تھے
 اس وجہ سے ہمارا جہری سنگھ کسی حالت میں بھی یہ براہِ اشت نہ کر سکتا تھا کہ تحصیل سدھوتی کے کسی عہدہ دار
 پر اتنا برا جلسہ ہوا، اس کے مشورہ سے جب حکام پونچھ نے پونچھ شہر میں جلسہ کی اجازت دی تو راولا کوٹ کا سالانہ اجلاس
 جو جلسہ کے لئے اکٹھا کیا گیا تھا پونچھ پہنچا گیا۔

پونچھ کے سالانہ اجلاس میں یہاں تک کشمیر مولانا یوسف شاہ کو جماعت کا صدر بنایا گیا تھا، اس عظیم الشان جلسہ کی اطلاع
 جب وزیراعظم کشمیر احمد خان کو چوٹی تھاس نے وزیر پونچھ جماعت رام کو سرینگر کا لڑھائی بے عزتی سے معزول کر دیا، اس
 تاؤ کی جلسہ میں ہمارا جہری سنگھ کے خلاف رویہ کے خلاف زبردستی تقریریں کی گئی تھیں اور تحصیل یاغ، تحصیل سدھوتی
 تحصیل ہندو جی کے سب ہی سیاسی کارکن جلسہ میں شریک ہوئے تھے، ایک قرار داد کے ذریعہ ہمارا جہری سنگھ
 کو دارلنگ دی گئی کہ وہ ریاست پونچھ کی انتظامیہ کو کشمیر سے الگ رہنے دے، یہ قرار داد مولانا غلام حیدر
 بٹراؤ نے پیش کی تھی کیونکہ ان دنوں ہمارا جہری سنگھ نے اپنے حامی سرکاری ملازم کے ذریعہ پونچھ کی انتظامیہ پر
 قبضہ کر رکھا تھا۔

جماعت رام کی طرف سے بعد جب دیوان بیگم سین نے پونچھ کا قلعہ دار وزارت سنبھالا تو مولانا غلام حیدر خان
 جنڈاوی پرنسپل امن کا مقدمہ قائم کر کے انہیں دو سال تک جلاوطنی کی سزا دی اور مولانا علیہ العزیز خان تھوڑی
 کئی مہینہ بندی کی سزا دی گئی، مولانا غلام حیدر خان نے جب دیوان بیگم سین کی سزا کو اپنی کورٹ میں چیلنج کیا
 تو کورٹ نے انہیں بری کر دیا، یہ سزا انجی میر سنگھ نے دی تھی مگر مولانا علیہ العزیز خان تھوڑی سی کی سزا
 بدستور قائم رہی۔

۱۹۳۳ء کے آخر میں تحصیل ہندو راوری جیسے سو دو ہندو تاجروں کے خلاف ایک زبردستی تحریک اٹھی
 تھی جو خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اس تحریک کا آغاز پیر سیدہ قاد حسین شاہ گروڑہ سواوی نے کیا تھا، پیر صادق
 حسین شاہ ۱۹۳۳ء کے شروع میں جب دیوبند سے فارغ ہو کر اپنے علاقہ میں آئے تو انہوں نے تحصیل یاغ و سدھوتی
 کے علاوہ تحصیل ہندو جی کی بھی دوغ کیا، تحصیل ہندو جی میں انہیں یہ دیکھ کر کہ وہاں کچھ ہندو
 مہاجنوں کی سو دخوری کے خلاف سروا فح محمد خان کی لوسی نے تحریک شروع کی تھی انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو
 ایک مرتبہ پھر اپنے پٹنگل میں جکڑ لیا ہے اور سو دو سو کے معاملات میں انجی لکھن کی معیشت کو بری طرح تباہ کر
 رکھا ہے۔

پیر صادق حسین شاہ سواوی نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہاں تعزیروں کا سلسلہ شروع کر دیا اور
 مسلمانوں کو شدت سے ہدایت کی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ سواوی کاروبار نہ کریں کیونکہ اس طرح وہ زہر ہار ہوتے
 جاسکتے ہیں، جب سو دو ہندوؤں نے دیکھی کہ پیر صاحب نے ان کے تجارتی معاملات میں رخنہ اندازی شروع
 کر دی ہے تو انہوں نے مل کر ہمارا جہری سنگھ کی حکومت سے شکایت کی کہ پیر صادق حسین شاہ اور ان کے

ساتھی پیر ملائین شاہ وغیرہ یہاں کے مسلمانوں کو برطانوی فرقہ میں جانے سے روکے ہیں، اس پر ہمارا جہر کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ریاست پنجاب میں مسلم کانفرنس کی عملی جدوجہد

کے دور میں جذبہ حریت پیدا کیا اور دوسری طرف مسلم کانفرنس کے دائرہ کار کو وسیع سے وسیع تر کر دیا، یہ حقیقت ہے کہ اس وقت کشمیر کے سرزمین پر مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس آپس میں فیصلہ کن جنگ لڑ رہی تھیں، حضرت قائد اعظم کے دورہ کشمیر کے بعد مسلمان ریاست کو ایک نیا دلولہ، نیا جوش اور نیا جذبہ در دل مل چکا تھا، نیشنل کانفرنس کا کونوں نے مسلمان ریاست کو تعجب انصاف سے بھاننے کے لئے حضرت قائد اعظم کی ذات کو گرامی پر تیز و تند جملے شروع کر دیئے تھے اور اپنے تمام سیاسی پروگرام کو ہندو کا نگر محمد کے تابع کر دیا تھا، اور جب مسلم کانفرنس کے اکابرین نے کھل کر پاکستان کو اپنا ہستائے مقصود قرار دیا تو نیشنل کانفرنس نے اس کے کئی بڑے فوای علاقوں میرپور، راجوری، مظفر آباد اور پوچھ پچھا پنڈت اور نفوذ دھانے لگو کر کشش شروع کر دی مگر ان تمام مقامات پر سامنے آئے دوچار کارکنوں نے باقی تمام مسلم کانفرنس کے جاسٹار سپاہی تھے انھیں یہاں پر جو کہیں منشی فرزند علی خان اور شہر پوچھ پچھیں غلام قادر بانڈے کے علاوہ نیشنل کانفرنس کا نام لینے والا تیسرا فرد موجود نہ تھا۔

جب میرنور و راجہ جی اور مظفر آباد میں مسلم کانفرنس کی شاخوں کو پھیلایا گیا تو پونچھ کے سیاسی اکابرین نے بھی عام رکن سازی کی مہم شروع کی اور اس طرح بڑے تھیلے عرصہ میں ریاست پونچھ کے تمام باشعور مسلمان مسلم کانفرنس کے انقلابی پرچم تلے جمع ہو گئے۔

لڑ لڑ لڑ لڑ میں ان دنوں سید ندیم حسین شاہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل کی جیکب مسلم کانفرنس کے صدر تھے
سید صاحب کے جذب و شوق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تحصیل سونوٹی اور بانٹے کے گاؤں کا ڈن پھر کر
مسلمانوں کو جماعتی نصب العین سے آگاہ کیا اور یہاں کے تمام باشعور مسلمانوں کو مسلم کانفرنس کے ساتھ
وابستہ کر دیا۔ سید صاحب کے ساتھ مولانا غلام حیدر خان جٹ اسی کی شعلہ بیانی نے بھی مسلمانوں کو
بیدار کرنے میں نمایاں کام کیا۔ اس کے باوجود کہ مولانا کے خلاف ڈوگرہ سرکار ہم قدم بروہاویاں پیدا
کر رہی تھی کبھی انہیں جلا وطنی کی سزا دی جاتی تھی کبھی ان کی زبان پر تعزلی ڈالے جاتے تھے کبھی انہیں

[illegible]

مسلم کا نفرنس کے دائرہ کار کو وسیع ہونے دیجھ کر وزیر پوچھ دیوان عظیم سین نے حفاظت
نہا۔ اس کے علاوہ ہمارا جہری سنگت بھی ذہنی طور پر بے حد پریشان تھا کہ کیا ست پونچھ میں مسلم
کانفرنس کی جڑیں مضبوط ہو چکی جا رہی ہیں، وزیر پوچھ اگرچہ سیاست پوچھ کے راجہ کا وزیر تھا مگر پردہ
یہ ہمارا جہری سنگت کی ولایت پر عمل پیرا تھا اور اسے سرسنگ کے حکام سے جو دیالیت وصول ہوتی
تھیں ان پر سختی سے عمل کرتا تھا، ہمارا جہری سنگت نے پوچھ میں مسلم کانفرنس کو کمر کرنے کے لئے
جو منصوبہ مرتب کر لیا وہ یہ تھا کہ اس علاقہ میں نیشنل کانفرنس کا لوفائی پرائیگنہ نامہ کر دوں جو جماعتیں
کو آپس میں یکساں کیا جائے تاکہ مسلم کانفرنسی اور نیشنل کانفرنسی کا آپس میں دست دہکے مال ہو جائیں

اس منہویہ کے تحت نیشنل کانفرنس کے دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کی گئی مگر پونچھ کی پوری ریاست میں منشی فرزند علی خان اور غلام قادر باڈے کے علاوہ دوسروں کی بھی کارکن نیشنل کانفرنس کی طرف نہ گیا اور اس طرح ہمارا جہری سنگھ کے دیکھتے ہی دیکھتے پونچھ کی سرزمین مسلم کانفرنس کا ایک مضبوط قلعہ بن گئی۔

مسلم کانفرنس کی تحریک سول نافرمانی
کشمیر چھوڑ دو تحریک کی پاداش میں شیخ عبداللہ تین سال قید اور پندرہ سو روپے جرمانہ کی سزا دی تھی، اس کے بعد اس تحریک کو انڈیا رگڈ جاری رکھا گیا اور نیشنل کانفرنس کا کنون کی گرفتاریوں کے بعد یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ کانگریس بھی اس تحریک سے پیدا ہونے والی صورت حال سے آگاہ ہو چکی تھی۔

کشمیر چھوڑ دو تحریک کا مشورہ مرتب کرتے وقت شیخ عبداللہ اور ان کے رفقا کا خیال تھا کہ جب اس انقلابی تحریک کا آغاز ہو گا تو مسلم کانفرنس کی تمام تنظیم و رسم پریم ہو جائیگی کیونکہ جن خطوط پر اس تحریک کو گئے اٹھائے یا پروگرام بنایا گیا تھا ان کے پیش نظر سیاسی نظریات تھا، مگر چہرہ غلام عباس خان اپنی سوانحیات "کفکش" میں لکھتے ہیں کہ کشمیر چھوڑ دو کے دھڑبندہ کے باوجود مسلم کانفرنس کی پوزیشن غیر متاثر رہی، مسلم پریس کا ذکر کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ پریس کے تمام مسلم پریس نے اس تحریک کی کھلی ہندوں حمایت شروع کر دی، زمیندار نے تو متغیر افستہ جوں میں مسلم کانفرنس کو جرت ہندی کا سرٹیفیکیٹ دے دیا۔ نوٹے وقت، احسان اور انقلاب نے بھی بہت کچھ کھانا مندریں حالات ہم نے تمام سرینگرہ، راجن کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور متعدد اہم فیصلے کئے چہرہ غلام عباس خان نے مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ سے متعلقہ قراردادوں کا بھی ذکر کیا ہے جو کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران مسلم کانفرنس کے موقف کو ظاہر کرتی ہیں۔ وسط مئی ۱۹۴۶ء کو مسلم کانفرنس کے کارکنوں اور اکابرین کا ایک اہم اجلاس چہرہ غلام عباس کی صدارت میں سرینگرہ کے مقام پر منعقد ہوا۔ جس میں ریاست کے کوئے کوئے سے مندوبین داخل کیے مسلم کانفرنس نے شرکت کی، اس موقع پر بقول چہرہ غلام صاحب کافی غور و خوض کے بعد مسلم کانفرنس نے دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اپنا سیاسی مشن راجاری

کیا جس کی مدد سے قیام پاکستان، پاکستان کے ساتھ الحاق اور ریاستی علوم کے لئے ان کی اپنی ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا گیا اور ہمارا جہرہ کشمیر کے لئے عرب آئینی حکمران کا درجہ تجویز کیا گیا، موجودہ حکومت یعنی آزاد جوں و کشمیر حکومت، کانفرنس بھی اسی اجلاس میں تجویز ہوا اور بطور نشان اپنا گیا۔ سری نگر کے خصوصی اجلاس کے بعد چہرہ غلام عباس خان نے مسلم کانفرنس کا سادہ اجلاس منعقد کر کے مقام پر ملانے کا فیصلہ کیا مگر اس وقت ڈوگر حکومت کشمیر کے متعلق کسی علاقہ میں سیاسی سرگرمی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھی چنانچہ حالات سے مجبور ہو کر چہرہ غلام صاحب نے اجلاس سرینگرہ میں ہی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا مگر یہاں بھی حکومت نے دفعہ ۳۴۱ لگا کر دشواری پیدا کر دی۔ چہرہ غلام صاحب کا بیان ہے کہ عرب تین دن پہلے مجلس استنبالیہ کے سیکرٹری کو اطلاع دی گئی کہ سرینگرہ میں جلسہ پر پابندی ہے اس لئے یہاں کسی قسم کا جلسہ منعقد کرنے کی کوشش نہ کی جائے مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے تمام اراکین اس وقت سرینگرہ میں موجود تھے جس میں ریاست پونچھ کے اراکین مسلم کانفرنس بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، جونہی حکومت نے دفعہ ۳۴۱ کا نفاذ کر کے منقہیں جلسہ کو اطلاع دی اسی وقت چہرہ غلام صاحب نے اجلاس طلب کر کے سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا یہی واقعہ کشمیر مولوی یوسف شاہ اجلاس میں موجود تھے، کھلے اجلاس میں شرکت کرنے والے مندوبین کو اپنے اپنے علاقہ میں رہنے کی تلقین کی گئی تاکہ سول نافرمانی کی صورت میں دھڑبندہ کیوں گرفتار نہ کئے جائیں بلکہ اپنے اپنے علاقہ سے تحریک کو جاری رکھیں، چہرہ غلام عباس خان فرماتے ہیں کہ اسی روز شام کو ایک دوست نے آکر بتایا کہ میرا غلط کے بھائی اور مسلم کانفرنس کے سیکرٹری سرینگرہ کو حکومت نے بلوا کر کچھ کہا سنا ہے جس کی وجہ سے میرا غلط تحریک سول نافرمانی سے متروک ہو چکے ہیں۔ چہرہ غلام صاحب کہتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں آیا لیکن عام سول نافرمانی کی قرارداد جو مشہور میں مشہور ہو چکی تھی اتفاق سے ابھی پریس میں نہ گئی تھی میں نے اسے اعتقاد رکھ دیا لیکن ٹھوٹے عرصہ بعد متذکرہ خبر کی تصدیق ہو گئی جس سے مجھے بے حد صدمہ ہوا، میری طویل سیاسی زندگی میں یہ سانحہ بڑا ہی شدید تھا کیونکہ ایک طرف حکومت اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی تھی اور دوسری طرف نیشنل کانفرنس کی خوشی اور طنز ہمارے لئے سوانح روح تھے۔

علاوہ انہیں اپنے اکثر رفقا کو بھی جو میرا غلط کے بدلے کئے جیں تھے ایک بالکل صحیح اور چالو

باتھ گئی تھی لیکن سب سے بڑی الجھن اور مشکل یہ تھی کہ اب کھلے اجلاس اور عام سول ناخرمانی کے سلسلہ میں کیا کیا جائے، دوسرے روز مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا، کھلے اجلاس میں صرف چند گھنٹے باقی تھے اور ہماری پریشانی دم بہ دم بڑھتی جاتی تھی، حالت بد دلی میں میری تجویز پر طے پایا کہ میں بحیثیت صدر مسلم کانفرنس اور آغا شوکت بحیثیت جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس دو آدمی احتجاج کے طور پر انفرادی سول ناخرمانی کریں۔

بہر حال چل جانے کا جنرل پھر سوار ہوا۔ اس رات کھلے اجلاس میں حکومت کی مانگ کردہ پابندیوں کو ٹوڑ کر آغا شوکت، مولوی نور الدین اور میں گرفتار ہو گئے، میں نے اپنی تقریر میں انفرادی سول ناخرمانی کے وجہ کو بیان کرتے ہوئے لاکھوں کو سخت دلیات دیں کہ وہ کسی صورت میں سول ناخرمانی کے جاتی پسپائی کو غلبہ نہ کریں بلکہ آئینی طریقوں سے حالات کا مقابلہ کریں اور آگے بڑھنے کے انتہائی میں اپنی حاضری قوت کا ثبوت دیں۔ اس موقع پر یہ بات عجیب سی ہوئی کہ میر و اعظمی شافعیہ نے ان کے خلاف قانون اجلاس میں حصہ لیا تھا اگر خلاف نہ کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ساغر صاحب کو گرفتار کیا گیا جو میری ہدایت کے مطابق جلسہ گاہ سے میلوں دور تھے اسی طرح مسٹر زاہر اور اسمیں ساغر بھی گرفتار کر لئے گئے، چودہویں عید اللہ خان قائد مسلم کانفرنس اسمیں گھپ کو میں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ میری گرفتاری کے بعد قائم مقام صدر رہیں۔

چودہویں غلام عباس خان کی طویل اور انتہائی غصانہ سیاسی زندگی میں یہی ایک خطرناک موڑ تھا۔ اسی کی اس گرفتاری اور انفرادی سول ناخرمانی کے اسباب و عوامل پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں سوائے جبریت و جلد بازی کے اور کچھ نہ تھا، بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ چودہویں صاحب نے غصے کو لیا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کشمیر چودہویں تحریک کے سلسلہ میں گرفتار ہو کر غلام عباس کے ہر دعوے پر چپکے ہیں اس نے انہوں نے بھی گرفتار ہونا ضروری سمجھا۔ تاہم ان کے رائے سے قویٰ نظر بھی اس وقت چودہویں صاحب کی گرفتاری اور انفرادی سول ناخرمانی کی تحریک و جرات معقول نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہویں صاحب کی نگاہ برصغیر کے بدلے ہوئے حالات پر نہ تھی چودہویں صاحب کو اس بات کا بخیر علم تھا کہ کشمیر کی سیاسی حالت جس کا دائرہ انھوں نے سرحد کشمیر کی وادی تک ہی ہے اپنا مستقبل بڑے کاغذ پر لکھ کر لکھ رہے ہیں اور ان کا سیاسی کردار بھی پٹت نہ ہو کہ دلیات کا سر ہونے منت ہے، اور حکمیر کی وادی میں ڈوگرہ حکام کے عزائم سے بھی چودہویں صاحب آگاہ تھے۔ بہر حال اگر وہ پیش کانفرنسیوں کی منزلت و تیش برداشت کر لیتے تو آگے والے دور کا فائدہ اورتا اور آج ماورکشر کے سینہ پر جنگ بندی لائن میں غصے کیس نہ ہوتی۔

اسمیں کے انتخابات ۱۹۴۷ء

دوسری جنگ عظیم اور ملک کی اندرونی سیاسی ہنگامہ خیزیوں کے باعث ریاست ہوں و کشمیر اسمیں کے انتخابات کا فیصلہ صرف

معروضہ اوقات میں تھا، جب شیخ محمد عبداللہ کی تحریک کشمیر چوڑی دلیتی منت آپ مرگئی اور ساتھ ہی قائد ملت چودہویں غلام عباس خان کی تحریک انفرادی سول ناخرمانی بھی دم توڑ گئی تو ڈوگرہ سرکار نے فوراً ہی اسمیں کے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ جیسا کہ گذشتہ حالات سے ظاہر ہے اس وقت ریاست کی دونوں سیاسی جماعتوں کے لیڈر نظر مند ہو چکے تھے اور ریاست کے کوٹے کوٹے میں ایک ٹھکانے سے سیاسی اجتری، بے اطمینانیا، اور ٹکڑے خرات موجود تھے، کشمیر چوڑی تحریک کی ناکامی کے باعث شیش کانفرنسی امیدواروں کی کامیابی تقریباً ناممکن تھی کیونکہ اگر ایک دوسرے کے میں ان کی سرکیزیت کمزور ہو چکی تھی اور دوسرے ڈوگرہ سرکار کی تمام مشینز ان کے خلاف حرکت میں تھی، اور تیشی طور پر مسلم کانفرنس کی پوزیشن بھی مستحکم نہ تھی کیونکہ چودہویں غلام عباس خان نے بالکل بے وقت اور بے ضرورت سول ناخرمانی کی تحریک میں گرفتار ہو کر پوری جماعت کو ایک جھنجھٹے میں ڈال دیا تھا، و جماعت کے دوسرے دلیات میں اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ چودہویں صاحب نے انفرادی سول ناخرمانی کا آغاز کر کے کسی تدریج کا ثبوت نہیں دیا۔ تاہم ان کے لئے بڑا سوال یہ تھا کہ ڈوگرہ کس سے چلنے کا جواب کس طرح دیا جائے، مسلم کانفرنسی لیڈر سوچ بچے تھے کہ ان حالات میں اگر اسمیں کے انتخابات میں حصہ نہ لیا گیا تو ڈوگرہ سرکار اپنے حاریران کو کامیاب کرانے کے لئے سرحد و کشمیر کی بازی لگا دیگی۔ اسی پریشانی کے عالم میں مسلم کانفرنس ماہانہ ایک وفد حضرت قائد اعظم سے ملاقات نہیں نے شروع دیا کہ مسلم کانفرنس کو پورے اقدار سے انتخابات میں حصہ لینا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلم کانفرنس کو اسمیں میں زیادہ نشیستیں حاصل کرنے کا یہی موقع ہے اگر موجودہ انتخابات میں زیادہ سے زیادہ مسلم کانفرنسی امیدوار کامیاب ہوتے تو آگے والے دور میں ملک کے مستقبل کا فیصلہ بھی انہی کے ہاتھ میں ہو گا۔

حضرت قائد اعظم کی ہدایت پر چوبیس مسلم کانفرنسی لیڈر وڈنے ایکشن کی تیاری شروع کی تو ڈوگرہ سرکار نے ایک ایک مسلم کانفرنسی کارکن کے مقابلہ میں اپنے چار چار امیدوار لکھ کر کئے، مسلم کانفرنسیوں نے جب اپنے اپنے حلقوں میں جو متی امیدواروں کے لئے کام شروع کیا تو حکومت نے ان کے لئے دستور ایس پیدا کر کے شروع کر دیں، سردار خان محمد خان تحصیل مدد حلقہ اور باغی حلقہ سے ریاستی اسمیں میں رکن چن لئے گئے تھے اس واقعہ انہوں نے اپنی جگہ سردار محمد علی خان کو کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ سردار محمد علی خان غلام عباس کے بارگاہ لکھ گئے تھے اور اس وقت اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل تھے۔ جب سردار محمد علی خان نے اپنے عہدے سے الگ ہو کر اسمیں کی رکنیت کے لئے ایکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو ڈوگرہ

سرکار نے ان کے مقابلہ پر دوا میدا رکھ کر دیئے اور تھیں ہینڈرا دھڑلی کی طرف سے تینا میدا رکھ کر دیئے تھے۔
سید غفر حسین شاہ اور سردار بابر محمد خان مسلم کانفرنس کے گٹ پر تھے اور غلام حسین سرائوی کا آزاد تھے۔ تحصیل
سندھ کی طرف سے سردار بابر ایم خان مسلم کانفرنس امیدا تھے، ۵ جنوری ۱۹۳۷ء کو جب ریاست پونچھ کے
ہیڈنگ مینٹینس پر دھڑلے لگے تو ریاست پونچھ کی طرف سے سردار بھاپل ایم خان اور سردار بابر محمد خان سکنہ پونچھ
بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے، سید غفر حسین شاہ چونکہ پونچھ میں سرگرم سیاسی رہنما تھے اس لئے ڈوگر سرکار
نے عین وقت پر ان کے تائید کنندہ کو غلام گیلانی سے وجہ سے ان کے مخالفانہ مامز کی دستبرد دیئے گئے۔

بہر حال ریاستہائے اہلی کے انتخابات کے بعد اس ادارے کا سب سے پہلا اجلاس ریاستی بچٹ پر منعقد ہوا اور گٹھ
ملک سرینچھ سے زبردست جگہاں دی، مسلم الائنس کی سبلی جگہ مسلم کانفرنس کے گٹ پر کامیاب ہوئے تھے اس لئے
ڈوگر حکومت کی کوشش یہ تھی کہ یہ آپس میں کسی طرح بھی مقدمہ نہ ہوں، حکومت کی طرف سے انہیں آپس میں لڑنے
کا سازش نہیں کی گئی اور ان کے درمیان طرح طرح کے شوشے چڑھے گئے۔ لیکن ان تمام سازشوں کے باوجود
اہلی کے ایوان میں مسلم کانفرنس ممبروں کا گڑب گڑ ہو گیا، ان دنوں ریاست میں ہندو قوم کی دوا تھاپسندہ عناصر میں پانچ
اور اڑھائی سو کی سنگ کی سرخیاں لائی تھیں، بعض متعصب ہندو سا جو کار اور لیڈر ہیں پر وہ ان جماعتوں کے
کارکنوں کو زبردستی غرض کے مسلح کر رہے تھے، اس کے علاوہ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی خصوصی فورس سے زعفران
ڈویژن فوراً تیار کر لی تھی بلکہ پونچھ، میرپور اور جوں وغیرہ مقامات پر مسلح ڈوگر فورس بھی متنبی کی تھی اور اس طرح ان
ملاقاتوں میں کافی بے اطمینانی پھیل چکی تھی۔

اہلی کے مسلمان ممبروں نے ان تمام خبریں کارروائیوں کے خلاف اہلی کے ایمان میں زبردست تقریریں کیں
اور ان کی یہ تمام تقریریں باضابطہ طور پر اہلی کے ریکارڈ میں بھی لائی گئیں، مگر چونکہ حالات کی طرف مسلم کانفرنس
ممبروں نے اشارہ کیا تھا ان کی روک تھام کے لئے حکومت نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف
ہندوؤں کی انتہا پسند عناصر نے کے پاؤں مضبوط کیے اور دوسری طرف ڈوگر فورس کی تعیناتی کے سبب ریاست
میں خوف و حراس پھیل گیا اور آخر فروری سے لے کر مارچ ۱۹۳۷ء تک انتہا پسند ہندوؤں نے جو حال پیدا کیا
نیا دہ دیکھ چکا۔

اہلی کے بچٹیشن کے اختتام پر مہاراجہ ہری سنگھ نے فوراً
اپنے خاندانی اقتدار کے حد سالہ جشن کی تیاریاں شروع کیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا دورہ

اس موقع پر سرینچھ میں ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں زیادہ تر ملک کے جاگیرداروں، معزز اور
ڈوگر سرکار کے اعلیٰ خیر خواہوں نے شرکت کی اور ڈوگر سرکار کا بچی دنا واری دیا تھاری کا یقین دلایا۔ حد سالہ
جشن کی ہر شکوہ تقریب سے فارغ ہونے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے اپریل ۱۹۳۷ء کو کچھ شہر کاٹھانچین
ریاستی فتح پونچھ کے دورہ کا اعلان کر دیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا دورہ پونچھ کا خصوصی راولا کوٹ کافی سنگ پڑا سلا تھا، اس بارے میں کہا جاتا
ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر مدد (سندھ کی قید) کے چند فوجی افسروں نے برطانوی افواج کے
کمانڈر انچیف سے مل کر اس امر کی شکایت کی تھی کہ جب ہم فوج میں بھرتی ہوئے تھے تو ڈوگر سرکار نے ہم
سے دھوکا دیا تھا کہ تمہارے علاقہ میں تعمیری ترقی کر لی جائیگی، ہم نے میدان جنگ میں خدمات انجام دی ہیں
مگر جیسے بابر مطالبہ کے باوجود ڈوگر حکومت نے علاقہ پونچھ کے کسی بھی حصہ میں کوئی ترقی نہیں کی، اس
علاقہ میں سڑکیں نہیں ہیں اور یہاں کے لوگ اب تک بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔

سندھ کی قید کے فوجی وفد نے اپنی شکایات کے ساتھ برطانوی افواج کے کمانڈر انچیف سے درخواست
کی کہ آپ خود ریاست پونچھ کا دورہ کر کے ہماری زہوں حالی اور پسپائی کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ جس علاقہ
کے لوگوں کی تعداد دوسری جنگ عظیم میں ساٹھ ہزار تک تھی اور جو ہر ماہ پڑ قربان ہوتے رہے، اس علاقہ
کے لوگوں کو ڈوگر راجہ نے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے۔

اس اہم شکایت پر جب برطانوی کمانڈر انچیف نے مہاراجہ ہری سنگھ کی باز پرس کی اور سخت
سست کہا تو اس نے فوراً راولا کوٹ کے دورہ کا اعلان کر لیا کہ برطانوی کمانڈر انچیف کو یہ بادر کر دیا کہ
اس نے سب مطالبات پورے کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

پس پردہ حالات خواہ کچھ بھی تھے لیکن انتخابات اور افتتاح کے مہاراجہ نے کسی نووری رطل کے تحت راولا کوٹ
آنے کا اعلان کر دیا تھا، جب مہاراجہ کا آمد کی تاریخ مقرر ہوئی تو یہاں فوراً ہی استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔
سردار رفان محمد خان بابا نے قوم سندھ کی قید پر پونچھ کے مائے ناز فرزند اور مسلمانان ریاست کے بہت
مخلص تھے۔ وہ ۱۹۰۲ء میں برطانوی فوج میں شامل ہوئے تھے اور طویل مدت تک فوج میں رہے
۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۸ء تک وہ بہت دور تحصیل سندھ کی ادب آباد کی طرف سے ریاستی اسمبلی میں رکن رہے
اس دوران انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے مسلمانان پونچھ کے لئے گران قدر تعمیری اور اصلاحی خدمات انجام

دیکھا جاتا کہ بدستہ صفات میں آچکا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ اسسٹنٹ ریکریٹنگ آفیسر رہے۔ اور ان کی سائی جیل سے بچنے پر پانچویں شخص سدوزی قبیلہ کے ۹۰ ہزار نوجوان برطانوی فوج میں شامل ہونے لگے۔

بہر کیف جب بہار جہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو سردار خان محمد خان نے تحصیل سے منسوخ اور اپنے تمام سابق فوجیوں کے نام پیغام بھیجا کہ فوجی نوجوان اپنی اپنی دریاں اور دیگ پہن کر تازہ مقررہ ہر راولاکوٹ آبپاشی ٹرک فوجی قاعدہ کے مطابق بہار جہ کا استقبال کیا جائے کیونکہ وہ سابق فوجیوں کے مطالبات بنات خود پونپنے کے لئے راولاکوٹ آ رہا ہے، تحصیل بارغان اور سدھنوی کے سیاسی رہنماؤں کو اس بلا اعتراض تھا کہ بہار جہ کی آمد پر یہاں اتحاد فوجی اجتماع قریب صلیت نہیں ہے، بہار جہ نے آگے نہ بڑھ کر اکثر مقامات پر اپنی فوج متعین کر رکھی ہے، یہاں تک کہ راولاکوٹ میں جی ڈی گروہ فوج کی ایک کپنی موجود ہے۔

سیاسی رہنما کہتے تھے کہ بہار جہ نے شہر سے ہی اس علاقہ کو نکال دیا تھا جہاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک یہاں ہر سیاسی تحریک کو کچلنے اور رہائے کی کوشش کی گئی، اس کی حکومت نے بار بار مسلم کانفرنس کے سربراہ چوہدری غلام عباس خان کے یہاں داخلہ پر پابندی مادی مگر ہم نے جان لیوا مرحوں سے گذر کر یہاں کے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کیا ہے، بہار جہ جاتا ہے کہ ریاست ہندو کے لوگ جیجی ہیں اور یہاں کے ساتھ ستر ہزار مسلمان نوجوان برطانوی فوج میں رہ کر فوجی تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ ملکی حالات میں تبدیلیاں آنے والی ہیں، برصغیر کی تقسیم ہونے والی ہے اور بہار سی ریاست کی سرحدیں اس طرف ملتی ہیں جو مغرب پر پاکستان بننے والا ہے، ایسا نہ ہو کہ فوجی وردی میں میونسپل اتالیکوں کو ہم دیکھ کر کہہ رہے ہیں کہ کوئی نئی معیت کھڑی کر دے۔

سیاسی رہنماؤں کا اعتراض ہے کہ سدھنوی تھا جہاں اس کے آنے والے حالات تھے جیسا کہ بتا دیا مگر سردار خان محمد خان کی شخصیت اس قدر محترم تھی کہ سیاسی رہنما اپنی جہالت سے ان بات کو نہ بھی نہ کر سکتے تھے، سردار خان محمد خان کا ارشاد تھا کہ چونکہ بہار جہ بحیثیت کانڈرا نجیت یہاں آ رہے تھے اگر وہ بحیثیت بہار جہ آئے گا اعلان کر تو ہوا فرض تھا کہ ہم مسلم لیگ میں اس کا استقبال کریں مگر وہ پیچیدگی اس کی وضاحت کر چکا ہے کہ جس بحیثیت کانڈرا نجیت دور کر رہا ہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم بحیثیت فوج اس کا استقبال کریں کیونکہ ہماری حیثیت دراصل فوجی ہی ہے۔

اس مسئلہ پر کافی دنوں تک سردار خان محمد خان اور سیاسی رہنماؤں کے درمیان بحثیں ہوتی رہی، بالآخر سیاسی رہنما پاپ ہونے لگے کیونکہ سردار خان محمد خان کی رائے کے خلاف کوئی قدم اٹھانا ان کے بس میں نہ تھا البتہ ہم کانفرنسی رہنماؤں نے یہ اہتمام کیا کہ فوجی جہانوں کے ساتھ ساتھ ایک لشکر پیشینہ کار کا بھی مرتب کیا گیا۔ اور یہی ہو کر جو بہار جہ راولاکوٹ پہنچے تو ایک طرف مسلم کانفرنس کا پرچم بلند رہا دوسری طرف میں میونسپلیشن کا پرچم بھی بہار جہ کا استقبال کرنے لگا، بہار جہ کو یہاں مسلم کانفرنس کے وجود کا بھی احساس نہ رہا سیاسی رہنماؤں نے مسلم کانفرنس کا پرچم اس کی جگہ پر کرنے کا فیصلہ کر لیا جہاں بہار جہ کی کلاس کے تھے سے گذر کر استقبال کے میدان کی طرف جانے۔

سردار خان محمد خان نے یہ پروگرام مرتب کیا کہ خان بہادر سردار غلام محمد خان سکندریہ ریکوٹ بہار جہ کی آمد پر سارا فوجیوں کو تھکا دھکا کر کے سلا دیں گے، اور سیاسی رہنماؤں نے تیشہ بنی کار کوئی حمایت! تیشہ بنی محمد شرف خان نامی ایک نوجوان کو دے دی اور انہیں کہہ دیا کہ وہ نیشنل کار کو خوب چاک و چوبند کر دیں۔

جوں جوں بہار جہ ہری سنگھ کی آمد کے دن نزدیک آ رہے تھے راولاکوٹ کی سڑکوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سردار خان محمد خان شدت سے سابق فوجیوں کو ہدایات جاری کر رہے تھے کہ کوئی فوجی گھر پر نہ ہے، مسلمانوں کی دیکھا دیکھی راولاکوٹ کے ہندو اور مسلمان بھی بہار جہ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے، بہار جہ کی آمد سے پہلے ہندوؤں اور سکھوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم مسلمانوں سے الگ جگہ دھرم سال کے قریب بہار جہ کا استقبال کریں گے تاکہ بہار جہ ہمیں خصوصی ادب دے سکے، چند شہر ہندوؤں اور سکھوں نے درپردہ یہ طے کر لیا کہ جو بھی بہار جہ کی ساری راولاکوٹ پہنچے تو ایک وفد کے ذریعہ اسے بتایا جائے کہ یہاں کے مسلمانوں نے کھانا پانی فوجی فقیہیت و طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اتنا بڑا مظاہرہ کر دیا ہے تاکہ آپ کو خوفزدہ اور مغرب کر سکیں، اس وقت تحصیل سدھنوی اور بارغان کے تمام ہندو سکھ مسلمانوں کی مختلف سازشوں کی طرف توجہ تھی اور ان کی حقیت کو کوشش یہ تھی کہ کسی طرح بہار جہ کو مسلمانوں کے ہندو اور متعلقہ کرا لیتے، بہر حال تاریخ مقررہ پر جب بہار جہ ہری سنگھ راولاکوٹ پہنچا تو یہاں ایک مقام اندازہ کے مطابق ۳۰ ہزار بارودری سابق فوجیوں کا جم غفیر تھا، جو انہیں بہار جہ کی جیب سے آگے اور اس نے اس ہلکے گھمڑے دیکھا تو اس کے چہرے سے دھانیاں اڑنے لگیں اور اس کی رنگت بدل گئی۔

اس وقت دو گروہ فوج کے پاس ساتھ کے قریب سپاہی مسلمانوں سے الگ کھڑے تھے، ہمارا بھائی بیچ
نے کر سیدھا دو گروہ سپاہیوں کے قریب گیا اور ان کی سلامتی کے گروہ کے طرف روانہ ہو گیا اور مسلمان
فوجیوں کی فضاؤں پر ایک ننگا ڈالنا بیٹھا اور نہ کیا، ہمارا چکر کی اس سے رنجی ادبے مروتی کے باعث پورے ہجوم پر
ماریسی طاری ہو گئی، سابق فوجی افسر و سپاہی دور دور سے چل کر دولا کوٹ پہنچے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا
کہ ہمارا چکر آگھوں سے آگ میں رہتا ہے اور وہ انہیں ور دیوں میں ملبوس دیکھ کر گھبراہٹ میں بھاگنے لگے تو
میں بھی ہمارا چکر کے خلاف نفرت و عقارت کے جذبات پیدا ہو گئے، خان بہادر، سردار غلام خان اور سردار
غلام محمد خان نے چند منتخب فوجی افسروں کا ایک دفعہ کہ ہمارا چکر سے ملاقات کے اور دولا کوٹ کے بلکہ ہمیں مل کر
کہ دور دراز علاقوں سے چل کر مسلمان آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ کا یوں انہیں پھر کر چلے
آتا بہت بڑی زیادتی ہے، آپ کو چاہیے کہ اپنی رعیت کی سلامتی میں اور لوگوں کی دجبری کریں، سردار خان
اور ان کے ساتھیوں کے اصرار پر ہمارا دولا کوٹ کے پھر لوگوں کی طرف آیا اور لوگوں نے تانیاں بجا کر اس کا
استقبال کیا مگر ہمارا چکر کا چہرہ بڑی طرح اترا چلا تھا اور اس کی ولی کینٹ کا آئینہ دار تھا، اس کے پردے
پر تے تیر ہتارے تھے کہ باوردی مسلمان نوجوانوں کا قاتل اور لشکر و کرا سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔

سردار خان محمد خان نے راولا کوٹ کے قریب دو جا رہیں بنے والے لوگوں سے کہہ کر رکھا تھا کہ چونکہ ہمارا
رات کو راولا کوٹ ڈاک بنگلہ میں قیام پذیر ہو گا اس لئے ان تمام مقامات پر خوب روشنی کی جائے جو رہا ہے
دکھائی دیتے ہیں۔ سادہ لوح لوگوں نے دھیر کوٹ تک رات کوچاں کیا مگر ہمارا پوری رات کاٹوں کی سیج پر غور تارا
اُسے وہ کہ ایک خوف سا دلا گیا ہے، سچا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ میرے ریاست کی پوری فوج سے تین گنا زیادہ فوج
صرف علاقہ سدھوتلی میں سدھوتلی قبیلہ کے پاس موجود ہے اس کا کیا علاج کیا جائے، ہمارا چکر نے دراصل صرف
رکھا تھا کہ چونکہ مسلمان نوجوان ہزاروں کی تعداد میں فوجی ہیں مگر جب اس نے یہ سارے فوجی ایک ہی جگہ پر
کھڑے دیکھے تو اس کے حواس باختہ ہو گئے، اس نے اندازہ لگایا کہ قبیلہ سدھوتلی سدھوتلی قبیلہ کا علاقہ ہے اگر اس
ایک قبیلہ کے پاس تھا تو لشکر تربیت یافتہ فوجیوں کا مگر دینے تو ظاہر ہے کہ قبیلہ بارے سے دوسرے قبائل ملدیاں
ڈاکٹر عباسی، تیزبال، سید، نارمہ، گھگڑا، اعوان، کھکھ، چوتیل، منہاس، وہاں اور گجرو وغیرہ کے
باس بھی تربیت یافتہ سپاہی ہزاروں کی تعداد میں ہونگے، اگر ان تمام قبائل نے مل کر کسی وقت بھی بغاوت کا جمل
بھیلا تو میری بھی سرزد و فوج ان کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیگی۔

دوسرے دن سردار خان محمد خان اور ان کے ساتھیوں نے ہمارا چکر سے ملاقات کا اور اس کی دجبری کرتے چکے
کہا کہ آپ چونکہ بحیثیت کمانڈر انچیف دیباستی افراتفری سے لائے ہیں اور یہ جو لوگ آپ نے درویشی میں دیباہوں
دیکھے ہیں یہ سابق فوجی ہیں اور آپ کی وفادار رعیت کے افراد ہیں۔ انہی لوگوں کی قربانیوں کے طعنیں برطانوی حکومت کی
طرف سے آپ کو بڑے بڑے اعتراضات ملے ہیں، آپ کو ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے، خان بہادر سردار غلام خان
نے بھی ہمارا کوٹ لکھی مگر ہمارا چکر کے طعنوں سے خوف متلازمہ کسی بات کا معقول جواب دینے بغیر جوں کی توں
ردانہ ہو گیا۔

ہمارا چکر کے استقبال کے لئے تحصیل سدھوتلی اور بارے کے تقریباً سب ہی فوجی افسر و سپاہی راولا
کوٹ گئے تھے مگر کپٹن حسین خان اور سید خادم حسین شاہ اس استقبال کے خلاف تھے۔ سید
خادم حسین شاہ اگرچہ فوجی افسر نہ تھے تاہم زبردست انقلابی خیال کے مالک تھے، کپٹن حسین خان
برطانوی فوج کے اعزاز یافتہ فوجی افسر تھے جن دنوں ہمارا چکر کے آنے کی خبر گرم ہوئی اور سردار خان محمد خان
نے استقبال کی تیاریاں شروع کیں مگر کپٹن صاحب خان صاحب کے ساتھ ناراض ہو گئے۔ ان کا کہنا
تھا کہ اب دو گروہ سرکار کو دلا سے دے کر اپنے حقوق مانگنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب حقوق طاقت کے بغیر
ہی حاصل ہو سکتے ہیں، ہمارا چکر کی آمد کے وقت کپٹن حسین خان کو ان پادروی سابق فوجیوں کی قیادت
سنبھالنے کی پیشکش کی گئی تھی اور خان صاحب نے جلدی کو شش کی کہ کپٹن صاحب اس اجتماع
میں شریک نہ ہوں مگر انہوں نے انکار کر دیا، اس بارے میں سردار محمد خان اپنے ایک معنوں میں کہتے
ہیں کہ خان صاحب مرحوم نے انہیں سابق فوجیوں کی قیادت کی پیشکش کی تھی جو انہوں نے ہمارا چکر کی
آمد پر صبح کے تھے۔ کپٹن حسین خان مشہور نے اس کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا کہ ان کے ہونٹوں پر
ایک طنز سے مسکراہٹ آگئی اور انہوں نے خان صاحب سے یہ فہمولا نے کے بعد اپنے گاؤں کا راستہ
لیا، سردار محمد خان اپنے اس منصوبہ میں بتاتے ہیں کہ جو ارجا چلا گیا تو دوسرے روز کپٹن حسین شاہ
سے میرا آٹھنا سا ہو گیا میں نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا اور کہا کہ ہمارا چکر کی آمد پر جو
نوجوانوں نے جھنڈا اٹھایا ہے انہیں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں
میں سیاست سے دلچسپی ہے یہ دیکھ کر مجھے سخت دکھ ہوا ہے کہ ہمارا چکر کے استقبال کے لئے
اتنے مسلمان جمع ہو گئے۔ ہمارے بڑے بڑے مسلمان اس کا قریب ہمارا چکر کی خوش آمد کرتے ہیں۔ میں آپ کے

اس وقت دو گروہ فوج کے پاس ساتھ کے قریب سپاہی مسلمانوں سے الگ کھڑے تھے، ہمارا بھی بی بی بی
 نے کرسی پر جا کر دو گروہ سپاہیوں کے قریب کھڑے ہو کر ان کی سلامی سے کڑواں: بھگہ کڑف روانہ ہو گیا اور مسلمان
 فوجیوں کی فطاریں پر ایک تنگہ ڈالنا بھی شروع کر دیا، ہمارا بھی اس جیسے رخا ادبے مردی کے باعث پورے ہجوم پر
 مایوسی طاری ہو گئی، سابق فوجی افسر و سپاہی دور دور سے چل کر دلا کوٹ پہنچے تھے مگر جب جنہوں نے دیکھا
 کہ ہمارا بھی انہیں سے آگ میں رہی ہے اور وہ انہیں وادیوں میں ملبوس دیکھ کر کھلا بخاشہ تھپتھپانے لگے وہ
 میں بھی ہمارا کے خلاف نفرت و عقارت کے جذبات پیدا ہو گئے، خان بہادر، سردار رضا محمد خان اور سردار
 خان محمد خان نے چند منتخب فوجی افسروں کا ایک دفعہ کہ ہمارا کے ملاقات کی اور دلا کوٹ بھگہ کڑف سے مل کر
 کہ دو روزہ علاقہ قریب چل کر مسلمان آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ کا یوں انہیں پھر کر چلے
 آتا، بہت بڑی زیادتی ہے، آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی رعیت کی سلامی میں اور لوگوں کی دُجوئی کریں، سردار خان نے
 اور ان کے ساتھیوں کے اصرار پر ہمارا دلا کوٹ بھگہ سے پھر لوگوں کی طرف آیا اور لوگوں نے تائیاں بجا کر اس کا
 استقبال کیا مگر ہمارا ہر چہ بڑی طرح اترا جڑا تھا اور اس کی وہی کیفیت کا آئینہ دار تھا، اس کے بدلے
 ہوتے تیر رہتا ہے کہے کہ باوردی مسلمان نوجوانوں کا تاج بڑا شکر دیکھ کر اسے سخت صدمہ پہنچا ہے۔

سردار خان محمد خان نے راولا کوٹ کے قریب دو جا رہیں بنے والے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ چونکہ ہمارا
 رات کو راولا کوٹ ڈاک بنگلہ میں قیام پذیر ہو گا اس لئے ان تمام مقامات پر خوب روشنی کی جائے جو یہاں
 دکھائی دیتے ہیں۔ سادہ لوح لوگوں نے دھیر کوٹ تک رات کو چائے لیا مگر ہمارا پوری رات کاٹوں کی سیج پر فوٹنا
 اسے رہ کر ایک خوف سا دھلکے ہوئے تھا اور وہ سوچتا تھا کہ میرے پاس کتنی پوری فوج ہے میں کتنا زیادہ فوج
 صرف علاقہ سندھ و قریب سندھ و قریب سندھ کے پاس موجود ہے اس کا کیا علاج کیا جائے، ہمارا نے دراصل صرف
 رکھنا تھا کہ چونکہ مسلمان نوجوان ہزاروں کی تعداد میں فوجی ہیں مگر جب اس نے یہ سارے فوجی ایک ہی مقام پر
 کھڑے دیکھے تو اس کے حواس باختہ ہو گئے، اس نے اندازہ لگا لیا کہ تحصیل سندھ و قریب قریب کا علاقہ ہے اگر اس
 ایک قبیلہ کے پاس تھا تو لشکر تربیت یافتہ فوجیوں کا مروجہ طریقہ ہے کہ تحصیل کے دوسرے قبائل ملدیاں
 ڈھونڈ لیا، تیریاں، سید، نارمہ، گھگڑ، اعوان، کھکھ، جوتیل، منہاس، دلدی اور گوجر وغیرہ کے
 پاس بھی تربیت یافتہ سپاہی ہزاروں کی تعداد میں ہونگے، اگر ان تمام قبائل نے مل کر کسی دہلی بھگت یا بھگت
 پہلے تو میری مٹی بھر دو گروہ فوج ان کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی گی۔

دوسرے دن سردار خان محمد خان اور ان کے ساتھیوں نے ہمارا کے ملاقات کیا اور اس کی دُجوئی کرتے ہوئے
 کہا کہ آپ چونکہ بحیثیت کمانڈر انچیف ریاستی افراتفری میں لائے ہیں اور یہ جو لوگ آپ نے درویشی میں رکھے
 دیکھے ہیں یہ سابق فوجی ہیں اور آپ کی وفادار رعیت کے افراد ہیں۔ انہی لوگوں کی ترائیوں کے پیش نظر برطانوی حکومت کی
 طرف سے آپ کو بڑے بڑے اعزازات ملے ہیں، آپ کو ان کے بدلے نہیں ہونا چاہیے، خان بہادر سردار رضا خان
 نے بھی ہمارا کوٹ لکھی مگر ہمارا کے ملازمین سخت خوف و تشدد اور وہ کسی بات کا معقول جواب دینے بغیر جس کی طرف
 روانہ ہو گیا۔

ہمارا کے استقبال کے لئے تحصیل سندھ و قریب سندھ کے تقریباً سب ہی فوجی افسر و سپاہی ملے
 کوٹ گئے تھے مگر کپٹن حسین خان اور سید خاں حسین شاہ اس استقبال کے خلاف تھے۔ سید
 خاں حسین شاہ اگرچہ فوجی افسر تھے تاہم زبردست انقلابی خیال کے مالک تھے، کپٹن حسین خان
 برطانوی فوج کے اعزاز یافتہ فوجی افسر تھے جن دنوں ہمارا کے آنے کی خبر گرم ہوئی اور سردار خان خان
 نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں کپٹن صاحب خان صاحب کے ساتھ ناراض ہو گئے، ان کا کہنا
 تھا کہ اب دو گروہ سرکار کو دلا سے دے کر اپنے حقوق مانگنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب حقوق طاقت کے بغیر
 ہی حاصل ہو سکتے ہیں، ہمارا کی آمد کے وقت کپٹن حسین خان کو ان پوروی سابق فوجیوں کی قیادت
 سنبھالنے کی پیشکش کی گئی، اور خان صاحب نے بڑی کوشش کی کہ کپٹن صاحب اس اجتماع
 میں شریک نہ ہوں مگر انہوں نے انکار کر دیا، اس بارے میں سردار خاں خان اپنے ایک مضمون میں لکھتے
 ہیں کہ خان صاحب مرحوم نے انہیں سابق فوجیوں کی قیادت کی پیشکش کی تھی جو انہوں نے ہمارا کی
 آمد پر جمع کئے تھے۔ کپٹن حسین خان شہید نے اس کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا کہ ان کے ہونٹوں پر
 ایک طنز مسکراہٹ آگئی اور انہوں نے خان صاحب سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنے گاؤں کا راستہ
 لیا، سردار خاں خان اپنے اس مضمون میں بتاتے ہیں کہ ہمارا چلا گیا تو دوسرے روز کپٹن حسین شاہ
 سے میرا آغا ساما ہو گیا میں نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا اور کہا کہ ہمارا کی آمد پر جو
 نوجوانوں نے جھنڈا لہرایا ہے انہیں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں
 نہ سیاست سے دلچسپی ہے نہ دیکھ کر مجھے سخت دکھ ہوا ہے کہ ہمارا کے استقبال کے لئے
 اتنے مسلمان جمع ہو گئے۔ ہمارے بڑے بڑے مسلمان اس کا قرعہ ہمارا کی خوش آمد کرتے ہیں۔ میں آپ کو

یہ بتا دوں کہ ڈوگرہ حکومت ظلم و تشدد اور قتل و غارتگری سے وجود میں آئی تھی۔ یہ حکومت استبداد
مظاہروں اور گرفتاریوں سے قائم نہیں ہوئی۔ آپ مسلح طاقت کے بغیر آزادی حاصل نہیں کر سکتے
جب کبھی مسلح جدوجہد طاقت آیا اور میں زندہ دلا تو آپ مجھے سب سے آگے دیکھیں گے۔

کمپنیشن خاں شہید اور سید خادم حسین شاہ شہید کے خیالات ایک تھے۔ سردار
محمد یوسف خان بتاتے ہیں کہ جن دنوں بہاولپور کی آمد کی اطلاع ہوئی سید خادم حسین شہید، سردار
گل محمد خان آف سمن گلی اور دیگر چند ساتھی اس پہنچ کر رہے تھے کہ جو بھی بہاولپور ہری سنگھ
کی جیب ایک تنگ گلی سے گزرے اس پر کشتی ہم بھیجا جائے تاکہ پوری ریاست کے مسلمان ایک ظالم انسان سے
نجات حاصل کر لیں، سید خادم حسین اس منصوبہ میں پیش پیش تھے، ہم نے دستی بہا کا انتظام کر لیا تھا اور پتلا
یہ تھا کہ جو بھی بہاولپور مسلم کانفرنس کے مجوزے تھے سے گندے گالی سید خادم حسین مرقع پاکر جیب میں۔ ہم
ہر ایک دس گے لیکن بہاولپور شہر پرستہ پیکس رہا کیونکہ کسی طرح ہائے قوم سردار محمد خان کو تادیبی سرگرمیوں کی
اطلاع ہو گئی اور انہوں نے ہمارے راستے سدود کر دیئے اور ہم ایسا نہ کر سکتے۔

ڈوگرہ فوج کی نقل و حرکت

بہاولپور کے راولا کوٹ میں آمد اور استقبال کا اتر عام لوگوں نے تو یہ لیا
تھا کہ شاید بہاولپور نے مسلمانان ریاست پونچھ کے مطالبات منظور کر
لئے ہیں اور اس لئے یہ راولا کوٹ آیا ہے مگر پونچھ کے تمام سیاسی راہنما اس دورہ کے بعد چکے ہو گئے تھے
انہیں اس بات کا بخیر یقین ہو گیا تھا کہ بہاولپور سے سرخو جاتے ہی ڈوگرہ فوج کو اس سرخو منظم کرنا شروع کر دے گا
اور پھر اپنی فوج کا زیادہ سے زیادہ حصہ پونچھ کی طرف تعینات کرے گا۔

اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے علاقہ سمنوٹی اور بانس کے سیاسی راہنماؤں نے پوری طرح نیشن
لارڈ کو منظم کرنا شروع کر دیا، اس وقت تحصیل سمنوٹی اور بانس میں اس وجہ سے بھیجے جینی و سرائیکی
پہیلی ہوئی تھی کہ پنجاب ہندوستان کے بیشتر شہروں میں شدت سے ہندو مسلم فسادات شروع ہو
چکے تھے اور ان دو تحصیلوں کے ہزاروں مسلمان پنجاب ہندوستان میں ملازمتوں کے سلسلے میں قیام پذیر
تھے، جب فسادات کی انوسٹنگ خبریں ان دو تحصیلوں میں شہور ہوئی شروع ہوئیں تو مسلمانوں کے
دل برسی طرح مجروح ہو گئے۔

سیاسی راہنما بھی خفیہ طور پر دھوپ میں معروف ہی تھے کہ بہاولپور نے دوسرے تمام سرحد

علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد اپنی فوج میں ایک ایک فساد شروع کر دیا، راولا کوٹ کا دورہ کرنے سے پہلے
ریاستی فوج کی تعداد کل تیرہ ہزار تھی مگر جرنیل سکاٹ کے مشورہ سے بہاولپور ۱۲ ہزار سپاہی مزید
بھرتی کئے جس میں جرنیل کے ڈوگرے زیادہ تھے۔ ان میں سے ۵ پشوں کو جدید ہتھیاروں سے مسلح کر کے تحصیل
سمنوٹی اور بانس کی طرف بھیجا گیا، یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بہاولپور نے جوئی فوج بھرتی کی تھی اس میں
کا کچھ نہ، جوں، چنبیہ دیو کے ڈوگرہوں، راجپوتوں اور بانسوں کے علاوہ راشٹریہ سیکو سنگھ کے کارکن بھی
بڑی تعداد میں تھے جنہیں باقاعدہ ریاستی فوج میں لے لیا گیا تھا۔ اس طرح جب یہ لشکر پونچھ کی طرف روانہ ہوا
بھلم نے نہ کھنڈر آباد تک دیا کہ کنا، بے کنا، بے باقاعدہ فوجی کیا کنا قائم ہو گئیں اور فوج کے بڑے بڑے دستے
پونچھ کے تمام اہم مقامات پر تعینات ہو گئے۔ شہر جیرو، ترانگل، راولا کوٹ، پلندہ دی، حورواڑ، منگ
آزار پتین، دوسری طرف بانس، دھیر کوٹ، ہل سنگھ، ساہیاں، چنار، کوبالہ، ٹاٹیاں، سوہادہ، کپہڑ
دیو، ڈوگرہ فوج نے باقاعدہ مورچے تیار کر دیئے۔

اس وقت ان تمام مقامات پر مسلمانوں کی فضاں کئی وغیرہ تیار تھی، جب ڈوگرہ فوج کے بے گام دستے
تحصیل سمنوٹی اور بانس کے مختلف حصوں میں پھرنے لگے تو سپاہیوں نے بلا جھجک فوجوں سے لوگوں کی کچی فضاں
تباہ کر دیا، لاقی شروع کر دی، ڈوگرہ فوجی انہوں نے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور دوسرے سول افسروں
کے زیادہ سناخوں سے جبراً لگائی شروع کر دی، ڈوگرہ فوج جہاں جاتی سامان اور تعمیرات وغیرہ پھیلنے کے
لئے ڈوگرہ کو فوراً ہٹا دیا جاتا اور جہاں شخصیں دیکھ کر مالتے بڑی طرح پٹا جاتا، اس وحشت و بربریت کا نتیجہ ہوا
کہ تحصیل بانس و سمنوٹی میں خوف و حراس پیدا ہو گیا اور یہاں کے مسلمان بیٹھے بھاٹے ایک مذہب میں مبتلا
ہو گئے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان پنجاب کے فسادات کے دوران پونچھ کے ہزاروں ناقہ زندہ
لوگ، مسخیر کے مختلف شہروں میں ماز میں کرتے تھے، جب اخبارات کے ذریعہ ان کو پتہ چلا کہ پونچھ کا پورا
علاقہ ڈوگرہ فوج کے محاصرہ میں ہے اور گاؤں گاؤں پر ڈوگرہ فوج ڈوگرہ کوٹ سے ہی ہے تو ان پریشان
حال مسلمانانہ نچائے وطن کا شرم کی مگر ڈوگرہ فوج نے ریاست میں داخل ہونے کے تمام راستے بند کر دیئے تھے
اس وقت ہمارے کسی شخص کو بھی اندازے کی اجازت نہ تھی، بعض مقامات مثلاً کوٹلہ، کپہڑا اور کراپتین
نچ: پھر ڈوگرہ فوج نے یہ سلسلہ شروع کیا کہ جو جگہ ریاست میں داخل ہوتے ان سے تمام مال و اسباب
لو کر لیتے تھے، لہذا اناس طرح کوٹلہ ڈوگرہوں نے ریاستی سرحد پر ہزاروں مسلمانوں سے ان کی ساری

کی پونجی جیسی تھی۔

اگر اندرون ملک یہ حالت ہو گئی کہ ڈوگرہ فوج کے سپاہیوں کو لڑنے اور گولوں کی صورت میں پوسے علاقہ میں گشت کرنے لگے۔ پہلے یہ اعلان کیا گیا کہ ملک میں چونکہ بد امنی اور فسادات کا خطرہ ہے اس لیے ہمارا جہان اس وجہ سے فوج تینیاں کی ہے کہ ہندوستان پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر یہاں کے ہندو مسلمان بھی آپس میں نہ لڑنا شروع کریں۔ اس لئے تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ ملک میں امن قائم رکھیں اور فوج سے پیدا ہونے والے فسادات کو دوسری طرف ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف متحرک کرنا شروع نہ کر دیا کہ وقت آنے پر ان کے ہمارے کام آیا جائے گا۔

ہندوؤں اور سکھوں کا کردار

ہمارا جہان کے دورہ راولا کوٹ سے قبل تحصیل سرحدی اور باغ کے ہندو اور سکھ مسلمانوں سے دہرہ کدورت کے رکھتے تھے، ان مقامات پر اگرچہ ہندو سکھ بہت کم تھے مگر یہ آپس میں بڑی بھاداری سے رہتے تھے اور ایک دوسرے کے مذہبی و سیاسی جذبات کا احترام کرتے تھے مگر ہمارا جہان کے آمد کے بعد ان کے تیور بدل گئے اور جب ڈوگرہ فوج نے ان علاقوں میں وحشت و دہرہ کے مظاہرے شروع کئے تو ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں سے یکسر آنکھیں پھیر لیں۔ ڈوگرہ فوج کے افسروں نے غصہ طور پر انہیں مسلمانوں سے اس قدر برکشتہ کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو کھانا جانے والی گھروں سے دیکھنے لگے اور برسرہام مسلمانوں کو طنز و تشنیہ کا نشانہ بنایا۔

ریاست پونچھ کے مسلمان حضرت قائد اعظم اور پاکستان کا نام لے لے کر جتنے تھے انہیں ڈوگرہ فوج نے یہاں پاؤں رکھے تھے اس کی شہر ہندوؤں سکھوں نے حضرت قائد اعظم اور پاکستان کے خلاف انتہائی توہین آمیزانہ اظہار استعمال کرتے شروع کر دیے تھے، یہاں تک کہ بعض گستاخ اور بدتمیز سکھوں نے اپنے بیٹوں کا نام پاکستان رکھ لیا۔ اور وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے بیٹوں کو پاکستان کہہ کر لے گئے۔

دیہات میں اکثر ہندو سکھ اور مسلمان اکٹھے کام کیا کرتے تھے۔ جب غیر مسلمانوں کو اس بہبودی کاظم ہوا تو انہوں نے بھی اپنے بیٹوں کا نام ہندوستان رکھ لیا، اس طرح جب مقامی طور پر ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان ممانعت شروع ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کو ڈوگرہ فوج کی دھونس دے کر ڈرانا شروع کر دیا اور ان واقعات کے بعد یہاں کے ہندو سکھ باقاعدہ ڈوگرہ فوج کے لئے جا سوس کا کام کرنے لگے۔ کوئلہ سے لے کر باغ اور پونچھ کے صدر مقام ملک پانڈی سڑک کے کنارے جس قدر مسلمان آباد تھے یہ سب مصائب و آفات

کا شکار تھے، اسی طرح آنا دچن، پندری، منگ، تھروا، جیرو، تھروا کھل وغیرہ کے مسلمان بھی ایک جان لینا پریشانی میں مبتلا تھے۔

کرنی لام نال کی کان میں پونچھ کی طرف سے جو ڈوگرہ فوج راولا کوٹ آئی تھی اس نے تحصیل سرحدی کے مرکزی مقامات پر مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا اور ان مقامات پر جس قدر ہندو سکھ آباد تھے یہ رات دن ڈوگرہوں کے خبر سناں تھے۔

ہندوؤں اور سکھوں کا بہیمانہ کردار یہ تھا کہ جس مسلمان سے معمولی سا دھوکہ جوا اس کے خلاف ڈوگرہ فوج کو اس قسم کی اطلاع دیتے کہ اس کے پاس ہتھیار ہیں یا اس کے پاس پاکستان سے لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع پر ڈوگرہ فوج فوراً دیوہ بول دیتی اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ دیوہ لڑاؤں فاکٹر ہو جاتا اس قسم کے افسوسناک واقعات ہر روز وقوع پذیر ہوتے تھے اور یہ اس قسم کے دلہذاور دہرہ سوز حقائق پر مبنی تھے کہ عالم تحریر میں نہیں آسکتے۔

ہندوؤں سکھوں کی اس افسوسناک کارروائی سے یہاں کے تمام سیاسی راہنما آکاہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ڈوگرہ فوج مسلمانوں کو کیوں پریشان کر رہی ہے، ان سے پھر یہ چاقو تک کیوں جھیں رہی ہے ان کے یہ سارا اسلحہ مسلمانوں کے گھروں سے برآمد کیا جا رہا ہے ہندوؤں سکھوں کی دلکش قسم ہو رہا ہے، مگر وہ کھل کر کسی قسم کی تحریک نہ کر سکتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ پوری ریاست کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے اور اب یہاں کے مسلمان کا پنجاب کی طرف جان سلامت لے کر جانا بھی ناممکن ہے۔

سیاسی راہنما دیکھتے تھے کہ ایک طرف ہندو سکھ نہایت عیاذناہ طریق سے مسلمانوں کا مارا اسلحہ خریدتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ڈوگرہ فوج کے افسران میں گولہ بارود تقسیم کرتے جا رہے ہیں اگر ہندو سکھ دستی بہم فیو بنا سکیں اور وقت آئے کہ یہ بارود یا دوسری ہتھیاروں میں بھی استعمال کر سکیں۔

ریاست پونچھ میں داخل ہو کر کچھ ایک مافک ڈوگرہ سپاہی اپنا لاشن کھاتے رہتے مگر جہان کے ذخیرے ختم ہوئے تو انہوں نے ہتھیاروں اور دوسرے سرکاری ملازمین کے ذریعہ مسلمانوں سے اشیائے خورد و پی کھنی شروع کر دی اور ہندوؤں سکھوں نے رضا کارانہ طور پر ملتی خدمات ڈوگرہ فوج کو پیش کر دیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کا تمام غلہ اور ہتھیار بیکان ضبط کیا جاسکے، مگر مال کے انسورے مسلمانوں کے لئے حکم جاری کر دیا کہ سرکاری خراج ملک میں امن برقرار رکھنے کے لئے تعینات کی گئی ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے خورد و نوش کا

بندہ بہت کہیں، اس ناورشانی حکم کے بعد ڈوگرہ فوج کے دستے ہندوؤں سکھوں کو ساقیوں کے خلاف فاسقوں سے غلام اور بیکریاں جن کر گئے، ڈوگرہوں کا طریق کار یہ تھا کہ پہلے سرکاری اہل کاروں کے ساتھ ہندوؤں اور سکھوں کو گاؤں میں بھیجتے تھے، جب یہ لوگ مسلمانوں سے مسلمانوں کو کہنے تو اس امان خود غم کے فوج کو اطلاع دیتے کہ مسلمان نہ صرف سامان دینے سے انکاری ہیں بلکہ ڈوگرہ سرکار اور فوج کو گالیاں بھی دیتے ہیں اور مسلمانوں پر ڈوگرہ فوج کے سپاہی مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملے کرتے اور مسلمانوں کا رہا سہا آٹا بھی لوٹ لیتے۔ ڈوگرہ فوج کے کچھوں کے قریب اپنے والے مسلمانوں پر حد پریشان تھے کیونکہ ان کو ہر منہ ڈوگرہ افسر کے سامنے سلمان خورد و نوش پیش کرنا پڑتا۔ جب ڈوگرہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فصل مکئی وغیرہ تیار ہے تو انہوں نے حکم دیا کہ ہر مسلمان اپنی نصف مکئی اور نصف گھاس خود لاکر فوجی کیمپ میں بھی کرے بصورت دیگر تمام مکئی اور گھاس ضبط کر لی جائیگی۔ مسلمانوں پر یہ مخصوص قبضہ سرمنوقی و بانگ کے لئے یہ ڈوگرہ فوج کا آخری حلیہ تھا جسے قبول کرنا ان کے سرکات نہ تھی، مسلمان جانتے تھے کہ اگر وہ اپنا غنا و مال بوشیوں کی گھاس ڈوگرہ فوج کے حوالے کر دیں گے خود کیسے زندہ رہیں گے لیکن یہ جاننے کے باوجود قرب و جوار کے مسلمانوں نے مکئی اور گھاس فوجی کیمپ میں پہنچاؤ شروع کر دی، ڈوگرہ فوج کے افسروں نے جیڑاؤں میں ایک مسکھ جاسوس مقرر کر دیئے تاکہ انہیں بدستور یہ اطلاع ملتی رہے کہ کون مسلمان ان کے اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا، جس مسلمان کے خلاف مسکھ جاسوس اطلاع دے کہ وہ مکئی اور گھاس دینے سے انکاری ہے تو ڈوگرہ سپاہی نہ صرف اس کی تمام مکئی اور گھاس ضبط کرتے بلکہ اس مسلمان کو جیڑا کر کئی دن تک سوئے کھدا اتے تھپتے، ان تمام روح فرساقتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے لئے لاؤ لاکھ کے مقام پر وارد ہئی مسلمانوں کا جو لشکر دیکھا تھا یہاں کا بدلہ تھا ہمارا جس نے اس فوجی مظاہرہ کو فوجی استقبال کا یہ حل تجویز کیا کہ مسلح ڈوگرہ فوج کی کئی پیشیں پونچھ کے پورے علاقہ میں پھیلائی جائیں اور انہیں لوٹ مار کی کھلی اجازت دی جائے۔

سردار محمد ایوب ایم خاں کا دورہ

ایسکی کے کرن شتیب ہو کر بہت سیشن میں شامل ہوئے تھے اور اس کے بعد وہ وکالت کے سلسلہ میں جہوں چلے گئے تھے جب انہیں ڈوگرہ فوج کی وحشت و بربریت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے اشتیاقی حلقہ کا دورہ کرنے کا پروگرام بنالیا تاکہ حالات کا جائزہ لے سکیں،

وہ اپنی تعینت کشمیر کی جنگ آزادی میں ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ ریاستی ایسکی کے محنت اجلاس کے بعد راقم الحروف اپنے انتہائی حلقہ پونچھ اور خاص طور پر تحصیل سرمنوقی و بانگ کے دورے پر روانہ ہو گیا، ریاست کا یہ دونوں تحصیلیں پاکستان کے شمالی حصے اور میں نے جوں سے پونچھ جاتے ہوئے راستہ میں جگہ جگہ قیام کر کے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ ایک سیاسی جماعت کی صورت میں منظم و متحد العمل ہوجائیں۔ اہل حقان بھی ملاقاتوں میں سے ان علاقوں کے مسلمانوں کو آئندہ پیش آنے والی ایک خطرناک صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس امر کا بھی غور ہے کہ ڈوگرہ فوج اس علاقہ کے مسلمانوں کی نسل کو ہی نیست و نابود کر دے، ان حالات میں کشمیری مسلمانوں کو جس نے یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ ایک فوجی تنظیم کی صورت میں مسلح ہو کر ان نازک حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہوجائیں اور ان لوگوں میں جو شش و خروش پیدا کرنے کے لئے میں نے کئی جگہ جری مشورہ تقریریں کیں، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں کے مسلمانوں کے حلیے بلند ہو گئے اور وہ ڈوگرہ مارے کے ظلم و ستم کے خلاف سیدہ سپریو نے کے لئے فوجی تنظیموں کی صورت میں متحد ہونے لگے۔

اگرچہ انہوں نے اپنی یہ دفاعی اور خود حفاظتی کی سرگرمیاں جیتھ راز میں لکھیں لیکن یہاں کے ہندوؤں نے میری اکثریتوں سے مخالفت جو کہ ڈوگرہ حکومت کو میرے خلاف ایک قوت کرنے والی فیوض مارا نہ تھی جی شروع کر دی، اس دوران جب کہیں لاؤ لاکھ میں شہر اچھا تھا ایک رات اس علاقہ میں کچھ غیر ریاستی لوگ گھومتے ہوئے نظر آئے جس کے حلقہ مجھے بتایا کہ وہ پانچاب کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مگر ڈوگرہ فوج نے انہیں مسلمانوں کا حامی ہونے کے شبہ میں گرد و نواں کے کئی دیہات پر بھاپے مارے اور کئی پگلاہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے زکوٰۃ کو بکھا اور لاؤ لاکھ کے ایک قریبی گاؤں میں مسلمان عورتوں کی سربراہر آرمڈ ریزی کی گئی، اس شرمناک حادثہ کے دوسرے روز میں نے لاؤ لاکھ میں ایک جلسہ عام منعقد کرایا جس میں علاقہ کے ۲۰ ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور اس عظیم الشان جلسہ میں میں نے ڈوگرہ فوج کے مظالم کے خلاف باغیانہ تقریریں کیں اور ریاست پونچھ کے لوگوں کو بتایا کہ ریاست کی سرحدوں سے لاکھوں مسلمانوں کا ایک آنا دھو خوار ملک متروک ہو چکا ہے جس نے ان کے لئے اور قیام پاکستان کا یہ عظیم واقعہ کسی نہ کسی صورت میں ریاست کے مسلمانوں پر بھی اثر انداز ہو گا، لہذا میں نے انہیں تلقین کی کہ وہ اپنے حلیے بلند کر کے اور ڈوگرہ فوج کے ذلت آمیز سلوک کا سہہ توڑ جواب دینے کے لئے تیار رہیں۔

سردار محمد بلایم خان مزید کہتے ہیں کہ اپنی اس تقریر کے بعد میں نے پونچھ کے ایک وزیر یعنی دین محمد صاحب سے بھی طویل بات چیت کی لیکن اس نے بتایا کہ میں فوج کی ان جاہانہ کاروائیوں کو روکنے کا اختیار نہیں رکھتا پونچھ کے اس دور کے بعد سردار محمد بلایم خان اپنے اہل دیوال سمیت ۱۵ جون ۱۹۴۷ء کو سرینگر چھ گئے اور وہاں انہوں نے مسلم کانفرنس کے دیگر رہنماؤں سے پونچھ کی تازہ صورتحال پر تبادلہ خیال کیا کیونکہ اس وقت یہاں کی حالت بڑی تشویشناک تھی اور اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ کوئی فوری اقدام اٹھایا جائے سردار محمد بلایم خان کے دورہ اور پھر جس تقریروں کا فوری نتیجہ نکلا کہ ڈوگرہ حکام نے تعمیل سمونی و باغ میں دفعہ ۴۴۴ کا نفاذ کر دیا اور مسیحی جموں کی شک کی بنا پر مسلمانوں کو سخت سے سخت سزا دی جانے لگی اور ریاست کی سرحدوں پر کڑی نگرانی ہونے لگی تاکہ باہر کی دنیا سے اہل پونچھ کا کوئی رابطہ نہ رہے ان مسلسل ہراسنا کاروائیوں کے باعث مسلمانوں نے پونچھ کے اہم اسات و فہد بات مجروح ہوتے جا رہے تھے لیکن ان کے سامنے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ڈوگرہ فوج کی برہمت کے خلاف خالی ہاتھوں ہی اٹھ کھڑے ہوں

تعمیل سمونی و باغ کے سیاسی رہنماؤں نے خفیہ طور پر نیشنل گارڈ کو منظم کرنا شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف سرینگر میں سردار محمد بلایم خان سے بھی رابطہ قائم کیا تاکہ انہیں پونچھ کے تازہ حالات سے آگاہ کیا جائے اس وقت ایک بڑی غلطی یہ تھی کہ تعمیل سمونی و باغ کے سیاسی رہنما مسلم کانفرنس والے کان کی پالیسی قطعی طور پر بے خبر تھے اور وہ از غور کسی اہم فیصلہ کی پوزیشن میں نہ تھے۔

سرینگر پہنچنے کے بعد جب سردار محمد بلایم خان کی یارت پونچھ کے مزید حالات سے مطلع

چوہدری جمیل اللہ خان کا ڈوگرہ راولاکوٹ

کیا گیا تو انہوں نے وہاں بات چیت شروع کر دی و سردار صاحب کا مطلب یہ تھا کہ تعمیل سمونی و باغ سے ڈوگرہ فوج واپس بلائے جانے کیونکہ فوج نے بے گناہ مسلمانوں کو لوٹا اور زکوٰۃ کرنا شروع کر دیا تھا اور یہ کہ انہیں کسی وقت ملک میں بڑا مسئلہ نہ ہو جائے مگر ڈوگرہ مسلمانوں کی طرف سے انہیں یہ جواب ملا کہ اس تمام مسئلہ کو حل کرنے کی ذمہ داری آپ پر عائد تھی ہے کیونکہ آپ نے یہی ان مقامات پر مسلمانوں کو تقریروں کے ذریعہ شعل کیا ہے۔ ڈوگرہ حکام سے میرا پسند ہے کہ سردار محمد بلایم خان نے جب مسلم کانفرنسی رہنماؤں سے مشورہ کیا اور انہیں پونچھ کے دردناک حالات بتائے تو انہیں یہاں تک مسلم کانفرنس کے تمام مقامات پر چوہدری جمیل اللہ خان خود

راولاکوٹ کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیا اور اس کے بعد جماعتی سطح پر کوئی قدم اٹھایا جائے۔

۲۶ جون ۱۹۴۷ء کو جب چوہدری جمیل اللہ خان راولاکوٹ پہنچے تو باغ اور راولاکوٹ کے سیاسی کارکنوں نے ایک خفیہ اجلاس کا فیصلہ کیا کہ چوہدری جمیل اللہ خان کو تمام اہل مکمل حالات سے آگاہ کیا جائے۔ یہاں ہم آؤ بی اجلاس مولوی نور اقبال خان کنڈیوٹی کی مدد کو ان کے گھر منعقد کیا گیا کیونکہ محل وقوع کے اعتبار سے اس وقت یہی جگہ مناسب تھی۔

اس اجلاس میں تحصیل باغ اور تحصیل سمونی کے تمام نمایاں مسلم کانفرنسی رہنماؤں نے شرکت کی، اس وقت تعمیل سمونی کی تشکیل گارڈ منظم ہو چکی تھی۔ جب چوہدری جمیل اللہ خان مولوی اقبال خان کے گھر جلسہ میں آئے تو نیشنل گارڈ کے رضا کاروں نے جو روپوں میں لباس تھے چوہدری صاحب کو سلام دی اور حفاظت کے سینیٹروں رضا کاران کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ اس قسم کا نظم و ضبط اور شاندار تنظیم دیکھ کر چوہدری جمیل اللہ خان بے حد متاثر ہوئے۔ بعض سیاسی رہنما بتاتے ہیں کہ جب چوہدری صاحب نے سلام دیا تو چوہدری صاحب نے آگے بڑھ کر چوہدری صاحب کو تیار کیا کہ یہ ہماری نیشنل گارڈ کے جوان ہیں ان کو چوہدری صاحب بے حد متاثر ہوئے۔

اس اجلاس میں ملازم دیگر رہنماؤں کے مجاہدوں سردار محمد علی قیوم خان بھی تھے، جب چوہدری جمیل اللہ خان سے بات چیت شروع ہوئی تو سیاسی رہنماؤں نے قرآن و دینان رکھ کر بات چیت شروع کی۔ مولوی اقبال خان بتاتے ہیں کہ اس وقت رات کے بجے تھے جب قرآن کریم مانگا گیا تو میں قرآن کریم طاق سے اٹھا کر دیا اور قرآن کریم چوہدری صاحب کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا کہ چوہدری صاحب اب آپ کو ہم پر مشرہ نہیں ہونا چاہیے اور میں آپ پر مشرہ نہیں کیونکہ ہمارے درمیان کلام اللہ ہے اور یہی ہمارا گواہ ہے ہم عہد کرتے ہیں کہ کسی وقت بھی پونچھ کی سرزمین سے ڈوگرہ برہمت کے خلاف جہاد شروع ہو جائے گا میں منظم ہوں گے کہ ڈوگرہ فوج نے ہمارے تمام مائستے بند کر رکھے ہیں لیکن اب ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم بہت سہرہ بون اور میلان جنگ میں لڑ کر جان دے دیں، اس کے جواب میں چوہدری جمیل اللہ خان نے بھی بڑی مؤثر گفتگو کر دی تمام سیاسی رہنماؤں کو یقین دلایا کہ انشا اللہ جماعتی طور پر برہمت ہی جلد ہم فیصلہ کیا جائیگا، آپ لوگوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں ان کو آپ کے علاقہ میں ڈوگرہ فوج نے جو جو سہیاہ کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد خود کر لیا ہے اب اس ملک کی کوئی بھی بات مجھ

سینکڑوں مسلمانوں نے ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لئے اپنی زمینیں ہندوؤں کے ہاتھ گھونٹ رکھ دیں۔

سری لنکا میں جلاس

پرنسپل جلاس نے خان لدا لاوٹ کے دور سے جزائرات کے سربراہ کے لئے قلعے

ان کے بیٹے پرنسپل نے ضروری ہو گیا تھا کہ مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ جاسمینی طور پر ہونی چاہیے اور واضح ہو گا کہ مرتب کئے، اس وقت سربراہ کے تمام مسلم کانفرنسی کارکنوں کو اپنا پچھلے پناہ دہنے والی ان ہی مصیبت سے آگاہ تھے اور انہیں علم تھا کہ پچھلے پناہ دہنے کی طرف ان کی بدقسمت جاتی جارہی ہے۔ اور ڈوگرہ حکومت کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ اس علاقہ کے بہادر لداوٹ کے پناہ دہنے کی غرض سے، معاشی طور پر تباہی طاعت کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ ہمارے

جب بھی پچھلے عوام کی خواہشات کے خلاف تمام اٹھائے تو مسلمانانِ پچھلے کی طرف سے کسی بناوت کا منظرہ نہ رہے ان تمام روج فرما دیا جو مذاہبات پر غور کرنے کے لئے ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء کو مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ ایک ایک اجلاس میں شریک ہو کر ہندوستان میں سیاست میں کوشش کر رہے تھے اور وہ مسلمانوں نے شرکت کی اس تاریخی اجلاس کی صدارت پرنسپل جلاس نے کی تھی، اجلاس میں شرکت کرنے والے بعض کارکنانِ کانپنا ہے کہ سربراہ پچھلے جلاس نے خان کے پرنسپل جلاس کی طرف سے تمام کانفرنسی کارکنوں نے سیاست کو خود بخود رکھنے کا مشورہ دیا تھا پچھلے جلاس نے خان کے پرنسپل سے بھی ہوئی یہ تجویز مجلسِ عاملہ کے کارکنوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے

کہا کہ پچھلے جلاس خان نے جیل سے ہرگز اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ریاست میں کوئی گروہ ہمارے ماتحت خود قائم نہ کیا جانا چاہیے، اس وقت صدر مقام پچھلے کی طرف سے سید ظہیر حسین شاہ اور الحاج محمد قلیوب شاہی اجلاس میں موجود تھے اور تحصیل سندھوئی و بانا کی طرف سے سربراہ محمد لطیف خان، سید حسن شاہ گریزی لادروایا، محمد خان

و سربراہ محمد گم نان بھی تھے، سربراہ محمد لطیف خان نے سب سے پہلا اس تجویز سے اعلان کیا، سربراہ محمد لطیف خان کے خیال سے پہلے کو کافی کارکنوں کو مختلف قباہات کا کھانا تھا کہ رعایت کے سربراہ چھپ رہی غلام عباس خان کی تجویز پر سید گریزی نے خود کیا جاسے، محکمہ جلیلہ و زانی، غلام محمد امین ترینو، خواجہ عنایت اللہ گریزی، سربراہ خان

سید حسن شاہ گریزی، سربراہ محمد گم نان، الحاج محمد قلیوب شاہی، سید ظہیر حسین شاہ وغیرہ بھی اختلاف کیا تو اجلاس سے ایک ضرورت سے بظاہر کی صورت اختیار کر لی، سید ظہیر حسین شاہ کا کہنا تھا کہ ریاست میں کوئی گروہ

فیصلہ لداوٹ مسلمانانِ پچھلے ہے، یہاں کا ہر مسلمان پاکستان کا شہری ہے، ریاست میں کوئی گروہ کی معیشت تجارت ظفری طور پر پاکستان سے وابستہ ہے، ریاست میں کوئی گروہ کی تعلیم کو طویل سرحد پاکستان کے ساتھ ملتی ہے اور پاکستان و برسات میں کوئی گروہ کی تعلیم کو طویل سرحد پاکستان سے ملتی ہے اور بدی ہے، مذکورہ

سے مخفی نہیں۔

چند روز بعد جلاس نے خان کی واپسی کے بعد سیاسی کارکنوں و رہنماؤں نے پھر دو روز صوبہ شروع کر دی مگر دو سہی طرف وزیر پچھلے دیوان جیمس نے سربراہ محمد بل جیم خان کے پچھلے میں داخلہ پر پابندی لگا دی اور سربراہ کے ڈوگرہ حکام کو سختی سے تاکید کر دی کہ سربراہ محمد بل جیم خان پر سربراہ کے پناہ دہنے کی پابندی لگا دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ پچھلے میں داخل ہو کر جلسے ہوسوں کا آغاز کریں۔

۲۲ جون ۱۹۳۲ء سے لے کر جولائی کے وسط تک تحصیل بانا و سندھوئی میں کافی افسوسناک حادثات رونما ہو چکے تھے، اس دوران ڈوگرہ فرس نے سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو بے گناہ پچھلے کے پناہ دہنے کی طرف سے قلم و تشدد میں دن بدن اضافہ ہونے لگا، یہاں تک کہ ریاست کا سلسلہ مواصلات پچھلے سے بالکل ہی متعلق ہو گیا۔ ڈوگرہ فرس نے دیا ہے جہلم کے ساتھ ساتھ جو حفاظتی چوکی قائم کر دی تھیں ان پر سے ہندی شروع ہو گئی۔

تجارتی بحران

یہ ایک سلسلہ حقیقت تھا کہ ریاست پچھلے میں ۱۰ فیصد ہندو تاجروں کا رہنا تھا اور مسلمان

کی تجارت کی گلیاں ہی لوگوں کے ہاتھ میں تھیں، جب ڈوگرہ فرس نے ریاست پچھلے میں داخل ہو کر دندنگ کے مظاہرے شروع کئے تو یہاں کے تمام ہندو تاجروں کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ ڈوگرہ سرکار ایک طے شدہ پالیسی کے تحت مسلمانانِ پچھلے کو ختم کرنا چاہتا ہے اور اب حکومت کے ان مسلمانوں کے لئے انصاف

کی کوئی گمان نش نہیں اس وجہ سے ہندو تاجروں نے گراں فروشی شروع کر دی، جن میں ہندو سکھ و لداوٹ کے پاس اشتیاع خورق کا ذخیرہ تھا انہوں نے کچھ دن تک تو مسلمانوں سے من مانے دام وصول کئے مگر جب حالات کی گرفت مضبوط ہوئی تو انہوں نے ہر چیز کی قیمت میں لگا بڑھادی، یہاں تک کہ تحصیل بانا و سندھوئی میں

تک پانچ روپے سیر فروخت ہونے لگا، اس بددیانتی اور سازش کا نتیجہ یہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی تمام بیچ بونی ہندو تاجروں کے پاس چل گئی اور مسلمان بالکل ہی تہی دست ہو گئے، یہاں کے ہندو تاجروں نے خود بخود بے مثال ہمارت رکھتے تھے۔ جب مسلمان ضروریاتِ زندگی کے لئے ترسے گئے اور دیر سے پیسہ بھی کسی

کے پاس نہ رہا تو تاجروں نے ان کے مال کو بیچنے کے لئے گراں نہیں نکلا، چائے، گڑہ اور پکڑا دینا شروع کیا، ہندو تاجر ڈوگرہ فرس سے مل ملا کر سامان تجارت ریاست میں لانے اور مسلمانوں کے ہاتھ ہونے کے بعد انفرخوت کرتے اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان ایک زبردست معاشی بحران کا شکار ہو گئے۔ اس دوران

لکین کا مطالبہ تھا کہ اس شخص میں پاکستان کے ساتھ اتحاد کی قرارداد منظور کی جانی چاہیے مگر کچھ دن لگیں کہتے تھے کہ اس بات کی ادائیگی تک نہ ہو جلد بازی سے کام نہ لیا جائے بلکہ پورے غور و فکر کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ دوسرے دن چوبیس بجے غلام عباس خان کی تجویز واپس لے لی گئی اور جن کو کشمیر مسلم کانفرنس کے مجلس عاملہ کے لکین نے پوری جرأت سے ریاست کے پاکستان کے ساتھ اتحاد کی قرارداد پاس کر دی، اس وقت ریاست میں کشمیر میں مسلم کانفرنس ویشنل کانفرنس کے علاوہ کشمیر سوشلسٹ پارٹی، کسان مزدور کانفرنس، کینٹ پارٹی، شیعہ و دیگر ایکٹوینس، پراپریش پلرٹھ اڈمیریٹینڈوں کی پارٹی ریاست کے سیاسی معاملات میں حصہ لے رہی تھیں بلکہ کسان مزدور کانفرنس نے تو ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہی اتحاد پاکستان کی قرارداد پاس کر دی تھی کسان مزدور کانفرنس کے جلسہ خارجہ میں اسلام آباد خاص اشتراکی دے کے آئی تھے اور انہیں ویشنل کانگریس و مسلم لیگ دونوں پر شکست ہو چکی تھی کہتے تھے ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب حالات کا مزہ یہ غور کرنے کے لئے انکی جماعت کا ایک اجلاس سرینگر میں منعقد ہوا تو تمام حاضرین بلسہ کلاخاں کے علاوہ خوارکش میر کا مطالبہ پیش کیا گیا مگر جب پینٹ پریم ناتھ بزانے نے خلافت توحید اتحاد پاکستان کی قرارداد پیش کی تو حاضرین دم بخور ہو گئے، اس قرارداد میں واضح طور پر مہاراجہ جیروسی سنگھ کو شہرہ آفاق حکمران کہا گیا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کے احساسات و جذبات کا احترام کرتے ہوئے وہ ریاست کا اتحاد پاکستان کے ساتھ کر سکیں۔ ریاست کے تمام مسلمان پاکستان کے حامی ہیں بزانے نے واضح الفاظ میں یہ کہا تھا کہ مہاراجہ کو شک ہے تو وہ اس سب سے شک نہ شہری کر لے کر دیکھ لے خوار و میں کہا گیا تھا کہ اگر مسلمانان ریاست کے احساسات و جذبات کا احترام نہ کیا گیا اور ریاست میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہو جائیں گے، کسان مزدور کانفرنس کی قرارداد بھی ایک تاریخی حیثیت کی حامل تھی مگر اس کا اور فیصلہ کن قرارداد آئی جو کشمیر مسلم کانفرنس کی تھی کیونکہ ریاست میں کشمیر کے مسلمانوں کی اکثریت جماعت مسلم کانفرنس ہی تھی جس کا دائرہ اثر ریاست کے ۸۰ فیصد مربع میل علاقہ پر تھا اور وہاں کشمیر کے اندر و باہر اس کے کارکن تھے۔ کہنے پر یہ کہتے تھے کہ اس کے برعکس کسان مزدور کانفرنس اور اس نوع کی مسلم کانفرنس کی لابی کان کے کچھ راہنما سب سے زیادہ اتنے کا کہنا ہے کہ چوبیس بجے غلام عباس خان نے جلسہ سے خود بخوار منبر پر اتر کر اس کی تھی مگر جب بڑی صاحب کے قریبی حلقے میں یہ گواہی دی کہ ان کے اپنے خیریت بھی سرینگر میں تھے اور انہوں نے حضرت قائد اعظم کے اسم کا ایک خط لکھا تھا جس میں قیام اعظم نے چوبیس بجے صاحب کے درایت کی تھی کہ ریاست کو خود مختار رکھا جائے اس وجہ سے چوبیس بجے صاحب نے چوبیس بجے غلام عباس خان کو یہ خبر دی کہ کچھ بھی ہو مگر کچھ نہیں ہو کر چوبیس بجے صاحب نے کوئی غلط کاری نہیں کی۔

مسلم کانفرنس راہنماؤں کی سرگرمیاں

دوسری جماعت صرف سرینگر میں ہی قائم تھیں جن کے ساتھ دودھ چارادر تھا اس لئے ایسی کی جماعت کا قرارداد پاس کرنا نہ کرنا برابر تھا البتہ اصل سوال آئی جو کہ کشمیر مسلم کانفرنس آرڈیننس کانفرنس کے نقطہ نظر کا تھا اور مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے مکمل کر کے اپنے وقت کا اظہار کیا تھا۔

۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کے بعد سرینگر کی سیاسی فضا بے حد گرم ہو گئی تھی کیونکہ پاکستان مسلمانان ریاست کی نمائندگی ان مسلم کانفرنس کی قرارداد پاکستان کا شدید رد تھا دوسری طرف کانگریسی لیڈروں کے گماشتوں نے بھی مہاراجہ کے چاروں طرف اپنا حلقہ مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا، مہاراجہ ریاستی مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے پوری طرح آگاہ تھا اور اسے معلوم تھا کہ مسلم کانفرنس کے تمام اراکین و فیصلہ کے بعد یقیناً ریاست میں ایک انقلاب بیکر تبدیل کے اثرات نمایاں ہوں گے، اسے ریاستی مسلمانوں کی اجتماعی اور فرقی قوت کا بھی احساس تھا کیونکہ اس کا نظریہ چودہ لاکھ نوے گز زمین پر ملتی انھوں نے دیکھ کر کہا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنی گورننگ کونسل پر کمانڈر اور ان سرحدوں کے مسلمان اس گدہ گدہ قوت کے ہندو کا شکار ہوتے رہے جب کہ اس میں سے بھی تھیں، مہاراجہ نے ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کے بعد کانگریسی لیڈروں کا خیر قبول کرنا شروع کیا بلکہ ہندوستان کی انتہا پسند اور فخر پرست جماعتوں کے کارکنوں کو بھی کھلے عام ریاست میں سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دیدی تاکہ اس طرح وہ اپنے دامن میں صیلا ب کر دے کہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو سرینگر کے اجلاس میں لابی کے فیصلہ کے فوراً بعد یہاں تھا کہ مسلم کانفرنس کے تمام راہنما اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں اور جماعتی طور پر حالات کو معتدل پر رکھنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ تھی کہ جب تحصیل سرگودھی دہانہ کے راہنما واپس آئے تو انہوں نے یہاں کے پریشان حال مسلمانوں کو پڑھان رہے تھے کہ ان کے لیے مہاراجہ بہت سی دیکھ مسلم کانفرنس کے فیصلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرے، مگر چوبیس بجے کان کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس آئے تو انہیں مہاراجہ نے ایک خصوصی آرڈیننس کے ذریعہ مسلمانان ریاست پر پورے تمام مسلح فوج کے حکم دے دیا۔ حالانکہ یہاں کے مسلمانوں سے پہلے ہی اسلامی توہینوں نے خرید لیا تھا اور جاتی تھا تھا وہ ڈوگ فوج کے سپاہی اپنے اپنے گھر پہنچے تھے مگر ہندوؤں سکوں کے حملے کے تھے تھے۔ چنانچہ جب ریاست پر پورے حکام کو مہاراجہ کا دوسرا حکم ملا تو وہ فوراً پریس اور فوج نے مل کر اس کی فوج کے پہلے پھر ایک مرتبہ علاقہ میں گشت شروع کر دی۔ ڈوگ سرکار کے ہندو خلیفہ پریس میں بھی بعض مسلمان ملازمین پریس نے بھی اپنی شرکت اور خود اوری ڈوگ کے حملے کوئی اور انہوں نے ڈوگ فوج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے بچے، مرے اور گئی فوج

کبھی آگاہ کیا مگر ۱۹ جولا کی قرارداد کے بعد سرحد کے تمام مسلم کانفرنسی بھی زیر غلاب تھے۔ اسی وجہ سے سردار محمد یونس خان یا مسلم کانفرنس کی باقی ماند کے دوسرے لیڈر مسلمانوں کو چھک کر پیشانیوں و زبوں حالی کا عل تلاش نہ کر سکے اور اس طرح ہر روز حالات ابتر ہوتے گئے۔

خفیہ اجلاس

تھیں باغ دستہ صوفی کے مسلم کانفرنسی راہنماؤں نے جب پوری طرح اندازہ کر لیا کہ دیوانہ پن میں وزیر پوچھ ڈوگہ فوج کی وحشت و بربریت کے معاملہ میں پہلو ہتی کرتے ہوئے اس کی تمام ذمہ داری ہری سنگھ کے سر ڈالتا ہے اور خود اپنی گیدڑ بھجیکو سے سیاسی لیناؤں کو بھی ہر عوب کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ انہوں نے لے لیا کہ اب ڈوگہ فوج کے خلاف مسلح بغاوت کے سوا کوئی چارہ نہیں بچتا ریاست پوچھ کے مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ نہ بربز ہو چکا تھا، اس سلسلہ میں مسلم کانفرنسی راہنماؤں نے ایک خفیہ اجلاس مولوی محمد اقبال خان کے گھر منعقد کیا جس میں سردار محمد لطیف خان، سید حسن شاہ گردیزی، سردار گل احمد خان آف سدھن گل، سید خادم حسین شاہ، سردار محمد خان آف دیگ، سردار محمد خان سردار بیہان خان آف سہرن میرہ، سردار علی محمد خان، مولوی محمد اقبال خان اور سردار یونس خان وغیرہ شامل ہوئے۔ ڈوگہ فوج کے خلاف جو کچھ لے نہ تھا لی خفیہ اور ہر اجلاس تھا اس لئے اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی گئی کہ اس میں منتخب اور کارآمد سبائیں شامل ہوں، یہاں تمام سیاسی راہنماؤں نے ایک خفیہ کمیٹی آف ایکشن قائم کی جس کی صدارت سردار محمد لطیف خان کو تفویض کی گئی اور طے ہوا کہ مسلح بغاوت کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ کمیٹی ایک جامع منصوبہ مرتب کرے، سردار محمد لطیف خان کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک منصوبہ مرتب کیا جس سے مذکور بالا تمام راہنماؤں نے اتفاق کر لیا اس اتفاق رائے کے بعد سردار محمد لطیف خان کو اختیار دیا دینے گئے کہ وہ اس منصوبہ کو عملی شکل دیں۔

ڈوگہ فوج کے خلاف مسلح بغاوت کا پروگرام مرتب کرنے کے بعد سردار محمد لطیف خان ادیشن بوستان خان آف راٹھرن خانیہ طور پر مقام تحصیل سدھن گل کا دورہ کیا تا کہ فوجی افسروں کو حالات سے آگاہ کرے انہیں متحد کیا جائے۔ اسی دوران موضع تروٹی کے مقام پر ایک گنجان جنگ میں ایک راٹھرن خانیہ منعقد کیا گیا جس میں کپٹن بوستان خان آف نر، کپٹن افسر خان شہید آف منگ، کپٹن بوستان خان آف راٹھرن، کرنل رت خان، فائر قائد ورتہ خان آف ٹرک، علی اکبر خان آف ٹرک اور صوبیدار حسین خان ویرہ نے شرکت کی۔ اس خصوصی اجلاس میں تمام فوجی افسروں نے جملہ دکانداریاں فاکر مرتب کیا تا کہ ریاست پوچھ کے

لوٹ کر ڈوگہ فوج کے پھوس میں پہنچا شروع کر دیا، تحصیل باغ دستہ صوفی میں سرحدی شروع کی تو یہاں کے ڈوگہ فوج نے ان کی سخت تنگدستی شروع کر دی، دلاکوٹ مسلم کانفرنس کے صدر سردار محمد شریف خان ایم اے۔ این ایل میں جنگ سیکڑی مسلم کانفرنس سردار مختار خان، سردار علی محمد خان، سردار محمد خان اور مولوی اقبال خان وغیرہ چلے ہی ڈوگہ فوج کے ہاتھوں کی نظر میں تھے کہ ان کے ہاتھ میں ڈوگہ فوج کے ملک خاؤں نے دیوانہ پن میں وزیر پوچھ کو اس قسم کی اطلاعات ہم پہنچائی تھیں کہ یہ رات دن دلاکوٹ کے مقام پر پاکستان کے حق میں جلیج کرتے ہیں اور یہاں کے مسلمانوں کو ڈوگہ سرکار کے خلاف بغاوت پر اکساتے رہتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ وزیر پوچھ نے سردار محمد شریف خان، سردار مختار خان، سردار بہرام خان اور ان کے چند ساتھیوں کو شہر پوچھ لاکر دھمکیاں دیں اور واضح معقولوں میں درازنگ دی کہ اگر انہوں نے پاکستان کا نام لیتی زبان سے ترک نہ کیا تو ان کے پورے علاقہ کو گھانا مال کیا جائے گا۔

تھیں باغ میں سید حسن شاہ گردیزی صدر مسلم کانفرنس، سید خادم حسین شاہ، سردار محمد خان سردار دوست محمد خان، سردار محمد کرم خان مسکنہ کوٹلیہ، سردار محمد خان، سردار محمد خان، سید صادق حسین عالم، سید گلوت شاہ، سید علی احمد شاہ، سردار محمد لطیف خان گلٹھ، مولانا میر حامد خان ناصر پند، سردار علی یونس خان، سردار گل احمد خان آف سدھن گل، سردار محمد حسین خان، سید شمس الدین حسین شاہ پوچھ فلام، سردار محمد علی محمد خان، سردار محمد یعقوب خان، سردار محمد نور خان، سردار محمد علی خان ٹوپی وغیرہ سرحدی مل تھے مگر محدود مال اسی کمی کر جاعت کے سرکاری دیہات کے بیرون کوئی واضح لائحہ عمل مرتب نہ کر سکتے تھے۔ تحصیل باغ کے مختلف دیہات میں پہلے ڈوگہ فوج اپنے ٹنک خاؤں کے ذریعہ مسلمانوں کو فوجی رہی مگر جب ہوا اور نے مسلمانوں سے اسلحہ ضبط کرنے کا حکم بھیجا تو ڈوگہ فوج کے سپاہیوں میں بٹ کر تمام دیہات میں پھیل گئے اور انہیں یہاں تک میں دی گئی کہ مولوی مولوی بات پر مسلمانوں کو گرفتار کر کے بارے کے قلعہ میں پہنچا دیتے اور یہاں ان بے گناہ مسلمانوں سے باقاعدہ کام لیا جاتا۔ سیاسی راہنماؤں نے بار بار حالات کی سیٹھی سے وزیر پوچھ کو آگاہ کیا مگر وزیر حکام سرحدی کا پابند تھا اور وہ انہیں کوئی بھی کام نہ کر سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ کر مسلمانوں کی تشفی کرنے کی کوشش کرتا کہ تم راہنما رہو کیونکہ فوج ہوا اور ہری سنگھ نے ملک میں ان تمام کرنے کے لئے بھیجے ہیں، جس فوجی معاملہ میں بغاوت نہیں ہو سکتا، لیکن ملک کا یہ حال تھا کہ فوج کسی کو نہیں دیتے نہ تھی، تحصیل باغ اور سدھن گل کے راہنماؤں نے فوج کے متعلق مفام سے سرحدی سردار محمد علی

کے مرکزی مقامات پہنچا ہوا دو گروہ فریج پر ایک ایک ہل بول دیا جائے اور فوراً ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر کے ملک کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب بھی کپٹن حسین خان اپنے طور پر سابقہ فرجی افسروں و سپاہیوں کی فہرست مرتب کر رہے تھے۔

سیاسی کارکنوں کی کمیٹی آف ایکشن نے جو منصوبہ مرتب کیا تھا اس میں یہ بات تھی کہ کس طرح انڈین اور اٹلی وغیرہ سرحدوں سے اسلحہ لایا جائے اور اس کے بعد اگر گت ۱۹۳۶ء کو رات کے تین بجے ہندو گت تحصیل اور ڈی۔ پان تحصیل کوٹلی، پونچھ اور مدرا پور کے ہل ایک وقت ڈانٹائیٹ سے اڑائے جائیں۔ اس طرح جب پونچھ کی طرف آنے والے تمام راستے منقطع ہو جائیں تو لوہ لا کوٹ، بارہ، پلندی اور دیگر تمام مرکزی مقامات پر متعین ڈو گروہ فریج پہلے بول دیا جائے اور دو گروہ فریج سے ہتھیار چھین کر مسلمان سابق فوجیوں میں تقسیم کئے جائیں، سیاسی راہنماؤں کا یہ منصوبہ تھا کہ اس طرح سب سے پہلے ریاست پونچھ پر قبضہ ہونے دو گروہ کا صفایا کیا جائے۔ اور اس کے بعد دادی کشمیر اور جوں کی طرف پیش قدمی کی جائے اس سلسلہ میں جب کپٹن افسر خان آف منگ سے مشورہ کیا گیا تو بقول سردار لطیف خان انہیں یقین ہی نہ آیا کہ سیاسی کارکن بھی ایسے خاصہ فوجی اقدام کے لئے تیار ہو سکتے ہیں، لیکن جب انہیں پوری سنجیدگی سے حالات و کوائف سے آگاہ کیا گیا تو وہ اہم ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

کپٹن حسین خان سدوزی قبیلہ کے مایہ ناز سپہ سالار تھے جو دوسری جنگ عظیم میں حیران کن کارنامے سر انجام دے کر کئی اعزازات حاصل کر چکے تھے، جب سیاسی راہنماؤں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا میں سیاسی آدمی نہیں ہوں نہ سیاست جانتا ہوں، دو گروہ تو ہے ہمارے ملک میں داخل ہو کر جو سلسلہ شروع ہو گا یہ ہے سب کے سامنے ہے، اگر پہلے کے طور مسلمانوں نے اس بربریت کے خلاف جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا ہے تو میں بھی حاضر ہوں، جنگ کس طرح اور کیسے لڑی جائیگی یہ سوچنا ہمارا کام ہے صرف تین سو جان بڑیا کر کے مجھے اطلاع دی جائے۔ کپٹن حسین خان بڑے کم گو تھے لیکن جہاں کہتے تھے وہ دو لوگ اور فیصلہ کن انداز میں ہوتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ سدوزی قبیلہ بے حد احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، جب کپٹن حسین خان نے ذمہ داری قبول کرتے ہوئے سیاسی راہنماؤں کو بتایا کہ جنگ کی سیکس تیار کیا، اسپاہیوں کا کام نہیں فوجی ماہرین کا کام ہے اور یہ کام میں خود انجام دے لوں گا تو تمام سیاسی کارکن مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے اس پروگرام کو غنیمت سمجھ کر پوری کوشش کی تھی مگر اس کے

باد جو کچھ ملت فروشن اور خداؤں کے ذریعہ دیوان بیہیم سین دیر پونچھ کو اس کی اطلاع پہنچی اور اس کی اطلاع پٹانیا ٹیلس وار کونسل کے تمام راکین کو گزرتی کرنے کے لئے دارنٹ جاری کر دیئے گئے لیکن سیاسی راہنما تحصیل منٹو میں باقی تمام ذمہ داریاں کپٹن حسین خان کو اور بارہ میں سیٹھا رام حسین کو سونپ چکے تھے تاکہ اسپاہیوں کی گرفتاریوں کے بعد یہ حالات کا مقابلہ کریں۔

سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریاں

یہ بتایا جا چکا ہے کہ تحصیل بارہ اور سدھوتی میں ذمہ ۱۴۴۴ء کا فٹا تھا اور جیلے جیلوس پر شدید پابندی عائد تھی، ذمہ پونچھ دیوان بیہیم سین ہر پٹے تحصیل بارہ و سدھوتی کے سیاسی رہنماؤں کو اپنے پاس بلا کر ڈٹا دھکا مار رہا تھا کہ کارکن آپس میں مل کر قتل کی تحریک نہ چلا سکیں۔ تحصیل مسلم کانفرنس لاہوٹ کے صدر سردار محمد شریف خان سیکرٹری مسلم کانفرنس، سردار خٹافان، ملک اقبال کیل اور سردار بہرام خان دیکل کو تو ہر پٹے پونچھ طلب کیا جاتا تھا کہ انہیں پہلا پھل کھلا کر کھلا کر پرکھا جائے چنانچہ تازہ صورت کال کے پیش نظر جیلاس نے گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے تو ۱۹۳۶ء کو تحصیل سدھوتی سے سب سے پہلے سردار محمد رفیع خان گرفتار ہوئے اور ان کے فوراً بعد سردار خان بہار خان آف کھڑک اور سردار جمیدب خان آف پونچھ کو بلا کر کو بھی گرفتار کر کے پونچھ پہنچا گیا، اس وقت سردار محمد شریف خان صدر مسلم کانفرنس تحصیل سدھوتی کو شہر پونچھ کی پریس میں حدود دہن نظر بند کر لیا گیا تھا، تحصیل سدھوتی سے مذکورہ سیاسی راہنماؤں کو گرفتار کرنے کے بعد تحصیل بارہ سے سب سے پہلے سردار محمد کرم خان آف کوٹھیو مست خان، سید شاہ گزیری صدر مسلم کانفرنس تحصیل بارہ، سردار محمد شرفان، شہزاد دست محمد خان، شہزاد بہرام خان کیل، سردار جابر خان، ہرملہ ملہتوب خان اور سردار علی محمد خان کو گرفتار کیا گیا، ان راہنماؤں کو جب پانچول پونچھ پہنچا گیا تو دیوان بیہیم سین نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی کہ تمام اسپاہیوں اہل پاکستان کا تھوڑا کرک دیں اور اس شرط پر رہائی قبول کریں مگر تمام راہنماؤں نے ذمہ پونچھ کو منہ توڑ جواب دیا اور ریاست کے پاکستان کے ساتھ اہل حق کے غور پر حق میں رہنا گوارہ کر لیا، سید ظفر حسین شاہ اس وقت مسلم کانفرنس ضلع پونچھ کے صدر تھے اور پونچھ کے صدر مقام پر دکان کرتے تھے۔ دیوان بیہیم سین نے ان پر شدید دباؤ ڈالا اور اہل حق کو ہتھیاروں کی پوری کوشش کی کہ وہ سیاسی راہنماؤں سے بات چیت کر کے سمجھوتہ کر لیں مگر سید ظفر حسین شاہ اہل حق محمد یعقوب ہاشمی کو بھی مجبور کیا کہ وہ سیاسی راہنماؤں سے بات چیت کر کے سمجھوتہ کر لیں مگر سید ظفر حسین

اور الحاج محمد متوبہ ہاشمی نے بھی وزیر پوٹھ کی پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے اپنے طرہ پر تمام ہاتھ اٹھائے
جیل میں رہنے کا شروع دیا، ڈوگرو فوج اور پولیس کی وحشیانہ کارروائیوں کے باعث ریاست پوٹھ کے تمام
علاقوں کے حالات ابتر ہو رہے تھے، تحصیل جوبلی اور مہندر میں بھی فوج موجود تھی مگر تحصیل بانہ اور دلاکوٹ
سردھوتی میں تو گویا وہ منظر تھا جو سقوطِ پنجاب کے وقت آثارِ بربادی نے پیش کیا تھا، تحصیل سردھوتی اور بانہ کے
مسلمان بچہ خور فرود تھے، انہیں اب شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ان کے پاس اپنی حفاظت کے لئے
پھری چاقو بھی نہ رہا تھا اور ڈوگرو فوج کے افسر انہیں نیرت ذلیل کرنے کے لئے اب آخری منصوبہ تیار
کر رہے تھے، گرفتاریوں سے بچے ہوئے سیاسی کارکنوں نے جگہ جگہ دفعہ ۴۴ کی دیکھیاں بکھیرنے کا پروگرام
بنایا کیونکہ ان کے نزدیک اب سولے اے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا ایک سیاسی لیڈر یا کارکن بھی جیل
سے باہر نہ رہے۔ اگست ۱۹۴۷ء کو جب فتح آباد کے روز دلاکوٹ کے مقام پر ایک تاریخی جلسہ
شعور کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ڈوگرو سرکار کی نئی پابندیوں اور فوج کی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف
کوئی قطعی فیصلہ کیا جائے چنانچہ جمعہ کے روز جب دلاکوٹ اور اس کے قریبی علاقوں سے ہزاروں کے تعداد
میں مسلمان جمع ہوئے تو یہاں سب سے پہلے شیش گارڈ کے باوردی نوجوانوں کی زبردست پریپارڈیشن
گئی تاکہ ڈوگرو فوج کو مسلمانوں کی عسکری تنظیم کا احساس ہو۔ شیش گارڈ کے جوانوں نے کبھی بانہ اور تمام
سرکاری دفاتر کے سامنے سے چکر لگائے،

پریڈ کے بعد جب مسلمان میدان گاہ کے میدان میں جمع ہوئے تو نماز جمعہ کے بعد ایک عظیم الشان
جلسہ اہتمام کیا گیا۔ مولوی سید غلام نبی انہوں نے جب ایک
دولہہ انجینئر نظم پڑھ کر سامعین کے غلبہ گرمائے توجہ کا عروج جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور تمام
سیاسی کارکنوں و لیڈروں نے اپنی اپنی تقریریں میں دفعہ ۴۴ کے منہ پر اڑائے۔ سردار محمد خان
آف واڑہ، سردار خٹا رغان آف راولا کوٹ۔ آ۔ ایس محمد حسین خان وغیرہ نے جب پرچش
تقریریں کیں تو مسلمانوں کے چہرے پر جدہ بہ جدہ مسرور ہو گئے، سردار خٹا رغان سیکرٹری تحصیل
مسلم کانفرنس نے اپنی پرچش اور انقلابی تقریر میں کہا بقول سید جمال الدین افغانی ظالم ہونا بھی گناہ ہے
اور ظلم ہونا بھی گناہ ہے۔ اس وقت ہم پوٹھ کے مسلمان مظلومیت کے آخری زمرہ پر کھڑے ہیں، ہماری
تباہی، بربادی اور ملکات کے جو سامان ڈوگرو سرکار نے پیدا کئے ہیں سب کے سامنے ہیں، ہم دیکھتے

ہیں کہ بالکل پرامن شہریوں کی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ تحصیل بانہ اور سردھوتی کا کوئی گاؤں
بھی ایسا نہیں جہاں ڈوگرو سپاہیوں نے داخل ہو کر مسلمانوں کا مال و متاع نہ لٹا ہو، خصوصاً مغزوں کے
گناہ سے جس قدر دیہات تھے ان کی تباہی و بربادی کے مناظر درد فرسا اور جنگ پاش ہیں اور اب ہمارے
ممبر کا جہان بربود ہو چکا ہے، اب ہمارے سامنے ماسوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم ظلم کے خلاف
صف آرا ہوں یا انہوں نے پرمعظم انداز میں کہا، اگر ہمارے بہادر نوجوان دوسروں کے لئے دو دروازے کھول
یں چاکر قربانی ہو جاتے ہیں تو یہ یقیناً اپنے وطن عزیز کی آزادی کے لئے بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں
کریں گے۔

سردار خٹا رغان کی تقریر بعد پرچش تھی۔ ان کے بعد آ۔ ایس محمد حسین نے تقریر کی، دلاکوٹ
کی سرزمین پلاس وقت یہ جلسہ بائیں بغیرت کا واحد اجتماع تھا کیونکہ اس میں تمام مقررین نے دل کھول
کر ڈوگرو بربریت کی مذمت کی تھی اس جلسہ میں شفق طرہ پر فیصلہ کیا گیا کہ تحصیل سردھوتی اور بانہ
کے تمام مسلم کانفرنس رانہا ملک کے سیاسی آزادی کی امور سابق فوجی افسروں کے حوالے کر کے اپنے
اپنے علاقوں میں گرفتاریاں پیش کریں، اس واقعہ کے دوسرے روز تحصیل سردھوتی کے چیرہ چیدہ
فوجی افسروں نے ایک گلیں اجلاس طلب کیا جس میں انہوں نے لے کیا کہ تحصیل سردھوتی اور بانہ
کے ہر گاؤں میں خفیہ طور پر ویکٹیاں بنائی جائیں تاکہ ان کمیٹیوں کے ذریعہ ان علاقوں کے تمام سابق
تربیت یافتہ فوجیوں کو متحد کیا جائے اور جو سول نوجوان مسلمان علاقوں میں موجود ہیں انہیں بھی فوری
تربیت دی جائے۔ اس سلسلہ میں نے رگڑوں کو ٹریننگ دینے کے لئے انٹر ایکو مقرر کئے گئے
اور جگہ جگہ میں راست کو رگڑوں کو تربیت دی جانے لگی،

نیلابلٹ میں اجلاس

دلاکوٹ کے تاریخی جلسہ کے بعد تحصیل بانہ کے سیاسی
رہنماؤں نے بھی جگہ جگہ دفعہ ۴۴ کی خلاف ورزی شروع کر دی
تھی، ہما داول سردار عبدالغلام خان نے بانہ کے سیاسی کارکنوں جس شہ گزیری وغیرہ کی گرفتاری
کے بعد بانہ کے مقام پر زبردست تقریر کی تھی اور اپنی تقریر میں اعلان کیا تھا کہ آج سے ہم مسلمانان
ریاست پوٹھ کو ہر سرکار کو عالمیاد دیکر ٹیکس بند کرنے کا اعلان کرتے ہیں، ہما داول نے بانہ کے علاقہ
اپنے گاؤں میں بھی پرچش تقریریں کر کے نہ صرف لوگوں کو بیدار کیا تھا بلکہ مالیر بند کرنے کا اعلان کیا

بعد بانی کے ڈوگوسپاچوں نے بانے کے چاروں طرف موچہ بندی شروع کر دی ، ا دوسرے روز جب جہنگ
 بحر سے چل کر ہڑی گئیں پہنچا تو لینڈی سے اپنے شاگردوں کا ایک حصہ لے کر لینڈی امیر عالم خان بھی ہڑی گئیں آچکے
 تھے ، ان کے بڑے بھائی مولانا محمد عبداللہ خان کھن گڑھی کا ذکر گذشتہ اوراق میں کی جگہ آچکا ہے ، مولینا
 محمد عبداللہ خان کھن گڑھی اس وقت اپنے گاؤں میں تھے اور زیر پنجہ دیلین مجسم حسن نے ان کو دبانے
 کی بے پناہ کوشش شروع کر دی تھی مگر جب مولینا محمد عبداللہ خان کو جھٹکے آمد کا علم ہوا تو وہ اپنے علاقے سے
 فائدہ برداری کا ایک دلائلہ انگریز حصہ لے کر ہڑی گئیں پہنچے اور تمام حاضرین جلسہ کو پیر خان کی درگاہ میں قیام
 کرایا گیا اور چندہ کر کے تمام حاضرین کے خورد و نوش کا انتظام کیا گیا ، سردار عبداللہ خان کھن گڑھی ، مولوی
 محمد قاسم خان ، بہار علی خان ، سائیں نور احمد خان ، سجادہ نشین زیارت پیر صاحب خان ، محمد علی خان ، سردار علی بہادر خان
 اور شیخ غلام حسین خان نے جلسہ کے حاضرین کے لئے کھانے کا انتظام کرایا ، ہڑی گئیں تعین بان کا ایک دستہ علی مرکز
 ہے ، یہاں تمام قبائل شفا ملدیاں ، نارمہ ، کھکھر ، سید ، گکھر ، ہوتیل اور اعلان وغیرہ کے افراد نے مل کر نذر
 اور پاکستان کے پرچم نے کو جلسہ میں شرکت کی ۔

دوسرے روز جب سرفروش مسلمانوں کا یہ شکر بانے کے قریب اٹھانے کی پاس پہنچا تو ڈوگرو فوج نے تحصیل
 کے ذریعہ فوراً ہی دارنگ دے دی کہ اگر جلوس بان کی حدود میں لایا گیا تو فوراً گولی چلا دی جائے گی ۔
 اس دوران ہڑی گئیں کے ایک شخص رنگ باز نے جس وقت ڈوگروں کا خصوصی فخر تھا بانے کے ڈوگرہ
 افسروں کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ جھٹکے تمام شرکار کے پاس مسلح ہے اور وہ بانے پر قبضہ کرنے کی غرض سے
 آئے ہیں ، اس وجہ سے ڈوگرو افسروں نے اپنی تمام فوج بانے کے چاروں طرف موچوں پر تعینات کر دی ، بانا
 کی حدود میں سید غلام حسین شاہ اور سردار محمد حسین دھڑی غلام محمد وغیرہ نے علی انتظام کو کھاتھا
 رنگ باز کی بغیر پر ڈوگرو افسروں نے یہاں جلسہ کی ممانعت کر دی ، جب مجاہدوں سردار محمد بلقیٹ خان اور
 ان کے ساتھیوں سید صادق حسین شاہ ، غازی محمد شہیل ، مولوی مظفر حسین شاہ ، سید شمس الدین شاہ
 و مولوی محمد بخش وغیرہ نے دیکھا کہ بانا میں داخل ہونا تمام جھٹکے کو ختم کرانے کے مترادف ہے تو انہوں نے
 ہی کے مقام پر سردار محمد یعقوب خان کے مکان کو اپنا مرکز بنالیا اور پیر علی اصغر شاہ کی آمد کا انتظام کئے گئے ۔
 اور پیر علی اصغر شاہ شری بانے کے مسلمانوں کا ایک بدست حصہ لے کر جب بانے کے قلعہ کے قریب پہنچے تو ڈوگرو فوج
 نے انہیں بھی دھپ دھپ کر کے یا محمد یوسف سردار گل بادشاہ کا بیان ہے کہ جب پیر علی اصغر شاہ کا جھٹکے بانے کے قریب پہنچا

تو یہ بھی اپنے علاقے کے مسلمانوں کا ایک حصہ لے کر گلی خانیکن بان میں داخل ہوا جس کا مشکل تھا کہ نہ کہ بانے کے قلعہ میں ڈوگروں نے
 یہیں بھی تعینات کر رکھی تھیں ، پیر علی اصغر شاہ ، سردار گل بادشاہ اور ان کے دوسرے ساتھی بان کی حدود میں پہنچا تو
 گرفت وائر ہو گئے مگر نہ کہ بان میں داخل ہو سکے تھے ۔

ہڈباری میں جلسہ

بانے کے مشرق کی جانب تقریباً دو ہڈباری ایک ہڈباری ملتی تھیں جہاں ایک
 قبرستان میں ہے اور کی خدا رسیدہ بزرگ کذیابت گاہ ہے ، سید غلام حسین شاہ اور
 ان کے ساتھیوں نے جب یہاں جلسہ کیا اور پیر علی اصغر شاہ ، مجاہد بلقیٹ خان کے کلاس جگہ پہنچے تو مجاہدوں سردار محمد بلقیٹ خان
 اور ان کے ساتھی بھی اپنا حصہ لے کر نالہ مارنے کے کنارے کتا سے کتا سے ہڈباری کی طرف چل پڑے ، لیکن اسی دوران
 ہڈباری کے قریب ایک ٹیلہ پر ڈوگرو فوج کے سپاہیوں نے بھی حورچہ لگایا اور یہاں مسلمانوں پر گولیاں
 چلانے کے لئے شین گیس نصب کر دی گئیں ۔

مجاہدوں سردار محمد بلقیٹ خان کے کچھ ساتھی بھی یہ مولوی محمد بخش خان تھے اسی نا اطمینانی کے کنارے آگئے
 میر موجود تھے اسی دوران جب کوالر کی طرف سے دو تین ڈوگرہ سپاہی بھیجوں پہلے یونیشن نے کران کے قریب پہنچے
 تو مولوی محمد بخش وغیرہ نے فوراً ہی تھک کر ان کے بندہ قیس اور خیر بھیجیں میں اور جلد از جلد یہ سامانی سردار محمد
 یعقوب خان کے گھر پہنچا دیا گیا ، مولوی محمد بخش وغیرہ کا اندازہ یہ تھا کہ اس وقت ڈوگرو فوج کے پاس یونیشن نہیں
 ہے اور یہ یونیشن ان کے لئے جارہے تاکہ وہ جلسہ پر گولیاں برسا سکیں ماس خیال سے انہوں نے ڈوگروں سے وہ
 یونیشن اور ان کی بندہ قیس بھیجیں میں ،

دوسری طرف ہڈباری کے مقام پر مسلمانوں کا بے پناہ جھوم تھا ، تمام مقرین مدد مجاہدوں سردار محمد بلقیٹ
 خان اپنی اپنی تقریریں ختم کر کے تھے ، جنہی پیر علی اصغر شاہ تقریر کے ٹکڑے پڑھتے ڈوگرہ سپاہیوں نے بارش
 کی طرح گولیاں برساتی شروع کر دیں ، پیر علی اصغر شاہ کے قریب سو یادہ شریف کا ایک رضا قابل خان پاکستانی
 جہتاً لئے کھڑا تھا یہی گولیاں اس ماہر کے سینہ پر لگی اور اس کے خون سے پاکستانی پرچم کا سفید حصہ سرخ ہو گیا اس
 کے بعد ڈوگرہ سپاہیوں نے مسلسل گولیاں برساتی شروع کر دیں ، جلسہ میں ہلکے ٹکڑے گئی ، رجب پہلے سردار
 محمد حسین خان آت دھڑے اور چہرہ غلام محمد خان جگہ سے نکلے اور ان کے ساتھی مولوی مولوی شمشاد خان
 کرایا ، یہ واقعہ ۲۰ رگت کے قریب آیا ، پیر علی اصغر شاہ نے بلند آواز سے لوگوں کو شہرہ کے لئے کہا کہ اگر ایک طرف سے
 گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اس وجہ سے لوگ منتشر ہو گئے اور مجاہدوں سردار محمد عبداللہ خان ، سید صادق حسین

پیر شہزاد حسین شاہ، مولانا مغیر حسین شاہ و پیر علی اصغر شاہ نالہ مایل عبور کر کے بڑا کی طرف چلے گئے، سید صادق حسین شاہ و شہزاد حسین شاہ موضع پد میں سید نور محمد شاہ کے ہاں رہے، مجاہد اول سردار محمد عزیز محمد خان سرسید میں پیر حسین شاہ کے گھر چلے گئے اور پیر علی اصغر شاہ موضع ہڑ میں خادم حسین شاہ کے گھر پہنچے۔ سید صادق حسین شاہ بتاتے ہیں کہ دوسرے روز ۲ راکٹ کوہاری ملاقات ایک محل میں ہوئی اور اس میں ہم نے کیا کو پیر علی اصغر شاہ اپنے گاؤں سدر میں گئی چلے جائیں اور شیر سے آنے والا راستہ دیکھیں ناکلاس طرف سے مزید فوج بان میں داخل نہ ہو سکے، مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے گاؤں کے قریب پکٹ رک جائیں تاکہ دھیر کوٹ اور چٹال کی طرف سے آنے والی ڈوگرہ فوج کو روکا جاسکے اور سید صادق حسین شاہ و پیر شہزاد حسین شاہ نالہ کہیں کے کنارے موضع پاٹا میں پکٹ رک جائیں تاکہ راولا کوٹ کی طرف سے جو فوج بان کی طرف آئے اسے روکا جاسکے۔ اس پروگرام کے تحت متحدہ راجہ اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ڈوگرہ فوج پر حملے

طے شدہ پروگرام کے تحت جب مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان اپنے گاؤں غازی آباد پہنچے تو گھر سے اپنے والد کی دونی بندو قے لے کر اپنے گھر کے قریب دریا پہنچے تلا میں چلے گئے، اس وقت ڈوگرہ فوج کا ایک دستہ چڑا سے بان کی طرف جارہا تھا، مجاہد اول چڑکر بھارتی فوج کے تربیت یافتہ تھے انہوں نے اس نا اہل یوش و لگا کر ڈوگرہ فوج پر گولی چلا دی مگر ڈوگرہ سپاہی بان کی طرف بھاگ گئے، کشمیری جنگ آزادی کا آغاز دراصل اسی مقام سے (اسی دن ہوا تھا اور اسی وجہ سے سردار محمد عبدالقیوم خان مجاہد اول کے لقب سے موسم چوں کیونکہ سب سے پہلی گولی آپ ہی نے چلائی تھی۔

اور جب راولا کوٹ کے رضا کاؤں کو پتہ چلا کہ جیو کی طرف ڈوگرہوں کی ایک فوج آ رہی ہے تو یونیٹنٹ محمد اختر خان نیشنل کارڈ کے رضا کار نے کروہ خان کے مقام پر پہلے گئے انہوں نے بھی ڈوگرہ فوج پر حملہ کیا اور گولی چلائی مگر جب ڈوگرہ فوج نے گولیاں برسائی تو سردار محمد یونس کو ان کے پانچ رضا کار فوجی لاشیں سکھنا، اسنوٹ، صاحب دین سکھنا، کوہیاں، روشن دین سکھنا، چوٹا لگا، نئی محمد سکھنا، دو تھان اور عطا محمد سکھنا، دو تھان شہید ہو گئے اور اس طرح ڈوگرہ فوج نہ صرف راولا کوٹ آئے اس کے کامیاب ہو گئی بلکہ دو تھان سے لے کر راولا کوٹ تک ملک کے کئی مسلمانوں کے تمام مکانات جلا دیئے گئے، پیر علی اصغر شاہ اولان کے ساتھیوں نے سدر میں بھی کارواستہ رکھا اور یہاں ڈوگرہ فوج کو گھر میں لینے کی کوشش کی مگر اس طرف سے بھی گولیاں

بھراتے ہوئے ڈوگرہ سپاہی بان کی طرف آ گئے اور راستہ میں شرقی بان کے کئی دیہات بھی لٹائے گئے۔ سید صادق حسین شاہ و شہزاد حسین شاہ وغیرہ نے جب نالہ کی طرف سے ڈوگرہ فوج کا کامیاب ہڑکر علاقہ میں اقل ہو گئے تو انہوں نے ۳۰ راکٹ کا ٹائپ کے مقام سے دریائے جہلم عبور کیا اور راولا کوٹ پہنچے گئے، اسی طرح پیر علی اصغر شاہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت راولا کوٹ پہنچے اور مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان دریائے جہلم عبور کرنے کے بعد کوہ مری چلے گئے۔

سید خادم حسین شاہ کی شہادت

ڈوگرہ فوج پر حملہ کر کے بتایا جا چکا ہے تین بجے ہوئے تھے، پہلا حملہ مجاہد اول اور ان کے ساتھیوں نے جری چڑھے کے مقام پر کیا تھا، دوسرا حملہ دو تھان اور محمد احمد سدر میں شرقی بان میں ہوا تھا ان دنوں واقعات کے بعد بلغان میں ڈوگرہ فوج ہو کھلا تھی تھی۔ اس دوران سید خادم حسین شاہ نے علام کے حوصلے بلند کرنے کی کوشش کی مگر عذراں ملت کی بخیری ہڑ ڈوگرہ فوج ان کے درپے ہو گئی تھی، ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو انہیں شاہ میر اور اکبر شاہ کی بخیری ہڑ گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا تھا اور ان کی شہادت کے بعد بان میں ڈوگرہ فوج نے نہ صرف وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کیں بلکہ سینکڑوں مکانات بھی نذر آتش کر دیئے تھے اور تحصیل بان کے بیسیا سی لاکھ چھ ہجڑے علام محمد سردار محمد حسین خان آف دھڑے بھی گرفتار کر کے بان کے قلعہ میں بند کر دیئے گئے تھے اور پھر سے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا جا چکا تھا۔

سید خادم حسین شاہ کی شہادت کی خبر شکر تحصیل سندھوتی کے تمام سیاسی رہنماؤں کا غور کھول اٹھا اور تمام مسلم کانفرنسی رہنماؤں نے مارشل لا کی خلاف ورزی کر کے اپنی اپنی گرفتاریاں چھڑک کر شروع کر دی تھیں، راولا کوٹ کے مقام پر سردار محمد اختر خان، سردار سلطان خان آف ہرنہ میرو، سردار عنایت خان، کھل، سردار علی محمد خان، سردار خان آف راولا کوٹ، سردار محمد عابد خان آف راولا کوٹ، سردار عنایت خان آف علی سوہل اور یونیٹ محمد شرف خان وغیرہ مارشل لا کی خلاف ورزی کر کے گرفتار ہو چکے تھے اور تحصیل سندھوتی و بان پر ڈوگرہ فوج کے مظالم حد سے بڑھ چکے تھے کیونکہ شاہانہوں نے ان دونوں تحصیلوں میں قتل و غارتگری و آتش زدگی شروع کر دی تھی اور ان دونوں تحصیلوں کے سکھ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بانا اور راولا کوٹ کے مرکزوں میں جمع ہو چکے تھے۔

ہندوؤں اور سکھوں کا انجام

اس بات کی وضاحت یہ بھی ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے بلاوجہ بخیری کر کے سینکڑوں مسلمانوں کے گھر لٹائے تھے، چنانچہ

جب خاد حسن شاہ کی شہادت کے بعد تحصیل بارغ کی فضا ملکر رہ گئی تو ہندوؤں اور سکھوں نے ڈوگرہ فوج کے سرکردہ
میں دغواستیں وہی شروع کر دیں کہ ہمیں مسلمانوں سے خطرہ ہے ہماری حفاظت کی جائے، ظاہر ہے کہ ڈوگرہ
فوج ہندوؤں اور سکھوں کی حفاظت نہ کر سکتی تھی کیونکہ یہ کسی ایک جگہ اکٹھے آباؤ نہ تھے بلکہ ہر گاؤں میں ان کے
دو دو چار چار گھر تھے، بارغ اور راولا کوٹ میں مقیم ڈوگرہ فوجی افسروں نے انہیں مشورہ دیا کہ تم اپنا مال متانے
کر کر کے رہیں چلے آؤ چرنک ہم وہاں سے حفاظت نہیں کر سکتے۔

ڈوگرہ افسروں کے کہنے پر تحصیل بارغ اور سدھوتی کے تمام ہندو سکھ اپنے مال مویشی اور مکانات چوں کہ
توں چھوڑ چکا کرتے ان کی طرف چل پڑے اور جہی یہ ڈوگرہ فوج کے کیپٹن ہیں گئے درندہ خصلت ڈوگرہ
سپاہیوں نے ان کی تمام چھوٹی گاڑیاں کچھیں مہانت ہیں اور ہندوؤں سکھوں سے کیپٹن ہیں باقاعدہ ہنگامی جانے
لگی حالانکہ جب انہوں نے گاؤں سے بجائے شروع کیا تھا تو مسلمانوں نے ان کو تین دن دلا دیا تھا کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جا سکا
ہم تمہاری جان و مال کے محافظ ہیں مگر انہوں نے اعتبار نہ کیا اور یہ ڈوگرہوں کی پناہ میں چلے گئے، اب ڈوگرہ
ہندوؤں سکھوں کو مسلمانوں کا غلہ لوٹنے اور محفل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے بھیج دیتے تھے ان کی پوری عمر رتوں سے کام
کھاتے اور جوان لڑکوں سے رنگ دلیاں مانتے تھے، جب سکھوں نے اپنی یہ درگت بدی دیکھی تو انہوں نے پھر اپنے
اپنے گھروں کو بھاگنے کی کوشش کی مگر ڈوگرہ سپاہیوں نے انہیں تشدد کر کے روک لیا اور اس طرح یہ مظلوم
ڈوگرہ سپاہیوں کی زندگی کا شمار ہوتے رہے۔

کیپٹن حسین خان میدان عمل میں

تحصیل بارغ اور سدھوتی کے سیاسی کارکنوں کے آخری
قافلہ کی گرفتاری کے بعد ڈوگرہ فوج نے انہیں تحصیلوں
میں آکر ادا نہ گشت کرنی شروع کر دی تھی انہیں جہاں مسلمانوں کی کوئی بھی لڑائی نظر آتی فوراً پکڑ لیتے جہاں
کسی خبر کے ذریعہ پتہ چلتا کہ دشمن کے گھر میں اچھا سامان ہے فوراً اس کے گھر دبا دہ بول کر سامان لوٹ
لیتے، ان کو یہاں تک بھیجی مل جی تھی کہ جس شخص کو جس وقت چاہتے یا تو گر لیا مار دیتے یا گرفتار کر کے اپنے
یکمپ میں لے جاتے۔

تحصیل سدھوتی کے تمام فوجی افسرین حسین خان کی قیادت میں متحد ہو چکے تھے اور ان کے کئی
خفیہ اجلاس بھی ہو چکے تھے مگر ان کے لئے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ڈوگرہ فوج کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ہتھیار
کہاں سے لیا جائے جائیں، کیپٹن حسین خان ڈوگرہوں سے انتقام لینے میں دیر نہ کرنا چاہتے تھے، انہوں نے

اپنے گھر سے چالیس ہزار روپے نقد لئے اور خفیہ طور پر ہندوئری کی طرف روانہ ہو گئے کیونکہ راولا کوٹ کی
تمام ڈوگرہ فوج رات دن ان پر نظر رکھتی تھی، جب وہ ہندوئری کی طرف روانہ ہوئے تو ڈوگرہ کسی آئی ڈی، پوری
طرح ان کی عجزانی کر رہی تھی ہندوئری کیپٹن حسین خان نے نہایت راز داری سے سردار خان محمد خان بابائے
قوم سے ملاقات کی، جب وہ رات کی تاریکی میں سردار خان محمد خان کے گھر پہنچے تو خیر کسی ملک ملک کے
غصہ کے عالم میں خان صاحب سے مخاطب ہو کر کہا، خان صاحب آپ نے بہا را جہ ہری سنگھ کی آمد پر
راولا کوٹ کے مقام پر مجھ کو ساقی فوجیوں کا میلہ منع کیا تھا اس کا انجام دیکھا ہے؟ آج پوری قوم پر قیامت
ٹوٹ پڑی ہے، ہر طرف ڈوگرہ دندے دندے پھرتے ہیں، راولا کوٹ شملوں کی پیٹ میں ہے، پوری سیات
کی ناگ بندی ہو چکی ہے، مسلمانوں کی بہوشیوں کی عصمتیں سر بار اڑ رہی ہیں اس کا ذمہ دار کون ہے؟ سردار خان
محمد خان بڑے عظیم الشان انسان تھے جب انہوں نے کیپٹن حسین خان کو غصہ کے عالم میں دیکھا تو کہا آپ تشریف لیں
یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ جلدی سے اس پر کوئی رائے دی جا سکے آپ کھانا دیکھو کھائیں تھی سے باقی ہو گی، اس کے
جواب میں کیپٹن حسین خان نے کہا نہ میں تشریف رکھتا ہوں اور نہ کھانا کھاتا ہوں گھر سے قسم کھا کر چلا ہوں کہ جب تک
ڈوگرہوں کو ملک سے نہ نکال لوں گھر میں داخل نہ ہوں گا۔

کیپٹن حسین خان نے یہ باتیں کھڑے کھڑے کیں، جب سردار خان محمد خان نے یقین دلایا کہ وہ ڈوگرہوں
کے خلاف جنگ لڑنے کے حتمی ہیں اور کیپٹن صاحب اعلان کے ساقیوں سے تعاون کریں گے تو کیپٹن صاحب
بٹھ گئے، رات کو کیپٹن حسین خان اور سردار خان محمد خان کے مابین تفصیلی گفتگو ہوئی، سردار خان محمد خان نے کیپٹن
حسین خان کو مشورہ دیا کہ آپ کسی طرح دیر سے جہلم سمندر کر کے راولپنڈی جائیں اور وہاں مندرجہ ذیل نبیلوں
پر پہنچنا اور ان کی تیاری شروع کریں۔

(۱) ان تمام فوجیوں کو حالات سے آگاہ کریں جو سیاست پونچھ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت حاضر سروس
ہیں، انہیں ترغیب دی جائے کہ وہ اپنی اپنی بندوبستوں کے مختلف راستوں سے پونچھ میں داخل ہوجائیں،
(۲) ان تمام فوجی افسروں سے رابطہ قائم کیا جائے جو حاضر سروس ہیں اور انہیں تاکید کی جائے کہ وہ
ہتھیاروں کے معاملہ میں مدد کریں۔

(۳) پشتو زبان جاننے والے لوگوں کے ذمہ ہٹھانوں کے ملک میں بھیجیں اور اس طرح قبائلی علاقوں کے راولا کوٹ
کو جہاں آبادی کثیر کی مدد دیں۔

۳۱۔ جو تم آپس کے پاس ہے اس سے اور کچھ تم میں بھی دو لگا اس سے درجہ دلی بندہ قوس خدیجہ کا صاحب پائے جہلم کے اس پار بہاؤ کا نادی کشمیر کا ایک مرکز قائم کریں تاکہ تمام مہاجدین اس مرکز میں جیں چوری اور پھر انہیں مسلح کر کے ایک دقت مظفر آباد، میر پور اور پونچھ وغیرہ کی طرف بھیجا جائے اس طرح جب جنگ پھیل گئی تو ڈوگرز کی تمام فوج منتشر ہو جائیگی۔ اور ہماری کامیابی یقینی ہو جائیگی۔

سردار خان محمد خان کی نیا فی مندرجہ بالا مشورہ سن کر کیڑی حسین خان کو اچھا لگا اور دوسرے دن وہ راجپوت پڑھے گئے، ان کے جانے کے فوراً بعد ڈوگر فوج حرکت میں آئی، کیچھ ڈوگر کے ان کی ناک میں تھے اور انہیں یقین تھا کہ کیڑی حسین خان ضرور ہمارے خلاف کسی سمت کارروائی کا ارادہ رکھتا ہے، ان کے جانے کے بعد ڈوگر فوراً نے تفصیل باغ اور سرحدوں کے سابق فوجیوں کا تعاقب شروع کر دیا۔

مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان کے گاؤں کی تباہی

یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب ہڈاڑی کے مقام پر حملہ ہوا اس پر ڈوگرہ فوج نے گولیاں برسائیں تو نالہ ملوانی کے کنارے مسلمان رضا کاروں نے ڈوگرہ فوج کی ایک پیش قدمی سے لپک کر ہڈی چھوٹا کر اور سپاہیوں سے ان کی بندھنیں چھین لی تھیں، اس کے فوراً بعد مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان نے اپنے گاؤں کے قریب چٹان سے آگے والے ڈوگرہ سپاہیوں پر گولیاں برسائیں تو ڈوگرہ فوج کا رزق غریب باغ کے ملازم جی بیڑا، نالہ، مکیالہ، چٹان اور دھیر کوٹ کی طرف پھوٹا، ڈوگرہ فوج کے ننگ خواروں، زنگ باز، شمس مڑا سہا ہی نویں تیسرے دھیر کوٹ اور تھانہ دار محمد شریف خان وغیرہ نے ڈوگرہ افروں کو تھیں دلا کر نالہ ملوانی کے کنارے ڈوگرہ سپاہیوں

۱۰ لڑائی میں گولی چلنے کے بعد لوگ تیزی سے دوڑنے لگے اور اپنی جانیں بچانے لگے، کہا جاتا ہے کہ مجاہدوں کو سردار محمد عبداللہ علیہ السلام نے کہا: اپنے گاؤں پہنچنے کو لڑائی کا فائدہ نہ تھا کیونکہ دو گروہوں کو یہ چاہیے تھا کہ ان میں لوگوں نے تانہ لڑائی کے کنا سے دو گروہوں سے آمیزش نہ اور نہ وہیں دوڑیں یہ سردار محمد عبداللہ علیہ السلام کے ساتھی ہیں اور یہ سب کچھ ان کے مشورے سے ہوا ہے، ان حالات میں مجاہدوں کو سردار محمد عبداللہ علیہ السلام نے کہا: اپنے بال بچوں کو لے کر اپنے مسلسل پیچھے دوں کہ تم سردار لایم کہ تمہاری نے انہیں دیاں رہنے کی اجازت نہ دی کیونکہ مجاہدوں اب دو گروہوں اور حکومت کے نزدیک ملک کو دستگیر ہو چکے تھے، اپنے سرخو افسوسناک روزیہ کہ مجاہدوں کو سردار محمد عبداللہ علیہ السلام نے سخت پریشان ہوئے، اس دوران جب غازی پیلوان خان کو پتہ چلا تو وہ انہیں اپنے گھر لے گئے اور انہیں اپنی (باقی صفحہ نمبر ۱۱)

عہدہ قس پھیننے والے سردار محمد عبدالقیوم خان کے قبیلہ کے لوگ جیسا کہ پہلے بتیا رہاؤں سے سردار محمد عبدالقیوم خان نے ڈوگرہ فتح پور محلہ کیا ہے ڈوگرہ فتح پور نے صرف سردار محمد عبدالقیوم خان کے گاؤں کا امام و کولیا بکھریا تھا۔ قس کے لئے کمر گھڑا شی شروہادی، اس کا روائی میں ڈوگرہ فتح پور کے ساتھ ڈوگرہ پولیس ہی شامل تھا اور تھانیدار محمد شریف خان نے جو سردار محمد عبدالقیوم خان کے قریبی ہی تھے ساتھ ہو کر بطور صاحب کا کمر گھڑایا، اس دور سے معنی شاہوں کا کہنا ہے کہ مرزا شمس اور محمد شریف خان تھانیدار نے خود تک ادا کرتے ہوئے شرفناک گھلاوا دیا اور سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو کچھ بکھڑو ڈوگرہوں کے حوالے کر دیا۔

ڈوگروہ یعنی رننگ مہاجدلوں کے گانف پر قیامت مہیا کرتی رہی اور ان کے گانوں کے تمام مکانات
لوٹ لوٹ کر خالی رہی، مہاجدلوں کے گانوں کا معنی یا کرنے کے بعد ڈوگروہ نے سو بادہ شریفین کا لٹ لٹا کر
شمس مرزا اور تھانیا راجہ شریفین نے ڈوگروہ سپاہیوں کو کہہ رکھا تھا کہ سو بادہ کے پرنسز حسین شاہ، شہزادین
شاہ اور صادق جیسے شاہی سردار محمد علی دوم خان کے ساتھ تھے، سو بادہ شریفین میں لوٹ مار کے ساتھ ساتھ
ڈوگروہ سپاہیوں نے شاہی اہل دربار و قیرو کے کئی مکانات جلائے تاکہ سامعی علاقہ کے مسلمانوں پر خوف و حلاص
پھاری ہو۔

شرق ہمارے کی تباہی

ڈیڑ گھنٹہ کا ایک دستہ تحصیل پٹانہ کے شرقی درویشی حصے میں تباہی مچا رہا تھا۔ پٹانہ کی ایک عورت نے فریاد کیا کہ میرا بچہ مر گیا ہے۔ مولانا امیر عالم خان نے اس علاقہ پر

کے سکھوں اور ڈیڑ گھنٹہ سپاہیوں کے قبضہ کا حکم دیدیا تھا۔ درجند سکھ جڑو گروں کے لئے پیغام رسائی کا

نہایت ایک خاص گھنٹہ تک چلے گئے۔ بجا چلاں سربراہ محمد علی تقیم خان کی گرفتاری کے لئے ڈیڑھ دو گھنٹے تک پہنچ گئے۔ یہی امریتسر جہاں سروس نے ڈیڑھ گھنٹہ پہنچ کر دیکھی تھی۔ وہاں شہر کا مرکزی عین، جب غطرہ بڑھ گیا تو غازی پٹیل خان نے ملواری محمد علی تقیم خان اور چند ساقیوں کو ہمراہ لے کر سائیکل پر قریب دیا۔ انہیں پہنچنے کے لئے گئے اور یہاں قائم علی خان نامی ایک شخص نے بجا چلاں کو دیکھا اور کہا کہ آپ سروس کے علاقوں پہنچ گئے، چند روز بعد سربراہ امیر اگر خان ہمارے بھی کوئی سروس پہنچے گا۔ انہیں یہ سن کر گرفتار کر لیا گیا تھا، ان دنوں یہ عام افواہ تھی کہ امیر اگر خان بجا چلاں کو گرفتار کرانے کے لئے کوشش میں کمر بستہ تھے۔

غازی پہلوان خان جہاں لہ کے اہل ساقیوں اور عاشقوں میں سے ہیں، غازی پہلوان خان نے غزنی کی جنگ آسمانی
میرہ بے مثال قربانی دی ہے۔

کام کر رہے تھے قتل کر دیئے گئے تو وہ گھر فوج نے بارگ کے وسطی حصے میں بھی کشتہ زدگی کی اور اسی شروع کر دیں اور مسلمانوں کو بے گناہ پکڑ پکڑ کر بارگ کے قلعہ میں بند کرنا شروع کر دیا، مولانا امیر عالم خان کے اعلان جہاد کے فوراً بعد سلطانای ایک سکھ حلالہ محمد نواز خان کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا، اس کی لاشیں جب ڈوگر سپاہیوں کو نالہ ماہی سے ملی تو یہ لاش راہی کے مرکزی مقام پر لاکر ایک شاہ قوت کے درخت پر رکھی گئی اور اس کے قتل کے مشہرہ میں راہی کے کئی مسلمانوں کو پریشان کیا گیا اور رنگ باز کی خبری پر کئی مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا، اسی دوران جب راولکوٹ سے ڈوگر فوج کا ایک دستہ ہاڑی گہل پہنچا تو اس نے اندھا دھند گولیاں برس کرانسی عظیم خان و نور عالم خان کو شہید کر دیا و شہر ہادی راہنا سردار عبداللہ خان کو شہید کر دیا۔ رنگ باز نے خبری کی کہ اس علاقہ

میں کوئٹہ سے جو ڈوگر فوج بھیجی گئی تھی اس کی ایک بکٹ ساہیاباں غریباں میں بھی تھی اور دوسری اہم جہ کی چلا لیں گئی چند ہندو کے گھر قائم تھے، ڈوگر سرکار کی طرف سے ہر گاؤں کے نمبردار کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ڈوگر فوج کو اپنے علاقے سے گزرنے کے وقت جہ کی نمبرداروں نے ڈوگر فوج کو ٹانہ کوٹ پھیلانا، نازکے نمبردار فوج کی نالہنگ لائے اور یا رنگ نمبردار اور حسین خان فوج کو ساتھ لے کر اپنے گھر سے ایک مقام گہلاں کے قریب جا کر اہل سردار محمد عبداللہ خان اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ لیا جو ڈوگر فوج کی گھات میں بیٹھے تھے، سردار حسین خان نے آواز دے کر پوچھی کہ اب وہاں میں ان سے کہا کہ اگر یہاں گولی چلا دے تو دونوں گاؤں ڈوگر فوج کے ہاتھوں تباہ ہو جائیں گے، اس اشارے پر عہد اہل اور ان کے ساتھی یہاں سے نکل کر نالہ کے مقام پر ایک جگہ چھپ گئے، جب ڈوگر فوج نازی آیا پہنچی تو سردار حسین خان نے یہاں ڈوگر کو سردار شیر افضل خان کے سپرد کیا کہ وہ آگے بڑھی نمبردار کی مدد کرتی، اتنے میں سردار شیر افضل خان کے ساتھ بوستان خان، سوار سجاد خان اور سردار یعقوب خان بھی شامل ہو گئے، جب ڈوگر بھیجے ان سے پوچھا کہ آگے کی طرف تو نہیں، اس پر انہوں نے ڈوگر کو کرسی دی کہ آگے کوئی خطرہ نہیں، جب ڈوگر سپاہی گان نامی کے مغربی کنارے پہنچے تو جاہل سردار محمد عبداللہ خان نے ان پر گولیاں کوبھا ڈی اور دونوں ڈوگر کو قتل کر دیا، اس وقت علاوہ اور ساتھیوں کے مولانا محمد بخش بھی جاہل کے ساتھ تھے، ڈوگر فوج نمبردار شیر افضل خان کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے گئی، انہیں شک تھا کہ اس حملہ کی انہیں خبر تھی لیکن بتایا نہیں، سردار شیر افضل خان بارگ قلعہ میں شہید ہوئے تھے۔

میں جس قدر سکھ قتل کئے گئے ہیں ان کے قتل میں مولانا امیر عالم خان کا ہاتھ ہے، ڈوگر سپاہیوں نے مولانا کو گرفتار کر کے باولی کے قریب ڈوگر کی سپاہ میں اپنے بھوکے پاس پیش کیا مگر مولانا نے ان کے کامیاب ہو گئے مولانا پر ڈوگر سپاہیوں نے بریں گن کے خائے اور رنگ باز کو ساتھ لے کر دور تک تاقب کیا مگر مولانا امیر عالم خان منگ بھری کی طرف چلے گئے۔

تھیں بارگ کے وسطی حصے کے ساتھ ساتھ ڈوگر سپاہیوں نے شرقی حصہ پر بھی مقامی سکھوں کو ساتھ لے کر بے درپے یلغاریں کیں اور کئی دیہات نظر آتش کر دیئے گئے، سون گلی اور بیڑی کے مسلمانوں کی مدد سے پیر علی احمد شاہ نے ڈوگر فوج کے اس دستہ پر حملہ کر لیا تھا جو ہاڑی کی طرف سے بارگ آ کر تھا، اس وجہ سے جب ڈوگر نے ہلائی تھیں بارگ کا رخ کیا تو سینکڑوں مکان نذر آتش کر دیئے۔

بارگ اور راولکوٹ کے ڈوگر کیپہرہ میں جس قدر مقامی سکھ جمع ہوئے تھے ابتلائی دنوں میں وہ اپنے اپنے گھروں کی خبر لینے آتے رہے مگر جب ڈوگر سپاہیوں نے بے گناہ مسلمانوں کے گھر جلا ڈالے تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے بھی سکھوں کے تمام گھر بھونک ڈالے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھوں نے آپس میں جتے جتا بنا کر مسلمانوں کے دیہات پر حملے شروع کر دیئے اور اس طرح مرکزی بارگ کے کئی دیہات جلا ڈالے گئے سکھ ان کیچوں میں فائدہ کشی کر رہے تھے، لوٹ مار کا جو سامان مسلمانوں کے دیہات سے اٹھا قلعہ بمشکل تمام ڈوگر بھیجے کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، ہندو سکھ کے گھر جو کچھ پریشان ہو چکے تھے، ڈوگر نے انہیں مشورہ دیا کہ چاروں طرف پھیل کر مسلمانوں کا مال متارہ کرنا شروع کر دو اور ان سے انتقام لو کہ وہ انہوں نے تمہارے گھر جلا دیے ہیں اس طرح جب سکھوں نے اپنی کاروائی شروع کی تو تحصیل بارگ اور سونوئی کے تمام مسلمانوں نے گاؤں داروچہ بندی شروع کر دی اور تمام نوجوانوں کو تربیت دی جانے لگی تاکہ کسی دقت اپنی جان بچا سکیں، لیکن ملک میں عام مایوسی، افراطی و دہشتانہ دور دورہ تھا کہ لوگ پریشان حال مسلمانوں کو ڈاکوئیں بندھانے والے کوئی بھی راہنما ملک میں موجود نہ تھا۔

برکیت سردار محمد بلوچیم خان لاہور سے واپس لاؤپنڈی پہنچے اور پھر انہوں نے کھتری کا پناہ مستقل مرکز
غوریا کا کہ یہاں سے جو کہ چہاڑا آزادی کشمیر کا ابتدائی خاکہ مرتب کیا جاسکے۔

ماہِ چاول سردار محمد عبدالقیوم خان جب مری پہنچے تھے تو انہوں نے یہاں جلسوں کے ذریعہ مقامی مسلمانوں کو
کشمیر اور پاکستان میں اپنے فکدے کا تذکرہ کیا تھا، ماہِ چاول کی بلوچی کے لوگ کوہری اور ضلع ہزارہ
میں لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں، وجہ یہاں چاول سردار محمد عبدالقیوم خان نے ملتی پڑجوش اور ہڈاؤں وغیرہ
میں ریاست جوں کشمیر کی تباہی کا نقشہ کشنا تھا اور علاقوں کے مسلمان اپنے پڑوسی مسلمانوں کی مدد کے لئے فوراً
تیار ہو گئے، مری کا با اثر شخصیتوں سردار محمد یعقوب خان آٹ عباسیوں، راجہ کالا خان، حاجی اہتا رخان، واجہ
آفتاب خان، راجہ غلام سرد خان، محمد سرور خان وغیرہ نے مل کر چہاڑا آزادی کشمیر کے لئے ہتھیار بندیت
کو نافذ کر دیا اور اس طرح جگہ جگہ جلسے جلسے شروع ہو گئے، اس وقت ریاست پونچھ کے مرکزی مقام شہر
سے محل کسپینڈیہ جوں شاہ صدر ضلع مسلم کانفرنس پونچھ بھی اپنے ساتھیوں سمیت لاؤپنڈی پہنچ چکے تھے۔

انہوں نے لاؤپنڈی آئے ہی سب سے پہلے پاکستان کے تمام کثیر الاشاعت اخبارات میں ڈوگڑہ بربریت پر
سیر حاصل معنائیں لکھنے شروع کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے تمام مسلمان سرزمین پونچھ پر کھیل جاتے
دلے اس ہونک ڈوگڑہ سے آگاہ ہو گئے، کوہتری کے مقام پر چہاڑا آزادی کشمیر کا جو مرکز قائم کیا گیا تھا اس
کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سردار محمد بلوچیم خان اپنی تعینیت کشمیر کی جنگ آزادی میں لکھتے ہیں کہ میں لاہور سے
مری پہنچا تو وہاں میرے چند بہران دوستوں نے میرے لئے ایک ہوش (ضیخیلڈ) کے کچھ کمرے کو پر حاصل
کر لئے اور فوجی اصطلاح میں ہم نے اب مری میں مستقل طور پر رہتی چھاؤنی قائم کر لی تھی، اس ہوش کے
ان مختصہ مگر پشیمون کمروں میں بیچہ کمرات کی تاریکی میں کوہتریت کچھ کہاٹنا جانا مگر سارا دن یہاں ایک
ہزار اور فاضل ہوا خوشی تھا اور کسی کو کاناں کان بہتر نہ چلنا کمرات کے تاریکیوں میں یہاں کیا کچھ منسوبے
بتائے جاتے ہیں۔

سردار محمد بلوچیم خان کے بیان کردہ حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر کی جنگ آج کل کی تیاری نہایت
راز داری سے کی جاتی تھی، ماہِ چاول سردار محمد عبدالقیوم خان بتاتے ہیں کہ جب یہاں کوہتری میں مرکز قائم کئے
جواڈا آزادی وطن کی تیاریاں تھیں تو وہ مری کے تمام با اثر حضرات نے ہمارے ساتھ جمالی، بدلتی تعاون کیا،
یہاں کے ایک تحصیلدار سلطان مقصود نے سرکاری ملازم ہونے کے باوجود ہتھیاروں کی فراہمی میں پوری پوری مدد کی

جہاد آزادی کشمیر کی تیاری

گذشتہ صفحات میں اس بات کا تفصیلی ذکر آچکا ہے کہ پونچھ کے تمام سیاسی راہنما ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء
کے بعد ڈوگڑہ بربریت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے گرفتار ہو چکے تھے، قیام پاکستان کے فوراً بعد تحصیل بانہ
دسہنوک کے جن جن سیاسی راہنماؤں نے الحاق پاکستان کے حق میں آواز بلند کیا یا تحریک چلائی ان کے
خلاف ڈوگڑہ سرکار نے اپنی درندہ فوج کو کھلی صف میں بھیج دی تھی، چنانچہ جب تحصیل بانہ کے شہر قیامت منہو
بہا لہنے لگی اور ڈوگڑہ فوج نے ماہِ چاول سردار محمد عبدالقیوم خان کا پورا گاؤں ندرائش کے کہ ان کی اور ان کے
ساتھیوں کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارنے شروع کئے تو ماہِ چاول سردار محمد عبدالقیوم خان اپنے چٹانوں
سمیت دھیانے جگہ چھپ کر رہ گئے، بعد کوہتری چلے گئے،

ادھر جب پیر علی اصغر شاہ، سردار گل احمد خان، مولانا امیر عالم خان، مولانا منظر حسین شاہ
ندوی، صادق حسین شاہ، عادل، بشاد حسین شاہ وغیرہ بھی دھیانے جگہ چھپ کر رہ گئے، بعد لاؤپنڈی
پہنچ چکے تھے، کیپٹن حسین خان نے لاؤپنڈی پہنچ کر نہ صرف درہ والی بندو قوں کے لئے قبائلی علاقہ تھیں اپنے
آدھی جیسے بلکہ شہر زبان جاننے والے کئی افراد کو قبائلی علاقوں میں بھیجا تاکہ جہاد آزادی کشمیر کے سلسلہ میں
پشاوروں سے مدد حاصل کر سکیں،

سردار محمد بلوچیم خان اس وقت سرحد کی حدود میں نظر بند تھے اور جوں پونچھ کی حالت دگرگوں
ہو جاتی تھی سرحد میں بھی مسلم کانفرنس کا رکنوں پر تشدد کیا جاتا تھا، سردار محمد بلوچیم خان نے آغا شوکت علی کے
ساتھ مل کر دھرم دھرم بیرون پرہے گئے، پاکستان آنے کی کوشش کی مگر آغا شوکت علی دوسرے ہی دن گرفتار
ہو گئے اور دھرم دھرم دن بعد سردار محمد بلوچیم خان پتہ ای دیو علی کوٹھما کے سرحد کے ایک لاکھ ذریعہ سرحد کے
محل آئے، انہوں نے زیٹ آباد پہنچ کر اپنے دوستوں کو ابھی آئندہ علامہ اوی اور حضرت قائد اعظم کے ملاقات
کرنے کے لئے لاہور چلے گئے، وہ اپنی کتاب کشمیر کی جنگ آزادی میں لکھتے ہیں کہ مجھے حق انوس کو کشمیش کے
باوجود حضرت قائد اعظم سے ملنا یا گیا اور نہ ہی کسی مسلم لیڈر نے اسے نازک وقت میں میری حوصلہ افزائی کی۔

کوہری کی عباسی بلادی لاکوئی بھی بلا اثر و زدی شور فرمایا نہ تھا جس نے جہاد آزادی کشمیر میں حصہ نہ لیا ہو جس کی جو باطنی وہ اس قدر سرگرم تھا، مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان نے ایک طرف اپنی شہریتا بی سے لوگوں کے خوب گمراہے اور دوسری طرف دیرپائے جہلم کے ساحلی علاقوں کی طرف اپنے آدی بھیجے تاکہ یہاں کے تمام لوگوں کو جہاد میں شامل کیا جاسکے،

مری میں فوجی افسروں کا اہم اجلاس کوہری میں ہتھیاروں کی فراہمی کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی زیر غور تھا کہ کشمیر کی جنگ آزادی کو کسے اور کن خطوط پر شروع کیا جائے اور علاقوں کی تقسیم کیسے عمل میں لائی جائے اس پر غور کرنے کے لئے جب فیضیہ شہر کے انہی پرسکون کمروں میں ایک انتہائی مختصر اجلاس طلب کیا گیا تو اس میں کیپٹن حسین خان، کیپٹن برستان خان آف نر، کیپٹن برستان خان آف رٹا، سریدار افسر خان آف منگ، مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان، محمد رافضی خان آف تھوڑا، کیپٹن خان آف منگ، پیر علی اصغر شاہ، سردار گل احمد خان، مولانا غلام احمد خان جٹاوی، مولانا امیر عالم خان اور دیگر کئی فوجی افسروں سے اس اجلاس میں شامل ہوئے اور اس اجلاس میں غور کیا گیا کہ کوہری سے ہتھیار کس طرح دیا کے کنارے سے جائے جائیں اور وہاں سے کون کون حضرات کس کس مقام سے دریائے جہلم عبور کر کے ریاست پر پونچھ سکیں داخل ہوں اور جنگ کا آغاز کیسے کیا جائے، اس اجلاس میں کشمیر کی جنگ آزادی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا جنہیں تین سیکٹر کہا جاسکتا ہے، سیکٹر نمبر ایک مظفر آباد سے گلگت تک شمار کیا گیا، سیکٹر نمبر ۲ کی حد کوکولہ سے میر پور تک رکھا گیا اور سیکٹر نمبر ۳ کو میر پور سے سیالکوٹ تک قائم کیا گیا اور ان سیکٹروں کے لئے باقاعدہ سیکڑوں کا بندھن مقرر کئے گئے اور ان کی کمان بن فوجی افسروں کو دی گئی۔ نمبر ۱ سیکٹر بان کی حد دردیائے جہلم کے ساحل سے لے کر دیگڑا بعدر مقام پور تھمک مقرر کی گئی اور اس کی کمان مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کو سونپ دی گئی۔ نمبر ۲ سیکٹر اول کوکولہ مقرر کیا گیا اس کی حد دردیائے جہلم کے ساحل سے لے کر پونچھ شہر تک رکھی گئی اور صدر خاں تالہ ماہلو نانہ گوٹھ کا درمیانی علاقہ قرار دیا گیا، اس سیکٹر کی کمان کیپٹن حسین خان کو تنوین کی گئی نمبر ۳ سیکٹر چنڈری کی کمان بابائے قوم کرنل خان محمد خان کو دی گئی اور اس کی حد دردیائے جہلم کے ساحل سے لے کر پونچھ شہر تک رکھی گئی، ان سیکٹروں کی ترتیب کے ساتھ ساتھ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ جو جہاز علاقے کو گزرتی تھیں ان کے قبضہ سے آزاد ہوں وہاں خود سول نظم و نسق بحال کیا جائے، تحصیل بارہ میں سول نظام کی بحالی کے لئے پیر علی اصغر شاہ، سید صادق شاہ

اور مولانا مظفر حسین ندوی کو متین کیا گیا اور اس طرح تحصیل سدھنوی کی ذمہ داری مولانا غلام احمد خان جٹاوی کو دی گئی، سید صادق حسین شاہ کہتے ہیں کہ جب کوہری کے اس خصوصی اجلاس میں ملک کے تمام پہلوؤں پر غور کیا گیا اور ہمارے ذمہ فرائض سونپ دیئے گئے تو ہم نے کوکولہ سے لے کر پونچھ شہر تک ساحلی علاقہ کے ساتھ ساتھ سستی اور عباسی قبیلہ کے ایسے باہت فوجوانوں کو تیار کیا جو ہتھیار دیا سے پار چڑھائے تین چہارے مدد کو ہیں اور جہاد شروع ہونے پر مجاہدین کے لئے خور و نوش کا انتظام بھی کر سکیں سردار محمد یزید خان ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری اس تیاری سے پاکستان کی تمام آبادی بے خبر ہوئی اور نہایت رازداری سے تمام ہتھیار درپائے جہلم کے کناروں تک پہنچائے گئے تاکہ کسی طرح یہ ہتھیار سابق فوجی افسروں کے ذریعہ دیا کے پاس پارے جائے جاسکیں، کیپٹن برستان خان آف نر کا بیان ہے کہ جب سیکڑوں کی ترتیب کے حساب سے ہمیں بندوبست دی گئی تھا اور ہمارے سیکڑوں کی کمان کیپٹن حسین خان کو دی گئی تو کیپٹن حسین خان نے مجھے، کیپٹن برستان خان آف رٹا، سریدار افسر خان آف منگ وغیرہ کو فوری حکم دیا کہ یہ تمام ہتھیار دیا کے کنارے لے جائے جائیں، جب ہم ہتھیار لے کر روانہ ہوئے تو دیرپائے کنارے شکر محمد خان نامی ایک سستی کے گھر قیام کیا اور اس کے ذریعہ سستی اور ڈھونڈ عباسی قبیلہ کے چالیس تیراک فوجوانوں کا بندوبست کیا گیا جو دیرپائے گھر کو عبور کرتے تھے اور وہ چار چار بندوبست ساتھ لے جاتے تھے، کیپٹن حسین خان کا پروگرام یہ تھا کہ ہتھیار اور دیوبندیشن دیا کے پاس پار پونچھ کے علاقہ میں پہنچ جائے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر براستہ آزاد چن کر روانہ ہوں گے، انہوں نے دوستوں بندوبست اور اپنا ہتھیار وادائیگی میں رکھے تھے تاکہ بروقت لے کر یہ اپنے علاقہ میں روانہ ہوں، چنانچہ جب کیپٹن برستان خان آف نر، برستان خان آف رٹا، افسر خان آف منگ وغیرہ اصل کوٹ پہنچے اور ان کا قافلہ سمورا ٹوٹ کے آس پاس ڈیرے ڈال چکا تو کیپٹن حسین خان بھی آزاد چن کی طرف روانہ ہو گئے۔

مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کی پہلی بیٹیا مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اپنے چنانچہ کوکولہ کے قریب موضع عباسیان میں غمزدہ تھے، انہوں نے یہاں کے سیکڑوں مقامی فوجوانوں کو بھی مل پونچھ کی مدد کے لئے تیار کیا تھا اور انہیں راجہ محمد یعقوب خان دوران کے ساتھی جہاد آزادی کشمیر کے لئے بے حد سرگرم تھے، عباسیان کے مقام پر مجاہدوں دوران کے ساتھیوں نے باقاعدہ طور پر جہاد کے لئے مولانا مظفر حسین شاہ ندوی کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ

واقعہ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کا ہے، اس وقت پیر علی احمد شاہ، پیر شمس الدین شاہ اور پیر کشمیر شاہ بھی موضع مباہلہ میں تھے۔ چہاڑ کے لئے بیعت کرنے کے بعد مباہلہ دل سردار محمد علی تقی خان اور ان کے ساتھیوں کی تاریکی میں دہانے جہلم کے کنارے آئے اور دریا پر تیرکے عبور کرنا شروع کر دیا، مباہلہ دل کا بیان ہے کہ جب انہوں نے تلے کے قریب دیریا عبور کیا تو ان کے ساتھیوں کی تعداد چھ سات سے زیادہ نہ تھی اور یہی کشمیر کی جنگ آزادی کا پہلا دل وستر تھے، مباہلہ دل سردار محمد علی تقی خان اور ان کے ساتھیوں نے رات کی تاریکی میں ہی بند بٹ کی بلند چوٹی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جہاں سے وہ چند من پہلے ایک پرجوش جھڑے کرنا کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

اس وقت نیلہ بٹ اور گشت دغیرہ میں ہڑکا عالم تھا، یہاں کے تمام لوگ ڈوگرہ فوج سے ہستے ہوئے تھے اور ڈوگرہوں کے ملک خوار تھا تیار احمد شریف خان و مرزا شمس نے لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر رکھا تھا، ڈوگرہ فوج کے ساتھ ساتھ اس کی ملک خوار پولیس بھی ساحلی علاقہ میں گشت کر رہی تھی، جب ایک خط لڑاکا ہاتھ ہو کر آئے مباہلہ دل سردار محمد علی تقی خان نیلہ بٹ کی چوٹی پر پہنچنے لگی کہ وہ دم و گمان میں ہی نہ تھا کہ مباہلہ دل آگئے ہیں اور اب ڈوگرہ فوج کا لڑاکا حساب شروع ہونے والا ہے، مباہلہ دل نے اپنے متحد ساتھیوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں ہدایت کی کہ آٹھ آٹھ دس دس افراد کی ڈیلیں رات کو دیریا عبور کر کے جاسیاں جائیں اور وہاں سے ہندوؤں کے آئیں، اسی دوران کو پٹھری سے سردار محمد ابراہیم خان نے کچھ اور ہندوؤں سے جاسیاں بھی دی تھیں اور وہ بھی حالات کا جائزہ لینے جاسیاں آئے تھے۔

مباہلہ دل نے اس کے ساتھ ساتھ علاقہ کے تمام سابق فوجیوں سے رابطہ قائم کر لیا اور اس طرح بہت ہی جلد نیلہ بٹ کے مقام پر سابق فوجیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی، اس وقت ہل سرنگ، کوٹوالہ، چوالہ اور گڑھ اور کھیر دغیرہ میں ڈوگرہ فوج کے مرکز تھے اور اس تمام علاقہ کے مسلمانوں کے ہتھیار ڈوگرہ فوج نے تھانہ دھیر کوٹ میں جمع کر رکھے تھے، مباہلہ دل کا لڑاکا یہ تھا کہ رات کی تاریکی میں حملہ کر کے سب سے پہلے دھیر کوٹ کے تھانہ سے ہندوؤں نکال جائیں اور جب یہ ہندوؤں سابق فوجیوں میں تقسیم ہوں تو خود اُردھیر کوٹ کے تھانہ کی گالگا کر ایک وقت ڈوگرہوں کی چاروں طرف چکر میں پھول گیا جائے، یکم اکتوبر سے لے کر ۱۳ اکتوبر تک مباہلہ دل اپنے مباہلہ کی تعداد بڑھاتا جاتا کرتے رہے اور ۱۳ دن تک بدستور جاسیاں سے ہندوؤں اور ایمنیشن نیلہ بٹ کی چوٹی پہنچا رہا۔

۱۳ اکتوبر کو لگنے کی رات کو جب مباہلہ دل نے دھیر کوٹ کے تھانہ کا محاصرہ کیا تو یہاں سے سینکڑوں فوجی دار

ہندوؤں پر حملہ کر دیا، جب دھیر کوٹ کے تھانہ کی عمارت جلنے لگی تو قریب دھیر کوٹ کے لوگ شہر درہ گئے اور کم از کم ۹۹ ہندو مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہی نہ تھا کہ جہاں آزادی کشمیر کا آغاز ہو چکا ہے، دھیر کوٹ میں جنگ آزادی کا آغاز کرنے کے بعد مباہلہ دل سردار محمد علی تقی خان راہی ناگپتر نامی ایک گلی میں چلے گئے اور یہاں سورجہ قائم کر لیا، اس وقت دھیر کوٹ کے مقام پر چوڑو ڈوگرہ سپاہی موجود تھے یہ اصرار کر رہے تھے کہ ہندو فوج سے، جب تھانہ اندر آتش ہو تو یہاں کے ڈوگرہ سپاہی بولکھا کر بھاگ کر لے ہوں۔ اور اس طرح ہندو فوج کے دھیر کوٹ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اس حیران کن واقعہ کے بعد تمام ساحلی چوٹیوں کی ڈوگرہ فوج پریشان تھی لیکن اب ڈوگرہ فوج کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ باقوہم کر میں یا جان بچانے کی کوشش کریں، مباہلہ دل اور ان کے ساتھیوں کے حوصلے بڑھ چکے تھے کیونکہ جاسیاں سے کچھ مزید ہندو فوج بھی آگئی تھیں اور ہنگواڑی، دیول، بیروٹ، دوسیا اور روات دغیرہ کے سینکڑوں پرجوش مسلمان مباہلہ دل کے حوصلے بلند کرنے کے لئے دیریا عبور کر کے آچکے تھے، یہ تمام مسلمان جاسیاں پر لڑ رہے تھے اور اس وقت ان کی قیادت راجہ محمد یعقوب خان کر رہے تھے۔

دھیر کوٹ کی فتح کے بعد ہل سرنگ میں تقیم ڈوگرہ فوج نے جن کوٹ اور دوسرے قریبی دیہات میں ہیں کہ مسلمانوں کے مکانات جلانے شروع کر دیئے تھے، راہی ناگپتر سے ہڑکا مباہلہ دل نے دوسری لینا ہل سرنگ کی طرف کی، یہاں ڈوگرہ فوج نے گڑھی چند نامی کھتری کے مکان کو مورچہ کی شکل دے رکھی تھی مگر جب مباہلہ دل نے چاروں طرف سے گڑھی کے مکان پر حملہ کیا تو ڈوگرہ سپاہی کچھ میلان میں کام آئے اور کچھ شکست کھا کر چاروں طرف بھاگ گئے۔

چوالہ میں ڈوگرہ فوج کا ایک خاص مورچہ تھا کیونکہ یہاں سے ہڑکا ڈوگرہ فوجی افسر تمام ساحلی چوٹیوں کی نگرانی کرتے تھے اور گڑھی چند نے ان کو اپنے مکان میں جگہ دے رکھی تھی۔ ہل سرنگ میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد مباہلہ دل نے اپنے ساتھیوں سمیت کھیر کاٹھ گیا کیونکہ یہاں ڈوگرہوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، جب مباہلہ دل پہلی طرح ان دھندوں کے سروں پر کوئٹہ تو یہ کھیر کاٹھ کا مورچہ چوڑو ڈوگرہ کے ہل کی طرف بھاگ گئے۔ اب کھیر کاٹھ کا اصل آزاد ہو چکا تھا اور یہاں سے ہزاروں ان سابق فوجیوں نے دیریا عبور کرنا شروع کر دیا پھر پاکستان آرمی سے اپنی اپنی ہندو فوجیوں کے ملک کی آزادی کے لئے پھانگواڑی پہنچ چکے تھے،

جب مجاہدوں سردار محمد عبدالقدیم خان اور ان کے ساتھی نعرہ بکیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے گڑھی چند
کے مکان کے قریب پہنچے تو ڈوگرہ مسایہوں پر زورہ طاری ہو چکا تھا، ڈوگرہوں نے یہاں معمولی مقابلہ کرنے
کے بعد بانگ کی طرف پناہ اختیار کی، راقم کے بڑے بھائی سید میر احمد شاہ نیلہ بٹ کے مقام پر مجاہدوں
کے ساتھ شامل ہوئے تھے ان کا بیان ہے کہ دھیر کوٹ کے حملہ کے بعد چڑا رنگ میں مجاہدوں سردار محمد عبدالقدیم
خان کے دوش پر دوش رہا ہوں، اس دوران مجاہدوں نے بہادر دی، شہادت اور جوانی بھری جبر و جبروت
کے ان کی مثال بہت کم ملتی ہے، اس دوران مجاہدوں ہر کے پیاسے دشمن پر گولیاں برساتے رہے اور
جوانوں کو شہید کیا کرتے رہے کہ دشمن کے جہتیار ہمارے جہتیار آئیں یہ فوراً تربیت یافتہ جوانوں میں تقسیم
کئے جائیں، اس وقت جہاد آزادی شمشیر کا نقشہ ہی تھا کہ اگر دوسو مجاہدین کے پاس بندہ دین پس لو کہ اگر
پانچ سو سابق فوجی جھڑکی صورت میں ان کے ساتھ ساتھ تھے اور جنوں جو ڈوگرہ سپاہیوں کی بندوبست
چھینی جائیں فوراً ان میں تقسیم کر دی جائیں اور اس طرح مسلح مجاہدین کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، مجاہدوں
سردار محمد عبدالقدیم خان اپنے سیکٹر کے کمانڈر تھے مگر بندہ دین کے یہ سب سے آگے جوتے تھے اور جس
مورچے پر حملہ کیا جاتا تھا مجاہدوں ہی پہن کر کے آگے بڑھتے تھے، سید میر احمد شاہ بتاتے ہیں کہ جب کچھ
سے بھاگے ہوئے ڈوگرہ سپاہیوں نے مجاہدوں کے مکان کو آگ لگائی تو اس وقت مجاہدوں اپنے گاؤں
کے بالکل قریب ایک جنگل میں تھے اور ہم چھ سات افراد ان کے قریب تھے، جب تک کہ ان کا مکان
نہ آتش جڑا دیا گیا تو ان سے درخواست کی کہ مکان کی آگ بجھائی جاسکتی ہے مگر مجاہدوں نے یہ کہہ کر
میں روک دیا کہ سب کے مکان جل رہے ہیں کیا میرا مکان دوسرے مسلمانوں کے مکان سے اچھا ہے
جلنے دو، مجاہدوں یہ کہہ کر خفا کوشش ہو گئے اور ڈوگرہ دزدنوں نے (جس میں مرزا شمس بھی تھا جو چیڑ
کے گاؤں کو آگ لگا دی، ادھر چند مٹھی بھر مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج کا صفایا شروع کر دیا تھا۔ امداد دھر

منظر آباد پر حملہ

افغانوں کے جتنے بھی بیٹے تھے، ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کو چٹان بندہ
سے گذر کر لوہا گئی پہنچے، یہاں سے ان کا ایک دستہ گوردادہ کوچھی کی طرف
روانہ ہوا اور دوسرے جھٹنے دیے نلیم کار کیا، دوسرے روز ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کو چٹانوں
نے ایک وقت گوردادہ کوچھی اور پل دیلے نلیم پر حملہ کیا، یہاں کے مٹی شاہوں کا کہنا ہے کہ جنوں ہی
منظر آباد میں پہلی گولی سر ہوئی یہاں کے تمام ہندو اور کھوسے ہو کر ڈوگرہ فوج کے ساتھ نکل آئے اور انہیں

نے بے دریغ مسلمانوں کی دکانیں اور مکانات لوٹنے شروع کر دیئے، لیکن اس دوران چٹان اور مقامی چٹان
منظر آباد کے پورے شہر کو اپنے محاصرہ میں لے چکے تھے۔ اس وقت چٹانوں کے ان جھٹوں کی کمان
صوبیدار نادر خان کر رہا تھا، یہاں مقیم ڈوگرہ فوج نے دو میل کے قریب کسٹم چکی پر مورچہ لگایا تاکہ
اس طرف سے آنے والے مجاہدوں کو روکا جاسکے، مگر مجاہدوں اور افغانوں نے مل کر چاروں طرف سے
دھادہ بول دیا، اس وقت کرنل راجہ رام چند مورچے میں خود نشین گن پر موجود تھا۔ جب مجاہدین آگے
بڑھے تو یہ مورچہ چھوڑ کر بھاگ گیا، اور اس طرح دو میل پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا، دوسری طرف لوہا گڑھی سے
افغانوں اور چہراڑہ کے مسلمانوں کی کمک بھی آچکی تھی۔ اس طرح جب مجاہدین کی تعداد میں اضافہ ہوا تو
انہوں نے منظر آباد کے چاروں طرف چلے ہوئے ڈوگرہ سپاہیوں اور سکھوں کا صفایا کر لیا۔

منظر آباد کی فتح کے فوراً بعد کوہالہ کے پل کا مسئلہ تھا، مجاہدین کو شک تھا کہ کوہالہ میں تیس ڈوگرہ
سپاہی ڈانٹا سٹیٹ کے ذریعہ مل نہ آڑا دیں، ادھر مجاہدوں سردار محمد عبدالقدیم خان اور ان کے ساتھی
اپنے پاؤں مضبوط کر کے کوہالہ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، لہذا جب مجاہدین نے دو طرف سے کوہالہ پر حملہ
کیا تو ڈوگرہ سپاہیوں کو نقصان پہنچنے سے پہلے ہی ان کی طرف بھاگ گئے اور مجاہدین نے ڈیڑھ ان کا کھانا
جاری رکھا، کوہالہ پل کی آزادی کے فوراً بعد کوہری اور ضلع ہزارہ کے فوجیوں بھی جہاد سے لے آئے شروع
ہو گئے، اس وقت تحصیل بانہ میں اسٹیشن کے خوردنی کا نام تک نہ تھا۔ چائے کی پتی اور ٹکسی کے پاس
تھی ہی نہیں اور اگر خوبی قسمت سے کسی کو مل بھی جائے تو تین روپے جیٹا تک اس کا بھاد تھا، گڑھی پنے
سردار تک چار روپے سیر تک بھی نہ ملتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہاں کی مقامی تجارت ہندوؤں
کے پاس تھی اور ہندو نے اسٹیشن خوردنی غائب کر دی تھیں، دوسرے جب سے ڈوگرہ فوج نے کوہالہ
اور کھپڑ پر مورچے لگائے تھے، تجارتی سامان تحصیل بانہ میں آنا ہی بند ہو گیا تھا، چنانچہ چوہڑی کوہالہ سے
ڈوگرہوں کا صفایا چھ تحصیل بانہ میں تجارتی سامان بھی آنا شروع ہو گیا مگر یہ سامان ابھی غریبوں تک ہی
آتا تھا اگر نہ کہ وسطی بانہ میں! ابھی تک ڈوگرہوں کے مورچے موجود تھے اور اب ان ڈوگرہ سپاہیوں نے
ہندوؤں سکھوں کو ساتھ لے کر بانگ کے قریب دھارم دست پھانے پر آتش زدگی شروع کر دی تھی۔

دھیر کوٹ - پل سنگ - ساہلیاں - کھپڑ - چڑالہ - کوہالہ - اور ڈیڑھ کیلوی وغیرہ
مناظروں پر ڈوگرہ سپاہیوں کو عبرتناک شکست دینے کے بعد مجاہدوں نے

سردار محمد عبدالقیوم خان نے نیلہ بٹ کے ہیڈ کوارٹر میں اپنے جاہدین کو ایک باقاعدہ بتائیں کہ شکر
 سے دی اور اس کا نام فرسٹ بانگ بتائیں تصویر کے اس کی کمان بھر محمد سلیم خان کو توفیق کوی گئی
 تھی، ابتدائی دور میں جب مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان نے دیلے جہلم کو عبور کر کے نیلہ بٹ کے
 مقام پہنچا علاقائی ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا تو ان کے ساتھ ان کے اپنے قبیلہ کے ہی مجاہدین تھے جن میں
 میجر محمد سلیم خان، خاندی محمد اسماعیل خان، سید خان، محمد سرور خان، عبدالعزیز خان مکھیالوی، کالا
 خان، صوفی عبدالعزیز خان، حاجی سردار خان مرحوم مہندی، سردار محمد ایوب خان دھیر کوٹ، غوث
 خان، محمد روشن خان، محمد لطافت خان، محمد آزاد خان وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مذکورہ
 بالا مجاہدین میں سے صرف دو بتائیں مجاہد سابق فوجی تھے، جب دھیر کوٹ کے تھانہ پر حملہ کے بعد
 باقاعدہ طور پر چھاؤ ڈاڈی کشمیر کا آواز ہو گیا تو تحصیل بانگ کے تمام سابق فوجی کسی نہ کسی طرح نیلہ بٹ
 میں مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کے پاس پہنچ گئے، اس کے علاوہ سول فوجیوں میں بھی جنہیں مجاہد
 پہنچا وہ چکا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مجاہدوں نے باقاعدہ فٹ بانگ بتائیں کی ترتیب قائم کی تو ان
 کے پاس سینکڑوں سابق فوجی موجود تھے، مجاہدوں نے سول فوجیوں کو خود اپنی فوجی تربیت دینی شروع
 کر دی، مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کا پروگرام یہ تھا کہ مجاہدین کو باقاعدہ ایک یونٹ کی صورت میں
 مرتب و متحد کیا جائے اس کے لئے انہیں بانگ کے تمام تباہ شدہ علیاں، سید رنگھڑ، نارہر، ڈھونڈ
 عیاسی، قیریاں، علوان، ککھڑ، منہاس سرحدیں، دودلی کھال وغیرہ سے ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ
 اور سول فوجیوں مل گئے اور اس کے بعد مجاہد کا تمام تر اخصا دشمن کے ہتھیاروں پر سر گیا، دھیر کوٹ، ہلی
 سرنگ، چٹال، کھدیر، ساہیاں اور کوٹاہ وغیرہ کے مورچوں سے ڈوگرہ سپاہیوں کے جس قدر چھوٹے
 بڑے ہتھیار مجاہدین کے ہاتھ لگے تھے وہ فوری ہی سابق فوجیوں میں بانٹ دیئے گئے تھے اور ابھی سینکڑوں کی
 تعداد میں سابق فوجی ایسے تھے جن کے پاس صرف ہرجیاں، تلواریں اور بھالے وغیرہ تھا وہ مجاہدوں
 سردار محمد عبدالقیوم خان نے حکم دے دیا تھا کہ اب دشمن کے ہتھیار چھیننا اور بڑے گویا بے ہتھیار بنائیں
 اس امید پر تھے کہ دشمن کے اگلے مورچوں باغ وغیرہ پر حملہ ہوا تو ڈوگرہوں سے ہتھیار چھیننے جائیں تاکہ ان کے

معرکہ نانگا پیر

ہاتھوں میں بھی ہتھیار ہوں۔
 مجاہدوں ابھی جاننا تو ان کی شیرازہ بندی میں مصروف ہی تھے کہ انہیں اطلاع ہوئی کہ نانگا پیر

پر ڈوگرہ فوج اور ہندو سکھوں کا ایک ہم بغیر ان پہنچا ہے، اس خطرناک پہاڑی راستے سے دشمن کی آمد
 کی توقع بہت کم تھی، تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ مظفر آباد، چکان، گڑھی دوپٹ، پٹیاں اور ڈوگرہ کی دنیو کے
 ڈوگرہ سپاہیوں تمام مقامات کے ہندوؤں، سکھوں کو ساتھ لے کر باغ کی طرف بھاگے چلے آتے
 ہیں اور انہوں نے نانگا پیر پر مورچہ بندی کر رکھی ہے، یہ اطلاع جنگل کی آگ کی طرح فوری تحسین بانگ میں
 پھیل گئی، نیلہ بٹ سے مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان، میجر محمد سلیم خان، محمد سعید خان، سید اڈشاہ
 پیر علی، اصغر شاہ، عالم شیر خان، اعلیٰ، کیپٹن نور حسین خان اور شیر علی شاہ وغیرہ تیز رفتاری سے
 نانگا پیر پہاڑی پہنچ گئے۔ اس دوران پٹھانوں کا ایک جھڑپ بھی اچکا تھا، ادھر علاقہ پریم کوٹ، بیٹی
 جعفر پور، چنٹ، ڈنگلا، پیل، وگ، فٹی، کوٹلہ موت خان، تھب وغیرہ کے تمام فوجیوں
 بچے اور بوڑھے نانگا پیر پہاڑی کے گڑھیوں پہنچ گئے اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی روح پرورد عداوتیں اس
 پر کھینچ جگمگ میں گونج رہی تھیں، اس مرکز میں تحصیل بانگ کے تمام قبیلوں کے سرکردہ دشمن شامل تھے
 مجاہدوں نے سب سے پہلے ڈوگرہ فوج کو پیغام بھیجا کہ ہتھیار رکھ کر بانگ کی طرف بھاگ جائیں راستہ دیا
 جائے گا ورنہ ہر گونگی نہیں چلائی جائے گی، مگر ڈوگرہ سپاہیوں نے ہتھیار رکھنے سے انکار کرتے ہوئے
 یہ موقف اختیار کیا کہ ہم ہتھیار ساتھ لے جائیں گے ہیں راستہ دیا جائے ہم گولی نہیں چلائی گئے اور
 نہ ہم ہر گونگی چلائی جائے۔

افغانوں کا جھڑپانہ دم تھا اور ان کے پاس تو کئی ہندوؤں بھی تھیں، افغان کمانڈر حملہ کے لئے
 قیام تھے مگر مجاہدوں نے یہ کہہ کر پٹھانوں اور اپنے مجاہدوں کو دے رکھا کہ ان ڈوگرہ سپاہیوں میں
 رعیت بھی ہے جن سے بے شمار بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں، ہماری کوشش ہے کہ بے گناہ بچے اور
 عورتیں تمارے جائیں، اس دوران جنہاں کی رو میں بہہ کر پٹھانوں نے گولیاں برساتی شروع کر دیں
 اور ڈوگرہ سپاہیوں نے بھی برین گن کے فائر کے مگر مجاہدوں نے نہایت تدریجاً ثبوت دیتے ہوئے
 پٹھانوں کو گولیاں چلانے سے روک دیا اور گولیاں نہ مارنے کا حکم دیا، اس وقت نانگا پیر کے چاروں طرف
 کم از کم ۱۵ ہزار مسلمان موجود تھے، مجاہدوں نے پھر ایک پیغام کے ذریعہ ڈوگرہ سپاہیوں
 کو ہڈیت کی کہ اگر لوٹنے کا جنوں ہی سوار ہے تو ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے سے علیحدہ کر دو کیونکہ
 ان کے ساتھ عورتیں اور بچے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری حماقت کے باعث یہ بے گناہ لوگ

نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے کہا، پروردگار! گواہ رہنا یہ تیرے بے گناہ بندے ڈوگرہ سپاہیوں کی حادثہ کے باعث مارے گئے ہیں، اس میں مجاہدین کا کوئی قصور نہیں! اے اللہ ان ناکرہ گناہوں کے خون ناحق کا حساب ظالم حکمران ہری سنگھ سے لینا!

نانگا پیر کی فتح قدرت کا ملکہ لایا ایک کرشمہ تھا کیونکہ اس وقت تک مجاہدوں اور ان کے ساتھیوں کی پوزیشن قطعی طور پر شکم نہ تھی، ہندو تہیں بہت کم تھیں، ایونیشن برائے نام تھا البتہ خالی ہاتھوں مسلمانوں کے بے شمار جتنے ساتھ ساتھ تھے لیکن دوسری طرف ڈوگرہ کی نہ صرف پوزیشن مضبوط تھی بلکہ ان کے ساتھ ہندو اور سکھ بھی مسلح تھے اور انہوں نے ایک ایسی خطرناک پہاڑی پر مورچہ قائم کر رکھا تھا کہ کئی دن تک اس پر قبضہ کرنا دشوار تھا، جب نانگا پیر کی زیارت کے ارادہ رکھنے والوں کے جتنے پیچھے تو یہاں لاشوں کے انبار لگ چکے تھے، اس معرکہ میں ہمارے تقریباً ۲۰۰ مجاہد شہید ہوئے۔ ۵۰ کے قریب زخمی ہوئے۔

نانگا پیر سے بھاگ کر جو ڈوگرہ سپاہی باغ پہنچے تھے انہوں نے باغ میں مقیم ڈوگرہوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ مجاہدین کے لشکر کے ساتھ قبائلی پٹھانوں کے لشکر بھی موجود ہیں جو انسان کو عاجز مرنے کی طرح کاٹتے ہیں، پٹھانوں کا نام شنکر ڈوگرہ سپاہیوں پر غوث دہراس طاری ہو گیا اور وہ براستہ سری منگ پور نچھ شہر کی طرف بھاگنے کی تیاری کرنے لگے مگر رادلا کوٹ میں مقیم انیسویں نے انہیں روایت کی کہ باغ کا سرگزشتی قہمت پر نہ خالی کیا جائے، جب رادلا کوٹ کے انیسویں نے ان کی ڈھارس بندھا دی تو انہوں نے سکھوں کو ساتھ لے کر باغ کے چاروں طرف دست پیمانے پر منتشر ہو گئے شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحصیل بانے کے شرقی اور وسطی حصہ میں مسلمانوں کے پاس کے قریب گاؤں جلا کر خاکستر کر دیئے گئے۔

ڈوگرہ فتح باغ میں قیامت برپا کر دی تھی مگر دوسری طرف مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اور ان کے ساتھی بھی باغ کے چاروں طرف ڈیرے ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت تحصیل بانے کا علاقائی ہیڈ کوارٹر بھی نڈلہ کے مقام پر تھا اور مجاہدین کو اس مقام پر تربیت بھی دی جا رہی تھی تاکہ پوری تیاری سے باغ پر حملہ کیا جائے۔

مارے جائیں، مجاہدوں کی انتہائی کوشش کے باوجود ڈوگرہ سپاہیوں نے نہ تو ہتھیار رکھے اور نہ ہندوؤں سکھوں کو اپنے سے الگ ہونے دیا بلکہ اٹلان بے گناہوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اور ان کے ساتھیوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ ڈوگرہ سپاہی اور مسلح ہندو سکھ اپنے ہتھیار رکھ کر باغ کی طرف نکل جائیں، اس طرف راستہ ہی خالی رکھ دیا گیا مگر ڈوگرہ سپاہی نہ تو خود ہتھیار چھیننے پر تیار ہوئے اور نہ مسلح ہندو سکھوں کو ہتھیار چھیننے دیئے۔

جب تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو مجاہدین نے غرور بیکار انداز میں صدامیں بلند کرتے ہوئے حملہ کر دیا، ڈوگرہ سپاہیوں نے نانگا پیر کی زیارت تو ڈوگرہ مورچہ لگا رکھا تھا اور چاروں طرف جنگ میں اپنے قریب ہندو سکھ اور ان کے اہل و عیال بٹھا رکھے تھے، مسلح ہندوؤں سکھوں کے پاس دیسی ساخت کی خاص قسم کی بندو قیں تھیں جنہیں گالی گولہ کی بندو قیں کہا جاتا تھا، ان بندو قوں کا فائدہ تو بالکل درہ دانی بندو قوں کی طرح تھا مگر یہ بارود سے چلتی تھیں، باقی محو تو ان تمام معرکوں کا عینی شاہد ہے، جب مجاہدین نے حملہ کیا تو عورتوں اور بچوں کے دل دہل جاتے تھے اور اس فاد کی میں ان کی چنیں ایک خوفناک اور پڑھوں کو گنہ پیدا کر رہی تھیں، نانگا پیر پہاڑ کے کچھ طرف پر یکوٹ کٹ کیرا اور جاگیر وغیرہ دیہات کے جتنے جتنے تھے انہوں نے اس طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا، یہاں مجاہدین متواتر دس گھنٹے تک گولیاں برساتے رہے اور اس دوران سینکڑوں سکھ، ہندو اور ان کی عورتیں اور بچے مارے گئے، صبح صادق کے وقت جب ڈوگرہ سپاہیوں کے پاس ایونیشن کمہرہ گیا تو انہوں نے مورچہ چھوڑ کر تنگیات کے راستہ بانے کا رخ کیا۔

جب ان کا ہتھ باغ کی طرف روانہ ہوا تو ڈوگرہ کے راستہ مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اور ان کے ساتھی بھی گولیاں برساتے ہوئے ساتھ ساتھ آئے، ناہنرہ سے لے کر نانگا پیر تک ان کے سرفروشن ساتھیوں نے بانے کے چاروں طرف محاصرہ کر لیا، نانگا پیر کے معرکہ میں جب بے گناہ عورتیں اور بچے مارے گئے تھے مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم اور میر علی اصغر شاہ کو اس کلبے سے دور ہوا، رات کو وہ وقت یاد ہے جب ہم سب مجاہدوں کے ساتھ نانگا پیر پہنچے تو میر علی اصغر شاہ بچوں اور عورتوں کی لاشیں دیکھ کر کھڑکیں مار مار کر رونے لگے اور مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے تھے، مجاہدوں

مختصر سہنوتی کے معرکے

یہ بتایا جا چکا ہے کہ کبھی کے اجلاس میں تحصیل باغ اور تحصیل سہنوتی کے لئے الگ الگ کاماڈو مقرر کئے گئے تھے اور بندو قوں کی تقسیم بھی فرجی تناسب سے کی گئی تھی چنانچہ کپٹن بوستان خان آف نرٹ، کپٹن بوستان خان آف رٹھ، صوبیدار نسرفان آف منگ اور ان کے ساتھی بندو قوں کے لئے اپنے علاقوں میں داخل ہوئے تو کپٹن حسین خان اولان کے ساتھی ابھی کبھی میں تھے اور کپٹن حسین خان اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ کس طرح جلد از جلد بندو قوں علاقہ میں پہنچ جائیں جب دھیر کوٹ کے مقام پر جنگ شروع ہوئی اور اس کے بعد کپٹن بوستان خان آف نرٹ کپٹن بوستان خان آف رٹھ اور صوبیدار نسرفان آف منگ وغیرہ بھی دھیر کوٹ کے مقام پر دریا عبور کر کے بندو قوں پہنچا یہ تو کپٹن حسین خان اپنے ساتھ چند جانباڑوں کو لے کر پہلے بھائی کی طرف روانہ ہو گئے، وہ پہلے بھائی کے قریب پہنچ کر بندو قوں پاسے جانے لگے اور صوبیدار غلام حسین خان وغیرہ کی طرف دیر خان وغیرہ کو حکم دیا کہ وہ اس ساحل سے ہٹ کر پہلے کی لگا کر پہنچیں کیونکہ اس وقت پہلے بھائی کے قریب ڈوگرہ فتح کا ایک مورچہ تھا، صوبیدار غلام حسین خان کا کہنا ہے کہ کپٹن حسین خان خود تیر کر دریا عبور کرتے تھے اور وہ ایک وقت چار چار بندو قوں پار لے جاتے تھے، اس میں دو دن وہ دیرانی لہروں کی پیٹ میں آ کر دوڑ تک پہنچے تھے مگر خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شامل حال تھی، جب وہ تمام آئینہ نشین اور بندو قوں پار پہنچا چکے تھے تو دھیر کوٹ پہنچے، اور دھیر کوٹ پہنچے تو ڈوگرہ سپاہیوں کو تنگ پڑ چکا تھا کہ ہم پر حملہ ہونے والا ہے، ڈوگرہ سپاہیوں نے سوت کے گولے پٹول میں بھگو چکے اور غلام کوٹا لگا دی، جب پہلے پرانگ کے شعلے بلند ہوئے تو اس ساحل پر چھپے ہوئے صوبیدار غلام حسین خان اور دھیر کوٹ خان نے ڈوگرہوں پر گولیاں برساتی شروع کر دیں، اس دوران کپٹن حسین خان بھی اپنے جانباڑوں کو ساتھ لے کر ڈوگرہوں کے مورچوں کے قریب جا چکے تھے، جو یہی ڈوگرہوں کی توجہ دیا کہ اس پار سے آنے والے گولیوں کی طرف ہوتی کپٹن حسین خان نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ڈوگرہ بے حواس ہو کر ہنڈری کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اتنے میں غلام حسین خان وغیرہ دیر خان نے پہلے کی آگ بھگا کر ڈوگرہوں کا تباہ شروع کر دیا اور کپٹن حسین خان بھی گولیاں برسائے ہوئے پندرہ کی طرف روانہ ہو گئے، کپٹن حسین خان کا پورا کام تھا

کہ وہ پندرہ کی طرف سے ڈوگرہ کا صفایا کر کے فوراً رٹھ کوٹ پہنچ جائیں چونکہ ان کو رٹھ کوٹ سیکٹر کی لمبائی دی گئی تھی۔

اور کپٹن بوستان خان آف نرٹ، کپٹن بوستان خان آف رٹھ، صوبیدار نسرفان آف منگ اور کرنل شیر خان تھوراٹ کے قریب پہنچ کر دشمن پر پہلے ہل چکے تھے معرکہ تھوراٹ کا حال بیان کرتے ہوئے کپٹن بوستان خان آف نرٹ بتاتے ہیں کہ ۲ مارچ اور ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہم دریا عبور کرنے کے بعد جھنگ میں ہی چھپے رہے۔ اور تھوراٹ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہے، ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہمیں معلوم ہوا کہ سردار محمد عبداللہ خان اولان کے ساتھیوں نے نہ صرف دھیر کوٹ پر قبضہ کر لیا بلکہ یہاں انہیں شاندار کامیابی بھی حاصل ہو چکی ہے چنانچہ ہم نے بھی حملہ کی تاریخ ۳ اکتوبر ہی طے کر لی۔ اور منگ میں گولی چلائیں اور جگت رام پشیل ٹریٹ کو ٹانگ انڈر نے مار دیا تھا۔ اب حالات ایسے ہو رہے تھے کہ اگر دھیر کوٹ جاتی تو مسلمانوں پر ڈوگرہ خون حلقہ کر دیتی چنانچہ ہم نے تھوراٹ کا جائزہ لیا۔ دشمن خاصی بڑی تعداد میں تھوراٹ کے محل سکون کی عمارت میں موجود بندو قوں۔ علاوہ ازیں نائب صوبیدار سید محمد خان کے مکان کو لوٹ کر وہاں بھی مورچہ بنا رکھا تھا، ان کے پاس برین گنیں اور جدید سونٹھ اس کے مقابلے میں ہمارے پاس صرف دو تھالی بندو قوں تھیں اور آئینہ نشین برائے نام تھا، ۳ اکتوبر کو رٹھ کے آگے بڑھنے کی طرف سے ہم نے دشمن پر گولیاں برساتی شروع کر دیں اور عجب میں دشمن نے ہم پر پشیل گن اور برین گن کے فائر شروع کر دیئے، دشمن کے مارٹر کے گولے ہمارے نزدیک برسے رہے کیونکہ ہم دشمن کے بہت قریب پہنچ کر دھیر کوٹ میں چھپے ہوئے تھے کپٹن بوستان خان بتاتے ہیں کہ اس وقت نرٹ اور تھوراٹ کے مجاہدین بھی طرف اور چھوٹ و ہرن میرہ کے مجاہدین اور پٹھانوں کے ہمارے گولیوں سے سکول کے گراؤ میں بندھ ہوئی ڈوگرہوں کے ٹوٹر اور چھپر بھی ماری جا چکی تھیں۔ میں نے ایسے حالات میں اپنے مجاہدین کو حکم دیا کہ سکول کی عمارت کو آگ لگا دی جائے، اس کام کے لئے دو نفر دشمن تھا خان اور سید خان نامی اپنے جسم پر گھاس باندھ کر آگے بڑھے، ان مجاہدوں نے جان پر کیسے کوسکول کی عمارت کو آگ لگا دی، ڈوگرہوں کی ایک مشین گن ایک عمارت میں نصب تھی اور اس کا گٹر ایک ڈوگرہ سپاہی پر ہر ہر سنگ تھامنے لگا تھا جس نے نصف گھنٹہ کی فائرنگ میں ہمارے ۲۹ مجاہد شہید کر دیئے تھے، جب اس مشین گن پر تانہ پانے کی کوئی صورت نہ رہی تو ہمارے مجاہد دست بدست آگے بڑھے اور آگ کے شعلوں میں کود گئے۔ جلد از جلد

حوالد ارادون خان (اب لیفٹنٹ) محمد یوب خان و اختیار خان شہید وغیرہ نے بہادری کے جیرل کن مظاہرے کئے، حوالدار قابل خان نے ڈوگرہ سپاہیوں سے ایک بریگن اور چھ بیگین جھین لئے اور دست بدست لڑتے ہوئے شہادت پائی، باقر خان پوری رات لڑا اور بالآخر دست بدست جنگ میں شہید ہو گیا۔

اس وقت تھوراڑ کے مقام پر ڈوگرہوں کے اڑھائی سو سپاہی تھے جو سب میدان میں کام آگئے تھے صرف تین سپاہی ابھی زندہ تھے کہ ان کی مدد کے لئے کثیر الغلظی کی تین کمپنیاں پہنچ گئیں۔ جونہی یہ تازہ دم ڈوگرہ سپاہی تھوراڑ میں نمودار ہوئے انہوں نے ہمارے مورچوں پر آگ برساتی شروع کر دی، تھوراڑ کا مرکز اس کا لگان کا تھا کہ ہم اپنے شہیدوں کی لاشیں بھی نہ اٹھا سکتے تھے، ہمارے سرفروشنوں کی لاشیں سکول کے قریب پڑی تھیں جہاں سے ڈوگرہوں نے انہیں گھسٹ کر ایک پہاڑی سے لٹا دیا البتہ ہم انہیں کھو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے۔ کمپنیں بوستان خان آف ٹرنٹے ہیں کہ ہمارے پاس جس قدر واپس بھجوا دیا تھا آخر چھوچکا تھا اور تھوراڑ کا ٹنگ کی وجہ سے درہ والی بندھن میں کارٹوس کا کھوکھلا پھینکے لگا تھا اس وجہ سے ہاری کارڈنگ کی رفتار سست پڑنے لگی تھی البتہ جلد سرگرم اور پرجوش تھے جن کے پاس بند و قس ۳۰۲ تھیں۔ یہ صورت حال ہمارے لئے پریشان کن تھی، شہیدوں کا عدد مبالغہ تھا لیکن اس کے باوجود ہمارے بہادروں نے جان پر کھیلنے ہوئے جب ایک آخری حملہ کیا تو ڈوگرہ سپاہی قریب و جوار کے مکانات کو جلاتے ہوئے منگ اور جتہ پیر پہاڑی کی طرف بھاگ گئے۔ اور ہم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ راستہ میں راڑہ کے قریب ڈوگرہ سپاہیوں نے مورچے سنبھالنے کی کوشش کی مگر یہاں مجاہدوں نے زنی پھر راڑہ کا کرمان کا سخت نقصان کیا، تھوراڑ کے مرکز میں ۲۹ مسلمان شہید و ایک سو کے قریب زخمی ہوئے تھے جن میں چالیس شہید زخمی تھے، اس مرکز میں جن بہادروں نے بہادری کے بے مثال جوہر دکھائے ان میں فخر کشمیر کمپنیں بوستان خان آف ٹرنٹ، شیر جنگ لیفٹنٹ بوستان خان، صوبیدار محمد اختر خان شہید، مجاہد حیدری صوبیدار افسر خان اولوں کے بہت سے ساتھی قابل ذکر ہیں۔ کمپنیں بوستان خان اولوں کے ساتھی اس شاندار فتح کے بعد ڈوگرہوں کے تعاقب میں آگے نکل گئے تاکہ بہت جلد راڈلا کوٹ کا محاصرہ کیا جائے، صوبیدار افسر خان کوٹھری سے بند و قس لانے کے لئے

معرکہ منگ

کمپنیں بوستان خان وغیرہ کے ساتھ تھے، دریا عبور کرنے کے بعد یہ اپنے ساتھیوں کو ملے کر منگ پہنچ گئے تھے جہاں منگل سکول اور قلعہ میں ڈوگرہ سپاہیوں نے مورچے لگا رکھے تھے، سکول کے آگے والے قبضے مکانات تھے سب میں ڈوگرہوں نے مورچے بنا رکھے تھے، جب صوبیدار افسر خان منگ کے قریب پہنچے تو کم و بیش ۳۰ مجاہدین ان کے ساتھ تھے، ۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی صبح کو جمعہ بیدار افسر خان نے ڈوگرہوں پر حملہ کیا تو یہاں شدید جنگ شروع ہو گئی، ڈوگرہ فوج منگل سکول اور قلعہ کے علاوہ یہاں کے کئی مکانات میں بھی مورچے بنا رکھے تھے، اور اس طرح منگ کے میدان میں حصہ پران کا مکمل قبضہ تھا، ڈوگرہ فوج کے پاس مشین گنیں، بریں گنیں، مارٹر اور ۳۳ ملی تھیں سکڑا کے بریکس صوبیدار افسر خان اور ان کے جاندار ساتھیوں کے پاس دہی درہ کی چھائی بند و قس تھیں جن کی کارکردگی بالکل ناقص تھی، جب منگ میں معرکہ کارزار گرم ہوا تو چند مجاہدوں نے درخت کے ایک خول میں مورچہ لگا کر ڈوگرہ فوج پر گولیاں برساتی شروع کر دیں۔

اس وقت ڈوگرہ فوج کی جو کمپنیاں منگ میں متعین تھیں ان ہی میں سے کچھ سپاہی تین شیر خان پر بھی متعین رہتے تھے جو دیہات کے اس ساحل پر دو رنگ گشت کرتے رہتے تھے تاکہ اس طرف سے مجاہدین ہتیار لے کر داخل نہ ہو سکیں۔

صوبیدار محمد شیش خان آف تین شیر خان منگ کے مرکز کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ڈوگرہ سپاہیوں کی شدید نگرانی اور پہرہ کے باوجود مجاہدین تیر کر دیا عبور کرتے رہے ہتیار لانے میں جن بہادروں نے نمایاں حصہ لیا ان میں فتح عالم خان، امجد خان، محمد یوسف خان شاہ باز خان وغیرہ قابل ذکر ہیں، صوبیدار افسر خان کی قیادت میں مجاہدین کی باقاعدہ ایک ٹاپلین تیار کی گئی جس نے منگ پر حملہ کیا، منگ کے مرکز میں جن جن مجاہدین نے بے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان میں کمپنیں علی گوہر خان، لیفٹنٹ افسر خان، صوبیدار محمد میدان، نائب صوبیدار عالم خان، نائب صوبیدار کالا خان، حوالدار محمد کبر خان، صوبیدار گل خان، صوبیدار محمد شفیع خان، حوالدار محمد حسین خان، نائب صوبیدار یوسف خان، نائب صوبیدار محمد قبال خان آف منگ، حوالدار محمد کبر خان، صوبیدار میر عالم خان اور حوالدار محمد امجد خان

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

منگ کے مقام پر ایک دن ادراک رات تک معرکہ گرم رہا۔ دوسرے روز صوبیدار افسرخان ڈوگرہ فوج کے اس مورچہ میں مروانہ دار کو دگے جس میں ڈوگرہوں نے برین گن دگا رکھی تھی، صوبیدار افسرخان چاہتے تھے کہ کسی طرح دشمن کی برین گن پر قبضہ کیا جائے مگر برین گن پر قبضہ کیا جائے مگر برین گن کا برسٹ لگنے سے وہ خود شہید ہو گئے۔ ادران کی شہادت کے بعد یہاں کی قیادت کپٹن شیرخان کو دی گئی، جب شیرخان کی قیادت میں دست بدست جنگ شروع ہوئی تو ڈوگرہ سپاہی شکست کھا کر بلاسنہ راڈہ راولاکوٹ کی طرف بھاگ گئے اور شیرخان اپنے مجاہدین کو ساتھ لے کر ان کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے، منگ اور تھوراک کے محروں کا حال جب راولاکوٹ میں مقیم ڈوگرہ کرنل رام لعل کو معلوم ہوا تو اس نے ۸ اکتوبر کو اپنے ساتھ بھاری تعداد ڈوگرہ فوج لے کر تھوراک کا رخ کیا تاکہ ان نماؤں پر دوبارہ کامیابی حاصل کی جائے مگر کرنل رام لعل نے راستہ گزرتے ہوئے تمام مکانات کو آگ لگا دی تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو، مگر اس واقعہ کا علم جب صوبیدار بگا خان آف ہو رہا تو نہ مہرہ کو ہوا تو انہوں نے اپنے ساتھ صرف آٹھ مجاہدین لے کر بیڑیوں کے مقام پر لگاتار لگا دی، جب ڈوگرہ فوج بیڑیوں کے مقام پر پہنچ گئی تو یہاں اچانک ہی مجاہدین نے ان پر گولیاں برسائی شروع کر دیں، ڈوگرہ سپاہی چونکہ بالکل بے خبری کے عالم میں جا رہے تھے اس وجہ سے مجاہدین کی ایک ایک گولی دھن دھن ڈوگرہوں کو ڈھیر کر گئی، ڈوگرہ فوج تھوراک کی طرف جا رہی تھی لیکن جب مجاہدین نے راستہ میں ان پر حملہ کیا تو وہ بمشکل تمام بوسہ گلہ پہنچ سکے، ادھر جو مجاہد تھوراک سے بوسہ گلہ کی طرف آ رہے تھے انہوں نے بھی ڈوگرہ فوج کی اس کمپنی کو گھیرے میں لے لیا تھا جو ٹائپ کی طرف سے بھاگی چلا آ رہی تھی، جب مجاہدین نے یلغار شروع کی تو بوسہ گلہ میں شدید جنگ شروع ہو گئی لیکن ڈوگرہ سپاہی یہاں بھی مجاہدین کے سامنے نہ ٹھہر سکے وہ بہت جلد شکست کھا کر راولاکوٹ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے مگر راستہ چلتے چلتے جو مکانات اندر آتش کھتے گئے۔

معرکہ عین گلہ

ٹائپ، تھوراک، نڈ، راڈہ، منگ اور پٹن شیرخان وغیرہ کی طرف ہندو خال خال تھے، جب اس طرف سے تمام ڈوگرہ چکیوں کا صفیا کر دیا گیا تو یہ ہندو ایک جنگ میں توجہ ہوئے، ان کے ساتھ کچھ ڈوگرہ سپاہی بھی تھے جو انہیں ساتھ لے کر راولاکوٹ کی طرف آ رہے تھے، راڈہ سے لے کر کھرک تک قطار در قطار پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے، اس پہاڑی قطار کے ساتھ ساتھ چلتا چلتا یہ قافلہ جب عین گلہ کے مقام پر پہنچا تو کپٹن فرحان خان آف ہر نہ مہرہ کی قیادت میں مجاہدین نے راستہ میں مورچے سمجھا لئے ڈوگرہ فوج قافلہ کے دونوں طرف حفاظت کرتی ہوئی آگے بڑھی چلی آ رہی تھی اور انہوں نے قافلہ کے ساتھ چلنے والے ہندوؤں کے کھوں کو بھی پوری طرح مسلح کر رکھا تھا، ادھر کپٹن فرحان خان کی قیادت میں جو مجاہد لگاتار لگائے بیٹھے تھے ان کی تعداد تقریباً دو سو تک تھی مگر صرف ساتھ مجاہدوں کے پاس درہ دالی بند قیس اور پچاس پچاس کارٹوس تھے۔

جب ڈوگرہ سپاہی سامنے آئے تو مجاہدین نے کبارگی ان پر گولیاں برسائی شروع کر دیں بے خبری میں کئی سپاہی کھیت رہے مگر فوراً ہی متنبہ ہو کر انہوں نے بھی مورچے لگائے، ڈوگرہ فوج کی کوشش یہ تھی کہ وہ لڑتے لڑتے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تاکہ راولاکوٹ پہنچ جائیں مگر مجاہدین نے ان کا راستہ روک رکھا تھا، یہاں سارا دن مقابلہ جاری رہا، اگر مجاہدین کے پاس ایمونیشن ختم ہوتی تو ڈوگرہ سپاہی بھی زندہ راولاکوٹ نہ پہنچ سکتا تھا مگر جب مجاہدین کے پاس سے ایمونیشن ختم ہوا تو ڈوگرہ فوج اپنی بے شمار لاشیں ایک مکان میں جلا کر راولاکوٹ کی طرف بھاگ نکلی، عین گلہ کے محروں میں صرف ایک مجاہد صوبیدار ورنجی ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈوگرہ سپاہیوں نے یہاں چھ سات مسلمانوں کو ایک مکان کے اندر روکیل کر آگ لگا دی اور یہ مسلمان اسی طرح مکان کے اندر جل کر شہید ہو گئے۔

معرکہ راولاکوٹ

کپٹن فرحان شیرخان شہید سے غصہ میں بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے پل بھائیابہ موجود ڈوگرہ فوج کا صفیا کر کے فوراً پندرہ کی طرف کیا تھا جب وہ پلندری پہنچے تھے تو عمومی لڑائی کے بعد یہاں سے ڈوگرہ فوج دیوگی کی طرف بھاگ گئی تھی، کپٹن فرحان خان نے فوراً دیوگی پہنچ کر اس طرف کی قیادت میں جعفر و زین خان اور ان

ساقیوں کو سونپی اور خود راولا کوٹ کی طرف چلے آئے تاکہ یہاں دل کھول کر ڈوگرہ فوج سے درود کا نذر سکریں۔ پل بھاتیاہ، فقور اڈ، منگ، عین گلہ، بیڑی، پندرہری اور بوسہ گلہ وغیرہ مقامات پر ڈوگرہ فوج سے جو جمعے کے دن گئے یہ کسی ترتیب وار جنگ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ جس کا جھڑپ ہوتا تھا ڈوگرہوں پر ملہ لڑ دیتا تھا کہ کوہری کے مقام پر جہاں جلاسی ہوا تھا اس میں باقاعدہ ایک دارکونسل قائم کی گئی تھی جس میں تحصیل سہمدوٹی کے مازادوں اور سیکڑوں کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

سیکڑ سہمدوٹی۔ ہیڈ کوارٹر لفٹنٹ کرنل رحمت اللہ خان، میجر حسین خان آف ہرنہ بہرہ۔ کپٹن حسین خان شہید۔ کپٹن بوستان خان آف رٹاڑہ۔ کپٹن منور حسین خان آف دھمی۔ کپٹن شیر خان شہید۔ میجر غلام محمد خان ہڑی اور صوبیدار میجر فرزند خان آف ہرنہ بہرہ وغیرہ کی زیر قیادت رکھا گیا تھا۔ اس ترتیب کے مطابق جنوب مشرقی حصہ کی قیادت کپٹن حسین خان شہید کو دی گئی تھی۔

شمال مغربی حصہ کی قیادت کپٹن بوستان خان کے پاس تھی اور لفٹنٹ اللہ خان۔ صوبیدار میجر اسر خان اور کپٹن منور حسین خان ان کے ساتھ تھے۔

شمالی حصہ کی قیادت کپٹن سر خان اور صوبیدار میجر اسر خان شہید کے پاس تھی۔ مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق بوستان خان آف رٹاڑہ اور بوستان خان آف رٹاڑہ نے فوجی طور پر جنگ شروع کی تھی، صوبیدار اسر خان و شیر خان نے منگ میں محاصرہ لڑا تھا اور کپٹن جیسی خان پندرہری وغیرہ سے ہوتے ہوئے راولا کوٹ پہنچے تھے اور اپنے گاؤں کے قریب میاں گلہ کے مقام پر ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا، اس وقت اگرچہ بحیثیت مجموعی تحصیل سہمدوٹی کے اس سیکڑ کی قیادت کرنل رحمت اللہ خان کے پاس تھی مگر کپٹن حسین خان ڈوگرہوں کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے کسی اعلیٰ افسر کے حکم کے پابند نہ تھے، جب وہ اپنے گاؤں میاں گلہ میں موجود ہندوئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے سامنے قسم اٹھائی کہ جب تک راولا کوٹ فتح نہ ہو وہیں اپنے بیوی بچوں کا منہ نہیں دیکھوں گا اور نہ کپڑے بدلوں گا، کپٹن حسین خان نے ایک ایسی عزم

کے ساتھ راولا کوٹ کی تحریک تیار کی شروع کر دی اور ان تمام گاؤں کو زبردستی سابق فوجیوں کو اپنے پاس لایا جو دوسری جنگ عظیم میں بہادری و شجاعت کے جوہر دکھا چکے تھے، ادھر کپٹن جیسی خان پوری شد سے راولا کوٹ پہنچ کر تباہی کی کہ رہے تھے اور ڈھیر راولا کوٹ میں مقیم ڈوگرہ سپاہی اپنے اُن زخمیوں کی مہم ہٹی کہ سب سے تھے جو ساحلی علاقوں سے مار کھانے کے بعد راولا کوٹ پہنچے تھے، اس کے علاوہ ڈوگرہ انہوں نے ہندو سکھ جو عمر رسیدہ تھے اور ان کے بچے وغیرہ پوچھ پھر کی طرف بھیجنے شروع کر دیے تھے، ان سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ڈوگرہ سپاہیوں نے راولا کوٹ کے نواحی دیہات پر حملے شروع کر دیے تھے، وہ جس گاؤں پر قبضہ کر لیتے مسلمانوں کا غلہ وغیرہ نکال کر مکانات کو تباہ کر دیتے اس وقت راولا کوٹ کے مرکز میں ڈوگرہوں کے پاس راشن بالکل ختم تھا اور وہ مجبور کھیتوں کی طرح عاجز و ناتوان ہونے لگے تھے۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو انہوں نے ایک کالم کی صورت میں راولا کوٹ کے ایک قریبی گاؤں تڑاڑ پر حملہ کر دیا یہاں پانچویں سے سب سے پہلے مسلمانوں کے گھروں سے غارت گارا اور پھر انہوں کے لئے گھاس کاٹی کرنے کے بعد کئی مکانات کو آگ لگا دی، اس وقت اس محاذ پر غازی اللہ دنہ خان آف کھرک موجود تھے، جب ڈوگرہ مکانات کو آگ لگا کر راولا کوٹ کی طرف جانے لگے تو غازی اللہ دنہ خان نے اپنے ساتھی مجاہدین کو لئے کرنل پر حملہ کر دیا، غازی اللہ دنہ خان اور ان کے ساتھیوں نے یہاں اس بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ ان کی ڈوگرہ سپاہی بحیثیت رہے اور بیشتر کے ہتھیار چھین لئے گئے۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈوگرہوں نے اسی طرح برہنگ نامی ایک گاؤں پر حملہ کیا لیکن مجاہدین نے اکی پٹیل روک دی۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو راولا کوٹ کے ذیلی گاؤں پوٹھی ماڈالوں پر قبضہ کر لیا مگر جب مجاہدین نے اس طرف سے آگ برسانی شروع کی تو وہ ڈوگرہ سپاہی مارے گئے اور ایک کوندہ پڑیا گیا، ان دنوں بھارتی ہوائی جہازوں نے بھی راولا کوٹ پر بمباری کر کے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈوگرہ سپاہیوں نے پھر تڑاڑ کا رخ کیا تاکہ اسی طرح انہوں کے لئے گھاس کاٹنے کے غلے حاصل کر سکیں مگر جب مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا تو ڈوگرہ سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک کپٹن جیسی خان اور ان کے جاننا و ساتھی اپنے غارت گاریوں کی صفوں کو مضبوط

متحد کرتے رہے اور دشمن کی نقل و حرکت کا بغور جائزہ لیتے رہے۔

ڈوگڑوں کے کئی موچوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

کیپٹن حسین خان اور ان کے ساتھی مردانہ دار و زور چاروں طرف سے آگے بڑھے تو ڈوگرہ فوج اور ان کے
نے مسلحوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اس روز نائب صوبیدار سردار خان آف ہرنہ میر نے بھی مردانہ وار
لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، ان کے ساتھ نائب صوبیدار نواب شاہ آف اندھڑا اور ان کے
کئی ساتھی شہید ہو چکے تھے۔

دوسرے روز ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب راولا کوٹ کے تمام ڈوگرے اتنی پیر کی طرف بھاگے تو کیپٹن
حسین خان ان کے تعاقب میں اتنی پیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

معرکہ بان

اس بات کی وضاحت یہ ہو چکی ہے کہ مجاہدوں سردار محمد عبدالقدیم خان اور ان کے
ساتھیوں نے نانگا پیر کی فتح کے بعد اپنے مجاہدین کی صفیں مضبوط کرنی شروع کر دی
تھیں، جب بان کے ساحلی محاذوں سے اور نانگا پیر وغیرہ سے بھاگے ہوئے ڈوگرے بان میں جمع ہوئے
تو انہوں نے نہ صرف بان کے چاروں طرف اہم مقامات پر مورچے لگائے بلکہ تمام قریبی دیہات کا بھی
شروع کر دیا تھا۔ بان کے ڈوگرہ سپاہیوں کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں سکھا اور ہندو بھی تھے جو یہاں
کے مسلمانوں سے شدید انتقام لینا چاہتے تھے، جب ڈوگرہ فوج نے آتشزدگی شروع کی تو بان کے قریبی
دیہات جڑا، سرسید، پدر، نڈیو، کوری، کبہ، موہری، جھوٹ، بھگول، سڑوں، مصلیٰ
بیرپانی، کھول، لیدالان، رتنی، خواجہ دینکا کچھ حصہ، چوکی، کوٹیری، بنی پساری، نورنگہ وغیرہ کے
مکانات خاکستر کر دیئے اور ان دیہات کے ہزاروں مسلمان جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ کھڑے
ہوئے، مجاہدوں سردار محمد عبدالقدیم خان اور ان کے جانباڑ ساتھیوں نے جب اپنی تیاری مکمل کر لی تو ۱۹
نومبر کی شب کو چاروں طرف سے بان پر حملہ کر دیا، مجاہدوں کا پروگرام یہ تھا کہ سب سے پہلے بان کے
قلعہ پر حملہ کر کے قیدیوں کو نکالا جائے اس غرض سے وہ سب سے پہلے قلعہ کی طرف بڑھے مگر بان میں
مقیم سکھوں نے قلعوں میں داخل ہو کر قیدیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس وقت بان کے قلعہ میں کس
۴ قیدی تھے جن میں محمد حسین خان آف دھڑے، چوہدری غلام محمداور سائیں خان سکھ سرسید
قلعہ سے زندہ بچے تھے۔ چوہدری غلام محمد بتاتے ہیں کہ بان پر حملہ سے دو روز پہلے ہم سب
مل کو قلعہ کی دیوار کا ایک ذریعہ پتھر کا ٹاور تھا جس پر رات کو جلا دیا گیا تھا۔ پہلے یہ پتھر نکال دیا گیا

کیپٹن حسین خان دوسری جنگ عظیم کے شہرت یافتہ فوجی افسر تھے اور وہ اس ناک میں تھے کہ
طرف ڈوگرہ کا راشن اور ایمونیشن کم ہوا اور ان پر ایک بیک چھاپہ مارا جائے تاکہ ہار ایمونیشن کم خرچ
ہو، مگر اس دوران جب پونچھ کی طرف سے ڈوگرہ کی تازہ کمک گئی تو کیپٹن حسین خان نے مجبور ہو کر چاروں طرف
سے راولا کوٹ پر حملہ کر لیا اور راولا کوٹ کی وادی مختلف قسم کے پتھروں اور مارٹر کے گولوں کی گھن گنج
سے گونج اٹھی۔

راولاکوٹ کے عین قلب میں ڈوگرہوں کے مورچے تھے اور یہ تمام حصہ میڈیاں تھا، یہی وجہ تھی
کہ تمام جنگی مہارت و شجاعت کے باوجود کیپٹن حسین خان اور ان کے ساتھی ڈوگرہوں کا جلا وطنی
کر کے، میڈیاں حصہ کے علاوہ راولاکوٹ کی قریبی پہاڑیوں دھری وغیرہ پر اور دھرمال میں بھی ڈوگرہ
نے اپنی پکڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۴ نومبر ۱۹۴۷ء تک راولاکوٹ کی سرزمین پر لگ
برساتی جاتی رہی، ۴ نومبر کو مجاہدین نے مردانہ دلائے بڑھ کر قریب سے حملہ شروع کر دیا۔ ۱۹ نومبر کو جب
نے ڈوگرہوں کے مورچوں پر گیس کر دیا بدست جنگ شروع کی تو دشمن کی لاشوں کے انبار لگ گئے اور
اس معرکہ میں کئی مجاہدین جام شہادت نوش کر گئے، اسی دوران راولاکوٹ کے مقام پر بھارتی ہوائی جہاز
نے بھی مجاہدین کے موچوں پر بمباری اور فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن مجاہدین کا نقصان بہت کم ہوا۔
کیپٹن حسین خان اس خونریز معرکہ کے قائد ہی نہ تھے بلکہ مہین گن لے کر خود ہزاروں دستہ میں تھے
اور کئی دن سے کھانا نہ کھا یا تھا، وہ اپنے سرخرو دش مجاہدوں سے کہتے تھے کہ انشاء اللہ میں راولاکوٹ فتح
کر کے ہی کھانا کھاؤں گا۔

۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو کیپٹن حسین خان نے ایک آخری اور خونریز معرکہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا، اس رات
انہوں نے اپنے چند جاننازوں کو حکم دیا کہ وہ جان بیکھ کر راولاکوٹ کے بازار تک جائیں اور بازار
کو چاروں طرف آگ لگا دیں، جب چند ہمدردوں نے آگے بڑھ کر رات کی تاریکی میں بازار کو آگ لگائی
تو راولاکوٹ کے مرکز میں بھگڑ پڑ گئی، ہزاروں کی تعداد میں فوجی سکھ بھی ڈوگرہ فوج کے ہمراہ تھے
سکھوں نے آگ بھانے کی کوشش کی مگر طرف افزائری پھیل چکی تھی اور بیابان کی گڑی کے شعلے دیکھتے
ہی دیکھتے پورے بازار کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے، دوسری طرف کیپٹن حسین خان نے حملہ کر کے

اور ایسی تین ہی افراد باہر نکل پائے تھے کہ ڈوگرہ سپاہیوں کو پتہ چل گیا اور انہوں نے جب درندہ صفت
سکھوں کو پال سنگھ وغیرہ کو حکم دیا تو انہوں نے بغیر تمام قیدیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور اس
طرح باغ کا قلعہ شہدائے وطن کا قتل بن گیا۔

ادھر مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان باغ کے قلعہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور ادھر قلعہ کی نحوں ڈیوڑھیوں
بے گناہ قیدیوں کی لاشیں خاک و خون میں لت پت ہو رہی تھیں اور ڈوگرہ سپاہی مجاہدین پر لاکھوں
کے شعلے برسا رہے تھے۔ جب ڈوگرہوں نے دیکھا کہ مجاہدین کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے
سکھوں کو ڈھلی سرئی تنگ کے راستہ پر پنجہ کی طرف بھاگ جانے کا شروع دے دیا اور سکھوں نے بھاگنا
شروع کر دیا۔

مجاہدین جان پر کھیل کر باغ کے قریب پہنچ گئے مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اس وقت
خود پرین گن سنبھالے دشمن پر آگ کے شعلے برسا رہے تھے، جب دو تین سرفروزشوں نے انتہائی

باغ قلعہ میں شہید ہونے والے تمام مشہدوں کے نام قلعہ کے باہر ایک تختی پر کندہ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔
نائب صوبیدار سردار خان عباسی آف بنگلہ۔ محمد کفر خان ولد صدیق خان سدر، نانک محمد حسین خان عباسی
محمد احمد خان، محمد کیم خان، محمد حسین خان، غلام دین خان عباسی، بگھا خان عباسی، کالا خان، محمد علی خان، شریف
خان، منٹو، میر خان، محمد شریف، سید نور علی، دولا گنگا، محمد بخش، شرف علی خان، بوستان خان، شیر علی خان،
علی انصاری خان، محمد کبر خان، علی بختی خان، محمد رفیق خان، محمد کبر خان، رحیم بخش خان، نور حسین خان، خان محمد خان،
صدیق خان، محمد خان، محمد خان، نور عالم خان، محمد شہر خان، کمال دین خان، سائیں خان، محمد خان،
محمد حسین، محمد شعیب، محمد ایوب خان، سردار صلاح خان، میر حسین خان، مختار خان، عبد اللہ خان، میر خرم خان، دھرم خان
نصیر احمد خان، عبد الکریم خان، محمد دین خان، سردار علی کفر خان، محمد خان، بانکا خان، محمد خان، نصر خان، مولوی
عبدالکریم خان۔

بعض شہیدوں کے ناموں کے ساتھ یا گا کہ پرتو دلیت بھی درج ہے لیکن بعض کے ساتھ درج نہیں ہے اسلئے ہم
لوگوں کا باعث دلیت نہیں کہیں، مٹھی لوگوں کا کہنا ہے کہ جیسا نام صحیح نہیں لیکن ہم نے اس کتبہ سے نام درج کئے
ہیں جو باغ کے قلعہ کے دروازے کے قریب نصب ہے اور یہ کتبہ عام قلعہ باغ کے تعاون سے لکھ کر نصب کیا گیا ہے

بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے باغ میں داخل ہو کر ڈوگرہوں کے ایجنٹوں کے ذخیرہ کو آگ لگائی
تو خوفناک دھماکوں سے سارا باغ رازاٹھا اور ڈوگرہ سے بازار کو آگ لگا کر سرئی تنگ کی طرف بھاگ گئے۔

قلعہ آفتاب سے پہلے جب قلعہ کی حیثیت سے مجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان اور ان کے
جانباز ساتھی میر محمد سلیم خان، محمد سعید خان آف کھٹول، سید نور شاہ افور، کیپٹن محمد شرف خان
آف چڑا۔ کیپٹن میر حسین خان آف سالیان، میر محمد ایوب خان آف چوکی۔ غازی محمد اسماعیل خان
لیفٹنٹ سردار محمد نور خان آف ٹوپی، میر محمد شیر خان، لیفٹنٹ محمد بلایم خان، میر سید بلایم
شاہ، کیپٹن گل احمد خان، صوبیدار محمد سلیم خان آف سدرن گلی، لیفٹنٹ نور حسین خان، ناصر
صوبیدار حسین خان، کیپٹن نور حسین خان تیزیاں، کیپٹن محمد حیات خان، کیپٹن محمد صدیق خان
کیپٹن فروز خان، کیپٹن فیض عالم خان تیزیاں، کیپٹن بشیر احمد خان، کرنل عالم شیر خان، کرنل
محمد غلام رسول خان آف سنگولہ وغیرہ باغ کے قلعہ میں داخل ہوئے تو آگ کے وطن پر قربان ہوئے
والوں کی لاشوں کا ایک انبار تھا اور خون کے چھینٹوں سے قلعہ باغ کی ڈیوڑھی لالہ زار ہو رہی
تھی۔ مجاہدوں نے جب یہ اند دہناک منظر دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے انہوں
نے فوراً شمشیریں کی لاشیں اٹھانے کا حکم دیا۔ جب یہ لاشیں اٹھائی جانے لگیں تو لاشوں تلے
دبے ہوئے رولے کے ایک نوجوان سردار خان کی سانس مچی باقی تھی۔ اس کے جسم پر تقریباً تلوار
کے ۳۰ وار پڑے تھے اس کے باوجود مجبورانہ طور پر ابھی یہ زندہ تھے۔ مجاہدوں نے شہیدوں
کی لاشیں اٹھانے کے فوراً بعد باغ کے سول نظام کو برقرار رکھنے کے لئے پیر علی احمد شاہ کو
ایمپورٹر کیا اور خود برق رفتاری سے ڈوگرہوں کے تعاقب میں اتلی پیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کیپٹن خان محمد خان عرف خان آف تنگ کوہ پری کے اجلاس میں شامل
تھے جب پنجہ کے تمام محاذوں کو سیکڑا اور تقسیم کیا گیا تو کیپٹن خان محمد خان
راولپنڈی چلے گئے اور یہاں سے انہوں نے میر پور کارگ کیا۔ ابتدا میں یہ باغ تھا میر پور گئے
اور چند جوانوں کو ساتھ لے کر باغ والی ہاتھوں ڈوگرہ سپاہی سے ایک سین گن جین کر ایک پورہ
پر حملہ کر دیا۔ اس دوران میر محمد افضل خان آف نوشہرہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور
اس طرح خان محمد خان معز کوں پر سمر کے رولے آگے بڑھتے چلے گئے۔ خان آف تنگ بلالوں

معز کے میر پور

فوج کے کپٹن تھے اور کافی عرصہ پٹھانوں کے ملک میں رہے تھے، انہیں پشتوزبان پر عبور تھا جب پٹھانوں کے جیسے میرپور پہنچے تو خان آف منگ نے نہایت دلیری سے ان کی قیادت کی اور انہیں اس امتیاز سے نوازا کہ چند ہی دنوں میں میرپور کا علاقہ آزاد ہو گیا۔ خان آف منگ کے چند ساتھیوں کا کہنا ہے کہ خان کے ایک ادنیٰ اشارہ پر پٹھان آگ میں کودنے کے لئے تیار رہو جاتے تھے اور خان پر جان بھرتے تھے، جب خان آف منگ اور میرپور انسل نے پٹھانوں کے مزاج کو سمجھ لیا تو انہوں نے پٹھانوں کی مدد سے ڈوگرہوں کو فوشہرہ کی طرف دھکیں کہ میرپور پر قبضہ کر لیا، اس طرح فوشہرہ عمر خان اور ان کے جانناز ساتھیوں کی قربانی سے بھیر کا علاقہ بھی فتح ہو چکا تھا اور یہاں کے جاہل راجہ کی سرحد تک چلے گئے تھے۔ ادھر منظر آباؤ پٹھان اور چارسے کے گذر کر مجاہدین اور افغانوں کے پرچمیں جھٹے بارہ مولہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔

مرکز گلگت و بلتستان گلگت کا علاقہ سرحد کے ۲۲۸ میل دور ہے اس علاقہ کی سرحد پر ریاست ہنرہ، نگر اور یاسین وغیرہ واقع ہیں۔ گلگت کے دائیں ہاتھ بلتستان اور بلتستان کے دائیں ہاتھ لارہ کا علاقہ ہے۔ ان تینوں علاقوں کے والی مسلمان ہیں۔ گلگت کا علاقہ حکومت بٹالیہ نے ہمارا جہری سنگھ سے ۱۰ سال کے لئے پیشہ پر لیا تھا اگر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان کی آزادی کا اعلان ہوا تو انگریزوں نے یہ پیشہ واپس کر دیا تھا اور ریاست ہنرہ۔ نگر اور یاسین کے والیوں نے پاکستان کے ساتھ اتفاق کا اعلان کر دیا تھا۔ جنہی انگریزوں نے ہمارا جہری سنگھ کا علاقہ واپس کیا ہمارا نے گنہارا سنگھ کو گلگت کا گورنر مقرر کر دیا اور اپنی فوج کے کچھ دستے بھی اس طرف معین کر دیے۔ سردار محمد بلہیم خان کے سرپرستوں سے چلے آنے کے بعد جب انھیں باغ اور سدھوتی میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو میرا احسان علی خان اور کپٹن مرزا حسن نے جراتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گلگت و بلتستان میں بھی جہاد آزادی کا آغاز کر دیا۔ انہوں نے گلگت کے رگدالوں کو ترتیب دے کر انہیں منظم کیا اور اس علاقہ میں نہ صرف ڈوگرہ فوج کو پہلے دیکھ کر شکستیں دیں بلکہ گورنر گلگت گنہارا سنگھ کو گرفتار کر لیا اور اس طرح گلگت کا علاقہ بھی ڈوگرہ فوج سے عاف ہو گیا۔ جرنیلانہ اور انتظامیہ بنایا جا چکا ہے کہ ۳۱ اکتوبر

۱۹۴۷ء میں ڈوگرہوں نے ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء تک تحصیل باغ اور تحصیل سدھوتی میں ڈوگرہ فوج آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کا قیام پر جس قدر حملے ہوئے اور مجاہدین

وطن نے جس قدر کامیابی حاصل کی یہ باقاعدہ کسی مرتب و منظم جنگ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ مجاہدین کی کچی حب الوطنی اور جذبہ اسلام کا اثر تھا، یہ سرفروشان ملت کے بے پناہ اثبات اور جاں فروشی کا نتیجہ تھا کہ انہیں ہر محاذ پر شاندار فتح نصیب ہوئی اور ریاست پونچھ کا محاذ پھیلنے پھیلنے لگا، لیٹوال سے لے کر چمبر جڑیاں تک دیکھ ہو گیا۔ اور ڈوگرہ فوج کسی محاذ پر بھی اپنے پاؤں مضبوطی سے نہ جاسکی۔

غازی ملت سردار محمد بلہیم خان کو ہماری خصوصی اجلاس کے بعد رات دن مجاہدین وطن کے لئے ایجنٹین اور دشمن کے بندوبست میں مصروف رہے اور اکثر محاذوں کا جائزہ لینے کے لئے خود بھی علاقوں کا دورہ کرتے رہے۔

وہ اپنی تصنیف کشمیر کی جنگ آزادی میں آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کے قیام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جموں و کشمیر کی آزاد حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا اور دریائے جہلم کے قریب پونچھ کے جنوب میں پلندری کے مقام پر آزاد حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا اور دریائے جہلم کے قریب پونچھ کے جنوب میں پلندری کے مقام پر آزاد حکومت کا صدر مقام قائم کیا گیا اور انہیں آزاد علاقہ کی اس حکومت کا بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا اور مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے بھی بالاتفاق سردار محمد بلہیم خان کو آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کا صدر تسلیم کیا اور سردار محمد بلہیم خان نے آزاد حکومت کے پہلے صدر کی حیثیت سے اپنے انتظامی ڈھانچہ کی ترتیب حسب ذیل افراد کی معاونت سے قائم کی۔

صدر آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر سردار محمد بلہیم خان۔

وزیر دفاع۔ سید علی احمد شاہ۔

وزیر مال۔ چوہدری عبداللہ خان بھٹی۔

وزیر داخلہ۔ خواجہ غلام دین دانی۔

وزیر۔ سید نظیر حسین شاہ

وزیر تعلیم۔ میر داغدلو یوسف شاہ

وزیر خزانہ۔ خواجہ ثناء اللہ شمیم۔

مسلم کانفرنس اپنی مجلس عاملہ کے ذریعہ اس آئینی ڈھانچے کی منظوری کا اعلان کر چکی تھی۔ آزاد علاقہ جس قسم کے حالات تھے ان کے پیش نظر کوئی شخص بھی آزاد حکومت کے صدر کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ تھا اور بارہری دنیا کو اس بات کا قطعی یقین نہ تھا کہ آزاد کشمیر میں مسلمانوں کی یہ آزاد حکومت زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکے گی۔ اس کے علاوہ کشمیر کے جو سیاسی رہنما پاکستان میں موجود تھے ان کے اہل و عیال مقبوضہ علاقہ میں تھے اور انہیں اس بات کا خطرہ تھا کہ ڈوگر حکومت ان کے آزاد حکومت کے ساتھ منسلک ہونے پر ان کے بال بچوں کو نشانہ ستم بنائے گی۔ اگرچہ سردار محمد بلایم خان کے پیروں پر بھی سریشگر میں تھے لیکن انہوں نے نہایت جرأت و دلیری سے آزاد کشمیر کے پہلے صدر کی ذمہ داریاں قبول کیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سردار محمد بلایم خان نے بڑی بہادری اور جرات جی سے جہاد کی تیاری کی تھی اس وجہ سے ان کے تمام سیاسی رفقاء کی بھی یہی خواہش تھی کہ آزاد کشمیر کے ہی صدر منتخب ہوں۔

سردار محمد بلایم خان بتاتے ہیں کہ جوں کشمیر کی آزاد حکومت قائم ہو کر کام کرنے لگی تو ریاست کے تمام مسلمانوں نے خواہ وہ آزاد کشمیر میں تھے یا مقبوضہ کشمیر میں آزاد حکومت کی خندہ پیشانی سے نا ائید حمایت کی یہاں تک کہ ریاست کے بعض فرخاند ہند بھی ریاست میں مسلمانوں کی آزاد حکومت کے قیام کے حامی تھے، آزاد حکومت کے پاس اس وقت ۳۰ ہزار بہادر جوانوں پر مشتمل مختصر مگر مضبوط فوج موجود تھی اور اس فوج نے ریاست کا ایک وسیع حصہ آزاد بھی کر لیا تھا۔

جب آزاد کشمیر میں آزاد حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس وقت اس کا مزید بہت ہی کم تھا۔ اس کے پاس نہ خزانہ تھا اور نہ ہی سرکاری دفاتر کے لئے بلند بنا

عمارتیں تھیں۔

جوں کشمیر کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان ہوتے ہی یہ خبر دنیا کے کونے کونے میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ریاست جوں کشمیر کی اس آزاد حکومت کے بارے میں امریکہ و برطانیہ کے اخبارات میں خبریں شہ سرخوں میں شائع ہونے لگیں۔ عام حالات ہیں شاید مہاراجہ ہری سنگھ کی مطلق العنان حکومت کے خلاف ریاست میں ایک جھڑپ حکومت کے قیام کی خبر کو اس قدر مستہزئہ کیا جاتا لیکن برصغیر کے حالات اس وقت جس نازک سیاسی دور سے گزر رہے تھے ان کی وجہ سے آزاد حکومت کی خبر کو کافی اہمیت حاصل ہو گئی۔ آزاد حکومت ریاست جوں کشمیر کی ابتدائی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے سردار محمد بلایم خان کہتے ہیں ہمارے پاس ابھی تک کوئی مرکزی دارالحکومت بھی نہ تھا جہاں ذرا لگے مواعلات اور دوسری سہولتیں بخوبی میسر ہوں۔ پہلے پہل پونچھ کے سرے پر واقع ایک چھوٹے سے شہر پلندری کو ہی ڈوگر شاہی سے آزاد کر لیا تھا۔ علاوہ انہیں یہ شہر پاکستان کی سرحد کے بالکل قریب تھا اور ایک کچی سڑک دریائے جہلم پر بنے ہوئے پل کے ذریعہ اسے پاکستان سے ملاتی تھی لہذا ان حالات میں یہ شہر آزاد حکومت کا صدر مقام بنانے کے لئے موزوں تھا چنانچہ ہم نے فوراً دردمبر کے دوران اس مقام پر چند محکموں کے لئے عارضی دفاتر بھی قائم کئے اور وہ اس طرح کہ ہم نے شہر کے باہر جنگل میں چند نیچے نصب کر لئے اور ہر شعبہ میں ایک محکمہ کا دفتر بنالیا جو اپنے متعلقہ دنیوں کی نگرانی میں کام کرنے لگا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ دشمن کی شدید بمباری کے باعث ہمیں آزاد حکومت کا دارالحکومت پلندری سے ترازو کھل کے مقام پر تبدیل کرنا پڑا۔

دفتری پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے سردار محمد بلایم خان بتاتے ہیں کہ ہمارے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ہمارے پاس اس وقت تک کوئی بھی ایسا سرکار اور سماجی شخص نہ تھا جو ایک نئی حکومت کے قیام کے بعد سے چلانے کے لئے انتظامی امور کا بھی اہر ہو اور ہماری کابینہ میں بھی میرے سمیت کوئی ایسا کارآمد و مددگار شخص

نہ تھا جو اس نئی حکومت کو چلانے کے طریق کا ملادرا سے استھام بخشنے والے انتظامی امور کا تجربہ رکھتا ہو۔ اور نہ ہی ایسے تجربہ کار افسر اور سیکرٹری حضرات ہمارے ممالک موجود تھے جو ہمیں ایک مستحکم حکومت کے قیام کے لئے منصوبہ بندی کرنے کے لئے ضروری امداد دے سکیں۔ یہاں تک کہ ہمیں دفتری کام کے لئے کلرک بھی نہیں مل رہے تھے مگر ان تمام مشکلات کے باوجود ہم اپنی مسلسل جدوجہد کی بدولت چھ ماہ کے اندر اندر ایک ایسی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے تمام شعبوں میں پوری رفتار سے کام ہو رہا تھا اور ہم نے اس عرصہ میں آزاد ریاست کی ایک علیحدہ پولیس اور عدالت بھی قائم کر لی تھی جو آزاد علاقہ کے اندر امن و امان برقرار رکھنے کی خدمات انجام دینے لگیں۔

سرور محمد ابراہیم خان جو کشمیر کی آزاد حکومت کے بانی ہیں۔ ان کے بیان کردہ حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد علاقہ کی حکومت کا قیام انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں عمل میں آیا اور اس وقت ریاست پونچھ کے تمام خواندہ ادریم خانہ فوجان ڈوگرہ فوج کے خلاف معروف پیکار تھے یہاں تک کہ کوئی ایسا پڑھا لکھا فوجان ہیچہ موجود نہ تھا جو اس نئی حکومت کے کسی شعبہ میں خدمات انجام دے سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ سرکاری دفاتر کا کام کرنے کے لئے سیالکوٹ سے جوں کے ہمارے مسلمان بلانے گئے اور جوں جوں کام پھیلنا لگا جوں اور سرینگر کے ہماروں سے ہی یہ اسامیاں پڑی جاتی رہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سرکاری دفاتر میں ان ہی علاقوں کے لوگ چلے گئے اور ایک طویل عرصہ بعد اہل پونچھ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی دفاتر میں کھایا جانے لگا۔

آزاد فوج کی ترتیب نو

بہادروں اور جانشانوں نے حصہ لیا تھا یہ خاص اللہ کے سپاہی تھے اور پھر کسی لالچ یا تحارکے صرف کی جذبہ اور اخوت اسلام کے لئے جہاد کے میدان میں اتر آئے تھے اور یہ ان کے جذبہ پائی اور پھر حب الوطنی ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ہتھیاروں اور بیوشین کی ناقص پیش حالت کے باوجود ڈوگرہ افواج کو ہر گز پر شکست فاش دی اور نہ صرف شکست ہی دی بلکہ ان کے ہتھیار بھی کھینچ

ملک کا ایک وسیع حصہ بھی آزاد کر لیا تھا، جب ڈوگرہ فوج تحصیل سدھتی، بانہ، میر پور کوٹلی اور مظفر آباد وغیرہ سے مار کھا کر سرینگر اور پونچھ کے صدر مقام کی طرف بھاگی تو مجاہدین نے ایک طرف بارہ مولتان ان کا مقابلہ جاری رکھا اور دوسری طرف پونچھ شہر کے فوجی پہاڑوں پر مورچے سنبھال لئے۔ ہم بتاتے ہیں کہ اس وقت تک یہ ایک رضا کار فوج تھی اور ان میں پچاس فیصد ایسے فوجان لڑ رہے تھے جنہوں نے چار چار ماہ چھ دن میں صرف ہندو قحلائی سیکھی تھی۔ ان حالات میں یہ بات ضروری ہو گئی تھی کہ ایک تو مجاہدین کے سیکڑوں کی باقاعدہ ایک ترتیب قائم کی جائے اور دوسرے ان جوانوں کو باقاعدہ جنگی تربیت دی جائے جن کی تربیت ادھوری تھی۔ ان امور کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی خاص اہمیت کا حامل تھا کہ چھان رضا کاروں کو کس طرح ڈرایا جائے اور ان پر کنٹرول کا طریقہ کیا ہو کیونکہ یہ لوگ طبعی طور پر کسی جنگی ضابطہ کے پابند نہ تھے، یہ جنگ کے میدان میں بغیر کسی ترتیب اور منصوبہ کے کود پڑتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سیکڑوں کی تعداد میں زخمی اور شہید ہو جاتے تھے۔ ان تمام امور پر روشنی ڈالتے ہوئے ریفرنٹ کرنل ایلان تصدق حسین خان اپنے ایک خصوصی مضمون ماہنامہ حکایت جون ۱۹۴۷ء میں لکھتے ہیں کہ ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب میں پونچھ آیا تو اس وقت مجاہدین کی تنظیم مندرجہ ذیل تھی:-

(۱) پورا علاقہ تین سیکڑوں میں تقسیم تھا، سیکٹر بلندری سے مجاہدین کی تین پٹلیں بنائی گئی تھیں اور بریڈ کی تنظیم چیرمیر احمد خان (بعد میں ریفرنٹ کرنل) کی کمانڈ میں تھی جو سرگرمی کے نام سے کوئی سیکٹر نہیں لڑا تھا۔

(۲) سیکٹر پونچھ کا بریڈ گوارڈ میٹری فوٹ میں تھا اور اس کی کمانڈر کیپٹن (بعد میں کرنل رحمت اللہ خان) کر رہے تھے۔

(۳) بانہ سیکٹر کی کمانڈر تحصیل بانہ کے ایک فوجان داب صدر حکومت آزاد کشمیر سرور محمد عبد القیوم خان کر رہے تھے اور ان کا سیکٹر بریڈ گوارڈ میٹری فوٹ تھا جس کی قیادت کیپٹن (اب کرنل) رحمت اللہ خان کر رہے تھے، یہ گاؤں سے آنے والے مجاہدین اور مجاہدین کو مختلف یکٹوں اور جٹالین میں بھیجتے تھے، بیت المال کا قلعہ اور راشن وغیرہ اکٹھا کر کے مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا تھا اور یہ خدمت مولانا غلام حیدر خان جٹالوی سرانجام دے

۔۔۔ رہے تھے، مجاہدین کی جنگی تربیت کے لئے مختلف مقامات پر یعنی پلندری، کھائیگلہ اور منگ
 بجری وغیرہ میں تربیت کاہن قائم کی تھیں جہاں سابق سردار نے رکھوئوں کو فوجی تربیت دے دیتے تھے۔
 (۴) بریگیڈ ہڈنگوارڈ کھڑی دھرم سال کی دای میں تھا اور اس کی قیادت ہرنہ مڑوہ والے صوبیدار
 میجر (ابیدیں) میجر حسین خان کر رہے تھے۔ ان کی کان میں نمبر ۱۵ اور ۵ بٹالین کے
 کمانڈر منگ والے عمر رسیدہ صوبیدار شیر خان شہید کر رہے تھے اور ۵ بٹالین کے کمانڈر رماڑہ
 والے صوبیدار (ابیدیں کیپٹن) بوستان خان تھے، ان دونوں پٹنوں میں زیادہ مجاہدین منگ
 کا بنڈی، متورڈ، رماڑہ، سون، بنگ گراں، پاجھوٹ، کھڑک اور پوٹھی ماکولان کے تھے لیفٹنٹ
 کرنل الحاج صدق حسین خان بتلے ہیں کہ میری قیمتی نوٹ میں موجودگی کے دوران ۶ بٹالین
 زیر کمان صوبیدار بعد میں کیپٹن منور حسین خان دھمی والے نے بنائی تھی اس میں زیادہ تر پاسی
 راولا کوٹ، حسین کوٹ - تراڑ - دیک - دھمی اور کھائیگلہ سے لے گئے تھے اور غازی
 محمد ایس خان اسی پٹن میں صوبیدار میجر تھے۔ راولا کوٹ کا نوجوان محمد ثناء خان جبریل میں
 لیفٹنٹ کے خطاب سے جانا جاتا ہے شاید اسی بٹالین میں تھا۔ یہ بیٹوں پلٹیں کھڑی دھرم سال
 سے لے کر کھڑی کوٹ اور دیگر انک مورچے سمجھائے ہوئے تھیں، میری موجودگی میں ۸
 بٹالین بھی بنائی گئی تھی جس کے کمانڈر تالا داری والے صوبیدار میجر (ابیدیں کیپٹن) فروز خان
 تھے جہاں فروز خان کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ پٹن نمبر ۱۲ بریگیڈ میں شامل کی گئی تھی۔ بعد
 میں حلی کے جسے اسٹے کے ایک اور پٹن بنائی گئی جو بعد بٹالین کہلاتی تھی اور اس کی قیادت گیمر
 والے صوبیدار بعد میں میجر فتح عالم خان کو دی گئی تھی۔
 بارنہ بریگیڈ نمبر ۱۱ میں تھا اس بریگیڈ میں نمبر ۲ بٹالین تھیں اور بعد میں ایک نمبر ۳
 بٹالین بھی بنائی گئی تھی۔ اس بریگیڈ کی کان آئی لین کے سابق لیفٹنٹ کرنل محمد حسین خان
 کمرہ تھے، کرنل صدق حسین خان کے بیان کردہ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہڈنگوارڈ کی
 کمان کرنل محمد حسین کر رہے تھے مگر بریگیڈ کی قیادت بدستور مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان ہی
 کر رہے تھے۔ کرنل صدق حسین خان اس کے چل کر بتاتے ہیں کہ کرنل محمد حسین خان کو سردار عبدالقیوم
 خان بھی لائے تھے تاکہ سابق فوجی ہونے کی حیثیت سے وہ تنظیم کو سنبھال سکیں، یہ بریگیڈ دیگر اسے لے کر

منڈی تک پونچھ شہر کے سامنے کیوں رکھائے ہوئے تھا اور اس کی غیر بٹالین کی کمان میجر محمد سلیم خان
 آف میما کی کر رہے تھے۔ اور نمبر ۲ بٹالین کی قیادت میجر محمد ایوب خان آف چرکی (حال نمبر
 اسمبلی آزاد کشمیر) کر رہے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے دامن میں اس کی ایک اور بٹالین نمبر ۱ بنائی
 گئی تھی جس کی کمان محمد عیسیٰ خان غزنی کے ایک نوجوان میجر محمد سعید کر رہے تھے۔ اپریل - مئی
 تک فوجوں کی یہی ترتیب و تنظیم رہی، گڑھی کے آخیں دشمن نے درہ حاجی پر اور پیر کھٹھی پر حملہ
 کیا فوجوں وقت بلانہ بریگیڈ پونچھ سے اس نئے سیکٹر میں چلا گیا اور اس کی قیادت بدستور
 سردار محمد عبدالقیوم خان کے ہی پاس رہی اور اسی ترتیب میجر محمد سلیم خان، میجر محمد ایوب خان
 اور میجر محمد سعید خان اپنی اپنی بٹالین کے کمانڈر رہے، دسمبر سے لے کر مارچ تک پونچھ کے محاذ پر
 دشمن نے کئی حملے کئے جن میں زیادہ تر دشمن کا ہی نقصان ہوتا رہا لیکن مجاہدین بھی خاصی تعداد
 میں شہید ہو گئے۔ خاص گھنیر کی پہاڑی پر دشمن نے کئی بار حملہ کیا مگر صوبیدار (ابیدیں کیپٹن) ہدایت
 خان کی کمان میں لڑنے والی ۱۲ بٹالین نے بھی جملے ناکام بنا دیے۔ اسی طرح کھڑی دھرم سال اور
 چڑی کوٹ وغیرہ مقامات پر بھی کئی مرتبہ جنگ ہوئی صوبیدار بوستان خان، صوبیدار شیر خان، شہید
 اور صوبیدار منور حسین خان نے بڑی بے ہنگری سے اپنی اپنی کمپنیوں کو لڑایا اور ان مقامات پر دشمن
 کا کوئی ٹکڑا کامیاب نہ ہو سکا۔

کرنل صدق حسین خان اپنے اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ ماہ جنوری ۱۹۴۷ء کے آخیں میری دست
 پر غازی ہڈنگوارڈ سے سیکٹر کا مدافعہ کرنے کے لئے (لیفٹنٹ کرنل) بعد میں بریگیڈر محمد صدیق
 خان آئے۔ ماہ فروری میں لیفٹنٹ کرنل میاں خان نے اپنے چند فوجوں کو لے کر درہ کھائی اور کرنل
 صدیق خان اور دھمی مل کر پونچھ فتح کرنے کی ایک سیکیم تیار کی، جب سیکیم بالا انفرادی نے منظور کی
 تو ۱۸ مارچ ۱۹۴۷ء کی رات کو پونچھ پر حملہ کیا گیا۔ سیکیم کے تحت ۱۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو سویت غزب
 ہونے کے بعد چڑی کوٹ کی پہاڑی کے چھوٹے پونچھ کے شہر پر توپ کے گولے برسائے گئے لیکن
 ۱۹ مارچ ۱۹۴۷ء کو فوجی جنگ بند کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پونچھ کا شہر بدستور دشمن کے
 قبضہ میں رہا اور اس کے فوراً بعد دشمن نے پونچھ شہر پر اپنی پوزیشن پر حد تک حملہ کر کے ۱۰ دھرم آزاد
 فوجوں اور بے ترتیب چھا کر دے والے جھڑپوں کی تنظیم کو شروع کر دیا اور دھرم آزاد فوجوں نے پوری

پاکستان میدان جنگ میں

تندری و تیز رفتاری سے باہرین کے مورچوں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بہا باہر ہری سنگھ کے سربراہی کے خزانہ دار شیخ محمد عبداللہ کی نوری رائی کے بعد شیر کی جنگ آزادی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ چونکہ بھارت نے اپنے کئی تازہ دم برگیدہ کشمیر کے محاذوں پر بھیج دیئے تھے۔ جب یہ صورتحال پیدا ہو گئی تو بہ امر جمہوری حکومت پاکستان کو بھی اپنی ان سرحدوں کے تحفظ کے لئے فوج بھیجی پڑی جہاں سے بھارتی فوج کے داخل ہونے کا خدشہ تھا۔ چنانچہ اس باہم ضرورت کے بارے میں اس وقت کے کانڈرا نیٹ جرنل گریوی اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ

(۱) بھارت شمالی اور جنوبی اطراف سے مغربی سرحد پر حملہ کرنے والے ہیں، شمال میں مظفر آباد اور جنوب میں بہار پور پور کے علاقہ پر قبضہ کرنا مقصود ہے۔

(۲) راجپوتی کے واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات ضرور روشن کی طرح عیاں ہے کہ بھارت مقبوضہ علاقوں کی مسلح آبادی کو جرحل عام سے نکلنے کی پاکستان کی جانب دیکھ کر دے گا۔ اور پاکستان کے لئے کثیر تعداد کے ہاتھ مارا جا رہا ہے۔ ہاجرین کی گھنڈا شرت نامکن ہو گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ملک میں افغان تفری بھی مہل جائے گی اور پاکستان کی معاشی حالت بھی بگڑ جائے گی اور اس طرح وہ بھارت کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے رہیں گے۔

(۳) بھارادریس پور پر قبضہ ہو جانے سے راوی اور چناب کی قدرتی سرحد ختم ہو جائیگی اور یہ دونوں رکاوٹیں دور کرنے کے بعد بھارتی فوج کا ایسی برتری حاصل ہوگی جو پاکستان کو نصیب نہیں۔ نیز جی ٹی روڈ اور دریا کے جہلم کا بل بھی خطرے میں ہے۔ بے گار اور بھارتی فوج کو پاکستان کی شہر و گراہنے سے کوئی نہ روک سکے گا، اس طرح مظفر آباد اور کس پر قبضہ کر کے بھارت فوج جہلم ہی نہیں بلکہ متحدہ اٹلی کی زمینوں کو بھارادریس کا کر کے لوگوں کو کھانا دے گا۔

(۴) چونکہ پر قبضہ ہو جانے کی صورت میں ان بے شمار نوجوانوں کے جو محلے ٹوٹ جائیں گے جو کہ گستانی افواج سے مسلح ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ فوجی بغاوت کی صورت میں رونما ہو گا۔

(۵) مظفر آباد اور کوٹلی کو فتح کرنے سے بھارت کو دو فائدے حاصل ہوں گے۔ اول یہ کہ وہ پاکستانی سرحد پر مستقل خطرہ بن جائے گا اور جب چاہے زور دار حملہ کر کے دور درنگ آسانی سے قبضہ

کر سکے گا۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے سیاسی ہم خیال لوگوں مثلاً خان عبدالغفار خان اور فقیر علی اور فغانا کے ساتھ آسانی سے رابطہ پیدا کر کے اس ملک کا شیرازہ منتشر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا (۶) مذکورہ بالا علاقوں خاص طور پر مظفر آباد پر بھارتی فوج کے قابض ہوجانے سے قبائلی علاقوں کے لوگ پاکستان کے خلاف ہو جائیں گے۔

کانڈرا نیٹ سیرٹس گروپس کی اپنی رپورٹ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اگر پاکستان تقریباً ۱۰ لاکھ پچاس ہزار تباہ حالہ ہاجرین کے دیئے سے بچنا چاہتا ہو، بھارت کو اپنے دروازوں سے دور رکھنا چاہتا ہو، اگر فوج اور سول آبادی کا حوصلہ بڑا رکھنا چاہتا ہو، پاکستان کو سیاسی انتشار سے بچانا لازمی ہو تو یہ امر لازمی ہے کہ آگے بڑھ کر دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے اور اورڈی، پونچھ اور نور پور کی سرحدوں سے آگے آنے کے خطرہ کو پیشہ کرنے لئے روکا جائے۔

مذکورہ بالا رپورٹ کی روشنی میں یہ بات ضرور ہو گئی تھی کہ پاکستانی افواج آگے بڑھ کر ان خطرات کا سدباب کریں جو پاکستان کو کسی بھی وقت تباہ کر سکتے تھے، مگر شہنشاہ الجباب میں ہم اس بات کی پورے طور پر غور کر چکے ہیں کہ پونچھ کی سرزیر پڑوگو بہا باہر ہری سنگھ نے جنگ کو خود دعوت دی تھی۔ اس نے اپنی پونچھ کی نفیلت و برتری کو خاک میں ملانے کی ترکیب سوچی تھی کہ تمام ڈوگو فوج کو پونچھ شہر کی طرف دھکیل کر اسے کھلی دی جائے، جب ڈوگو فوج نے سرزیر پونچھ کو چھڑا دیں تب یہ کرپا تو پونچھ کے بے سرو سامان مسافروں نے باطل نا اسی بخش بھاریاد کے ذریعہ ڈوگو فوج سے جنگ لڑائی شروع کر دی۔ یہ وہ وقت تھا جب سرزیر پونچھ کے غیر مسلحان سرحد کی باڑی لگائے ہوئے تھے اور پاکستان کے اعلیٰ حکام اس تمام کارروائی سے بے خبر تھے۔ جب باہرین پونچھ نے پونچھ اور مظفر آباد کے ایک حصے حصے ڈوگو بربریت کے پرم سرگرمی کے نوا پاکستانی حکام کو پتہ چلا کہ بہا باہر شروع ہو چکا ہے۔ اس پر اسے عرصہ میں حکام پاکستان نے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی لیکن جب بہا باہر ہری سنگھ نے ایک خط کے ذریعہ بھارتی حکام کو اطلاع دے لئے ملایا اور ملک بھارتی فوج کے حوالے کر کے خود جوں کی راہی تو پاکستان کے لئے بھی یہ بات لازمی ہو گئی کہ وہ پاکستان کی ان سرحدوں کا تحفظ کرے جو باہرین ہری سنگھ سے ملتی ہیں۔ اس وقت اگرچہ پاکستانی فوج بھارتی فوج کے خلاف پاکستانی فوج کے بہادر سپاہی جنگ کے میدان میں کھڑے تھے۔

۱۹۳۵ء کے پانچویں ماہ کی ۱۶ تاریخ کو سرینگر کی انڈیا کمپن کے حکم سے ایک بریگیڈ جس میں چار بٹالینی فوج تھی ہندوڑہ کے راستہ ٹیٹوال پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں کہیں کہیں آزاد فوج کے مجاہدین نے مقابلہ کیا مگر بھارتی بریگیڈ جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تھا اس وجہ سے مجاہدین اس کا راستہ نہ روک سکے۔

۱۹۳۵ء کے پانچویں مہینہ کی ۱۶ تاریخ کو اس سے بھی بڑا ایک لشکر ڈری کی طرف روانہ ہوا تاکہ جلاز جلیظہر آباد پر قبضہ کیا جاسکے مگر اس کے مقابلہ کے لئے پاکستانی فوج کا ساتواں ڈویژن جس کے کمانڈر ریجمر جنرل الٹ۔ جے فونٹس ٹائٹن تھے اس طرف بھیجا گیا۔ اس کے باوجود کہ بھارتی فوج نے ۲۰۰ بیس مسرہ پر ایک برساتی شہر سے لڑ کر فوج کو کم دیا گیا کہ وہ خود دہشتہ نہ لڑیں بلکہ آزاد فوج کے مجاہدین کی مدد کریں۔ ان دہشتہ کا صاف طور پر مطلب یہ تھا کہ پاکستان بھارت کے ساتھ کسی بڑی جنگ میں الجھنا نہ چاہتا تھا مگر بھارتی فوج نے اپنی پوری طاقت سے مجاہدین کے مفروضہ حلاقوں کو حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

اس کی بڑی فوج کے ساتھ ساتھ فضائیہ بھی حرکت میں آئی تھی اور اس کے ہوائی جہاز پوری شدت سے مجاہدین کے مورچوں پر بم برسا رہے تھے۔ چنانچہ مقامی فوجی قائدین نے لے لیا کہ وہ اپنی جنگی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے مجاہدین کی منظم فوج کو ہی سامنے رکھیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کر کے دشمن سے لڑائیں۔ اس مقصد کے تحت اتنی ایسی جنگی جہازوں سے گئی کہ دشمن کے مواصلات قطع کئے جائیں تاکہ اسے بروقت جنگی سامان نہ پہنچ سکے، شلاً پونچھا در کشمیر کے محاذوں پر لڑنے والی آزاد فوج کو اس انداز سے منظم کیا گیا کہ وہ بھارتی فوجوں کو ہر محاذ پر لہجائے رکھیں جیسے کہ وہ گذشتہ سترہ ماہ سے لڑتی چلی آ رہی تھیں۔ اس کارروائی کا ایک فائدہ یہ تھا کہ بھارتی فوج کا ہر پلٹھکا پھٹو در کس کی طرف بڑھتا تھا وہ رک گیا اور بھارتی کمانڈروں کی خواہش کے منہور بریگیڈ کی طرف بڑھتی اور اس طرح پاکستانی افواج ہندوڑہ آگے بڑھنے لگیں۔

ٹیٹوال محاذ پر بریگیڈ جس کے کمانڈر حاجی افتخار احمد تھے بھیجا گیا۔ اس بریگیڈ کو اپنے محاذ پر پہنچنے کی اس قدر تاکید کی گئی کہ اس کے جہازوں کو دونوں کا پیدل راستہ گھنٹوں میں بے کرنا پڑا۔ ۲۴۔۵۔۴۵ R.F. 12/3 اور 16/4 پنجاب رجمنٹ جس کے کمانڈر کرنل نوشیروان (بعد میں جنرل) تھے نے ۲۴ گھنٹوں

کے اندر اندر ۳۰ میل کا خطرناک سفر طے کیا، کرنل نوشیروان بڑے بہادر اور جانناز کا ٹھہر تھے انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنی فوج کو دشمن کے راستہ کے دونوں طرف متعین کر دیا حالانکہ اس وقت ان کے پاس ضرورت کے مطابق سامان جنگ بھی نہ تھا مگر جب بھارتی فوج دندناقی ہوئی آگے بڑھی تو پاکستانی فوج کے مسرہ و مشن جہازوں نے دونوں طرف سے ان پر حملہ کر دیا، اس غیر متوقع حملہ کا تاب نہ لاکر بھارتی فوج پسپا ہو گئی اور اس طرح کرنل نوشیروان نے اپنے مورچے مضبوط کر لئے۔

خان آف جنگ اور جبرائیل کے شجاعانہ کارکردگی کے اگرچہ میرو لورنچ ہرچکا تھا اور یہاں چٹھاؤں کے جتنے بھی موجود تھے گریزب مشرق کی طرف سے بھارتی فوج کے بڑے حملہ کا خطرہ تھا چنانچہ ۲۴۔۵۔۴۵ کو بھنگڑ کے جنوب میں مورچے سنبالنے کا حکم دیا گیا اس وقت اس رجمنٹ کے کمانڈر ریفرنٹ کرنل راجہ محمد صدیق تھے۔ کرنل محمد صدیق نے بھنگڑ کے محاذ پر دشمن کا ریل روک دیا اور یہاں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

پچیسویں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈر (بعد میں جنرل) محمد اعظم زبانی تھے اس بریگیڈ کی دو بٹالینیں بھی کرنل محمد صدیق کی مدد کے لئے بھیجی گئیں کیونکہ اس طرف سے خطرہ بڑھ چکا تھا ۲۳/۱۱/۴۵ R.F. ۱۶۶ کو اس کے کمانڈر ریفرنٹ کرنل بشیر احمد خان تھے مظفر آباد اور سرینگر روڈ کی طرف بھیجا گیا۔ یہ بٹالین ۱۰۱ بریگیڈ کا حصہ تھی جس کے کمانڈر بریگیڈر (بعد میں جنرل) محمد اکبر زنگروٹ تھے۔ اس بٹالین نے آگے بڑھ کر اوٹھ کے طرف سے دشمن کی پیش قدمی روک دی۔ اس محاذ پر نائب صوبیدار دوست محمد خان نے بہادری اور شجاعت کا لازوال نمونہ پیش کیا اور دشمن کے ساتھ دست بدست لڑتے ہوئے شہید ہو گئے نائب صوبیدار دوست محمد خان کی قربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دشمن کو اٹھائے رکھا اور درحقیقت پاکستانی فوج کو کھیت کوٹ کے مقام پر دفاعی محاصرہ مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔

۱۹۳۵ء کا پورا مہینہ اوڑی اور ٹیٹوال کے محاذوں پر شدید جنگ جاری رہی۔ بھارتی فوج نے اوڑی محاذ پر شدید ترین حملے کیے تاکہ کسی طرح مظفر آباد پر قابض ہو سکے لیکن اس کے یہ حلقے ناکام رہے اس وقت نہ صرف بھارتی ہوائی جہاز اپنی فوج کو جہازوں کی مدد سے رہے تھے بلکہ توپ خانہ بھی گولہ باری کر رہا تھا لیکن پاکستانی اور آزاد فوجوں نے اپنے دفاعی محاصرہ مضبوط کر لئے تھے، ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کو بھارتی فوج نے دتل جزار فٹ بلند چوٹی پر کھنٹی کی طرف سے حملہ کیا۔ یہ چوٹی باغ صدر مقام کے باطل

سہرہ ہے۔ دشمن نے اس چوٹی سے گزرنے کی کوشش اس وجہ سے کی کہ کسی طرح باغ کی وادی پر قبضہ کیا جائے لیکن یہاں آزاد فوج کے سرفروزش مجاہدوں نے بھارتی فوج کو پسپا کر دیا۔

جون ۱۹۴۷ء تک بھارتی فوجوں نے داس پڑی قبضہ کر لیا تھا اور اب لہیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، جب مجاہدین اور پاکستانی افواج نے بے فکر سے حملے کئے تو بھارتی فوج کو ہر محاذ سے پسپا ہونا پڑا۔ جن کشمیر کے شمال و جنوب میں اور مغرب میں اب ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ کوہگل سے لے کر کھیمب تک تقریباً بیس کلوں میں لہی سرحد پر آزاد فوج اور پاکستانی فوج ٹوڑی تھیں اور تمام سیکٹروں کو از سر نو مرتب کر دیا گیا۔

(۱) بھمبر سیکٹر (۲) کوٹلی سیکٹر (۳) پونچھ سیکٹر (۴) جیمو سیکٹر (۵) بارہ سیکٹر (۶) اورڈی سیکٹر (۷) ٹیٹوال سیکٹر (۸) گلگت سیکٹر

مذکورہ ترتیب کے مطابق آزاد اور پاکستانی فوج کے پاس جس قدر متوجہ علاقہ موجود تھا اس میں کسی جگہ بھی ٹرک نہ تھی۔ دریائے جہلم کے ساحل سے لے کر بلند تین پہاڑوں تک جنگی سامان یہاں کے مقامی لوگ رضا کارانہ طور پر پہنچاتے تھے۔ مقامی لوگوں کی ایک بڑی تعداد رات دن محاذوں پر سامان پہنچاتی تھی اور یہاں کے بچے اور بڑے رات دن ٹرکوں کی تعمیر میں مصروف تھے۔ کوٹاہ سے ایک ٹرک باغ کی طرف نکالی جا رہی تھی جس پر اس علاقہ کے تمام لوگ مصروف تھے، دوسری طرف آزاد دہلی سے ایک ٹرک پٹنہری، جیمو کی طرف نکالی جا رہی تھی اس طرح اس پڑی رات دن کام پورہ تھا۔

جون ۱۹۴۷ء تک تمام محاذوں پر جنگ تیز ہو گئی کیونکہ بھارتی فوج برقیات پر اپنی خفیت شانے کے جنوں میں تھی، جب بھارتی فوج نے پے درپے حملے شروع کئے تو ساتویں ڈویژن کی امداد کے لئے ایک نیا ڈویژن تیار کیا گیا جس کے کمانڈر جرنل ندیا راجہ نشین کئے گئے۔ جولائی کے شروع میں ان دونوں ڈویژنوں کو عازم تقسیم کئے گئے اور ساتویں ڈویژن کو جنوبی محاذ سونپے گئے۔ فوجی ڈویژن ٹیٹوال باغ اور اورڈی کی طرف متعین کر دیا گیا اور آزاد کشمیر کی مقامی فوج کے علاوہ اب پورے کشمیر محاذ پر پاکستانی افواج کی تعداد پہلے پانچ بریگیڈز اور بعد میں سات کر دی گئی۔ اس سے پہلے پاکستان کے ذمہ دار حکام مصلحت کا شکار تھے اور سیاسی طور پر وہ مناسب نہ سمجھتے تھے کہ وسیع پیمانے پر فوجی کارروائی کی جائے مگر جب ان اطراف سے پاکستان کے وجود کو ہی خطرات لاحق ہو گیا تو پاکستانی فوج نے پوری قوت سے بھارتی

افواج کی میخا میں روکنی شروع کر دیں۔

پاکستانی فوج کی ترتیب نو کے بعد پوری شدت سے حملے شروع ہو گئے، دریائے کشن گنگا کے شمال کے قریب ایک اہم مورچہ پر بھارتی فوج نے قبضہ کر رکھا تھا جو پنج کوٹ کی کھٹ کے لئے خطرناک تھا اس پر جب ۱۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو پنجاب ریمنٹ کے بہادر جوانوں نے حکم کیا تو یہاں دست بدست جنگ چڑی۔ اس وقت پاکستانی فوج نے ایک لگی توپ بھی ایک پہاڑی پر نصب کر لی تھی جب پاکستانی فوج نے کیا لگی حکم کیا تو اس مورچہ سے بھارتی فوج ہلکا کھڑی ہوئی، نمبر ۱۰۱ بریگیڈ اس وقت اورڈی کے قریب تھا جب یہ مورچہ فتح ہوا تو اس بریگیڈ کے کمانڈروں نے پانڈو پہاڑ کی چوٹی پر حملہ کر دیا کیونکہ یہ مورچہ بے خطر خطرناک تھا اس وقت پانڈو پہاڑ کی چوٹی توڑی جس کم انکم ایک بریگیڈ بھارتی فوج نیمہ زن تھی مگر اس کے باوجود پاکستانی اور آزاد فوج نے اسے شکست فاش دے کر چوٹی پر قبضہ کر لیا اور یہاں بھارتی فوج کے سیکٹروں سپاہی کھیت رہے۔

ٹیٹوال اور اورڈی کے محاذوں کی طرح کشمیر کے جنوبی محاذ بھی خطرناک پہاڑوں اور گنجان جنگلات پر مشتمل تھا، یہاں اگرچہ پاکستانی فوج کی بھی چند تباہی موجود تھیں مگر بھارتی فوجوں سے آزاد فوج کے مجاہدین ہی مصروف پیکار تھے۔ اس دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آزاد فوج کے بہادر سپاہی نوشہرہ سے لے کر کھنور تک کے علاقہ کو تسخیر کر سکتے تھے مگر پاکستان کے اعلیٰ حکام جنگ کو زیادہ وسعت دینے کے متقی نہ تھے، اور بھارتی حکومت کشمیر کے علاقہ میں بدستور جاری فوج بھیجے جا رہی تھی اور نومبر ۱۹۴۷ء تک کشمیر کے مختلف محاذوں پر بھارت کی ۱۲ بریگیڈ فوج آچکی تھی اور ہر بریگیڈ میں کم و بیش ۵۰۰۰ لاکھ تباہی تھیں، بھارت نے جنوں اور سرگرم کو دو الگ الگ اور پرنسٹن کمانڈروں کی قیادت میں کر رکھا تھا۔

اور آزاد اور پاکستانی فوج کا یہ حال تھا کہ انہیں راشن اور سامان جنگ بھی بروقت نہیں مل سکتا تھا کیونکہ تمام راستے محاذوں تک پیرل تھے اور کئی کئی دن کا سفر کر کے بھجوتیں اور مزدور سامان جنگ محاذوں تک لے جاتے تھے، مگر ملک و قوم کی آن کے لئے لڑنے والے مجاہدین کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ یہ کسی بھی سزا سے بھارتی فوج کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔ انہوں نے پے درپے حملے کر کے بھارتی فوج کو پسپا کرنا

شروع کر دیا تھا اور بحری پتہ پر قبضہ کرنے کا معمم ارادہ کر لیا تھا مگر یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جب جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تو مجاہدین کے ارمان ان کے سینوں میں چل کر رہ گئے۔ مجاہدین وطن اپنے وطن کو بزدل و شہر آزاد کرانے کا تہیہ کر چکے تھے مگر ان کی قسمت کا فیصلہ اقوام متحدہ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ موجودہ دور کے ساز و سامان اور ذرائع نقل و حمل کو دیکھ کر حیرت ہونے لگتی ہے کہ کس طرح کس سپر ہی کے عالم میں ہماری بہادر افواج نے اتنا بڑا علاقہ آزاد کر لیا تھا۔ جب کشمیر کے محاذوں پر جنگ چورہی تھی تو ہمارے زخمیوں کو مرہم پٹی کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ پورے آزاد علاقہ میں ایسا تنگمی ڈھانچہ تیار کیا گیا تھا کہ زخمیوں کو پڑاؤ و سرپاؤ رضا کار اٹھا کر کوالہ اور آزاد پتہ لے جاتے تھے اور وہاں سے انہیں بسوں کے ذریعہ راولپنڈی اور مرہی کے ہسپتالوں میں داخل کیا جاتا تھا اور بعض شدید زخمی مجاہد راستہ میں ہی دم توہہ دیتے تھے، راشن اور شائے خورد و نوش کی قلت کا یہ عالم تھا کہ بعض محاذوں پر راشن نہ پہنچنے کے باعث مجاہد کئی کئی دن تک ناقہ کشی کے عالم میں رہتے رہے مگر ایک انچ پسپا ہونے کا نام نہیں لیا، مجاہدین کے علاوہ عام لوگوں کے ایشیا و قربانی کا یہ عالم تھا کہ بچے، بوڑھے اور عورتیں رضا کارانہ طور پر رات دن فکروں کی تعمیر میں مصروف تھے تاکہ محاذوں تک سامان جنگ پہنچایا جاسکے، بعض دفعہ جب کسی پہاڑی پر ذرتی توپ کی ضرورت ہوتی تو ہزاروں مسلمان مل کر توپ پہاڑی پر لے جاتے۔

۱۹۴۹ء کی جنگ آنا دی قرون اولیٰ کے کسی جہاد سے کم نہ تھی کیونکہ اس جہاد میں مادر وطن کے فرزند نے بغیر کسی لالچ کے صرف اسلام کے نام پر حصہ لیا تھا۔

ہمارے غازی ہمارے شہید

تمہیں سے لے مجاہدو جان میں ثبات شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات

کشمیر کی جنگ آزادی ۱۹۴۷ء دنیا کی جنگی تاریخوں میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو بلاشبہ یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اب تک دنیا میں ایسی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی جس کا آغاز اس طرح ہوا جیسا کہ ایک طرف ہزاروں کی تعداد میں مسلح فوج مورچے سجھائے بیٹھی ہزاروں دوسری طرف گنتی کے چند بے سرو سامان مجاہدین قتالی ہاتھوں ان پر پل پڑیں اور ملک کا ایک بڑا حصہ آزاد کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کر لیں۔

تاریخ عالم میں اہل پونچھ کو یہی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے بغیر تسلی بخش ہتھیاروں کے ڈوگرہ فوج سے بغیر جنگ نری اور نہ صرف ڈوگرہ سپاہیوں کے ہتھیار چھین کر ان کا صفایا کیا بلکہ ملک کے ایک بڑے حصہ کو بھی ڈوگرہ سامراج کی غلامی سے آزاد کر لیا۔

کشمیر کی جنگ آزادی ۱۹۴۷ء تک پوری شدت سے جاری رہی۔ اس دوران جنگ گامیلان سینکڑوں میل تک پھیل گیا، اس جنگ کا آغاز اگرچہ آزاد پتہ اور کولہ کے درمیانی حصہ سے ہوا تھا مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ جنگ گلگت سے لے کر چیمب جوڈیاں تک پھیل گئی اور پھر راجوری تک کا سارا علاقہ آگ کے مہیب شعلوں کی زد میں آ گیا، اور بھارتی حکومت نے اپنے کئی تازہ دم ڈوئرن اس طریق محاذ پر بھیلا دیئے تاکہ جو حصہ مجاہدین پونچھ نے آزاد کر لیا ہے اسے واپس لیا جائے مگر مجاہدین پونچھ نے میدان جنگ میں وہ دہکارنا سے مسلح تمام دیتے جن کی مثال ہماری قرون اولیٰ کی تاریخ ہی پیش کر سکتی ہے۔

تاریخ کے اوراق خون کرنے والے سے ایک بہادر سپاہی کا ہمیشہ یہ گھر رہا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہی کا خون گرتا ہے اور مورخ سپاہی کی قربانی کو نظر انداز کر کے صرف جہول کے کاروائے نمایاں کو ہی شمع و بسط سے بیان کرتا ہے۔ ایک مؤرخ سے ایک سرفروشن سپاہی کا یہ ٹکڑا بے جا نہیں ہے کیونکہ دنیا کی تاریخیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں، لیکن کشمیر کی جنگ آزادی کی ذمیت

ہی جدا ہے۔

اس بے مثال جنگ میں مہاراجوں پر دشن ایونیشن پہنچانے والے ایک رضا کار سے لے کر ایک سیکٹر کا ہڈی ٹنگ ہر فرد نے حب الوطنی کا پیکر منظر ہوا کیا ہے اور ہر فرد کی قربانی بچی بچی ملے ہے۔ سپاہی کا یہ بھڑکنا بھی بچا ہے کہ میدان جنگ میں آگ کے شعلوں سے سپاہی کھیتا ہے اور اس کا جہز مورچوں سے سیلوں ذریعے رہتا ہے۔

یہ بات دنیا کی دوسری جنگوں میں ضرور ہوئی ہوگی مگر کشمیر کی جنگ آزادی میں دیکھا گیا کہ فوج کا ہر کا پیکر ہر اول دستہ میں دشمن سے جنگ لڑتا رہا ہے، اگر ان تمام بہادر فوجی انصروں کے انفرادی کارنامے نمایاں الگ الگ لکھے جائیں تو ایک ایک نماز کے راستہ انک سرب ہوتی ہے اور اس طرح ہزاروں صفات درکار ہوں گے، سطوریہ میں صرف ان بہادرین وطن کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے کشمیر کی جنگ آزادی میں اپنی بے مثال فوجی بہادری اور شجاعت کا رگوں کے باعث اعلیٰ فوجی اعزازات حاصل کئے۔

حال ہی میں جناب کپٹن جنرل سیٹی احمد شاہ صاحب سابق صدر حکومت آزاد کشمیر نے اپنی ذاتی ڈائری سے اعزاز یافتہ حضرات کے اعداد و شمار ہفت روزہ سرفروش میں شائع کئے ہیں، ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں دلاویز کشمیریوں نے ہلاک کشمیر کا اعزاز پانے والے پانچ بہادر تھے۔ ہلاک کشمیر کے بعد کشمیر کی جنگ آزادی کا دوسرا بڑا فوجی اعزاز فخر کشمیر ہے جو ۶۹ فوجی انصروں نے حاصل کیا تھا۔ فخر کشمیر کے بعد تیسرا بڑا فوجی اعزاز شیر جنگ ہے اور یہ حاصل کرنے والوں کی تعداد ۲۴ تھی، جتنا تعداد بہادر حیدری ہے اور اس کے حاملین کی تعداد ۶۰ تھی ہے، پانچواں اعزاز شجاعت اور یہ حاصل کرنے والے ۲۱ بہادر بہادر ہیں۔ چھٹا اعزاز بہادر تھا اور یہ حاصل کرنے والوں کی تعداد ۳۳ تھی تاکہ بتائی جاتی ہے۔

فوجی اعزازات کے علاوہ جن لوگوں نے ملک کا سولی نظم و نسق بحال کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا انہیں بھی اعزازات دیئے گئے تھے، سید علی احمد شاہ صاحب کے بیان کردہ اعداد و شمار کے مطابق جن لوگوں کو فاضل ملت کا خطاب ملا ان کی تعداد ۱۳۰، فاضل کشمیر ۵۵، فاضل دین ۱۱۳ اعلیٰ سنی یافتہ ۴۲۔ اور سند یافتہ درجہ دوم ۲۹ تھے۔

اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی کہ اعلیٰ فوجی اعزاز پانے والے تمام بہادروں کے نام دستیاب ہوں مگر غرضیہ سب کے باوجود ان تمام بہادروں کے نام اور رینک دستیاب نہیں ہو سکے اور جو نام اور رینک دستیاب ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

شہیدر ناناگ سیف علی جعفری: جن پانچ بہادروں نے ہلاک کشمیر حاصل کیا ان میں ایک سیف علی جعفری تھا، یہ بہادر بجا پھر تحصیل پنڈر کے ایک گاؤں کھنڈر کا رہنے والا تھا ۲۸/۱۰/۶۱ کو یہ پکھلیا کے مقام پر ہمارے تکیہ ایک پلاٹون کی کان کر رہا تھا، بھارتی فوج کے شدید حملے کے باعث اس پلاٹون کا رابطہ ہر طرف سے متعلق ہو چکا تھا۔ ناناگ سیف علی خود ایک مورچہ پر زمین تھا، اسی دوران بھارتی فوج کا ایک پورا پورا پکھلیا پھاڑی پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھا اور دشمن کے توپخانہ اور بمبار طیاروں نے بھی شدید گولہ باری شروع کر دی تو ناناگ سیف علی نے بے مثال پامردی اور استقلال کا مظاہرہ کیا۔ اس کے باوجود کہ اس کی پلاٹون کا رابطہ ہر طرف سے ٹوٹ چکا تھا اس نے اپنے چند ساتھی بھروسہ تھیں کوئے کمدش کا شدید مقابلہ کیا اور وہ اپنی اولیہ ساتھیوں کی آخری گولی ختم ہونے تک دشمن کا مقابلہ کرتا رہا، ناناگ سیف علی کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اس کا رابطہ چاروں طرف سے ٹوٹ چکا ہے اور اب اس کو کسی قسم کی امداد نہیں مل سکتی لیکن اس کے باوجود اس نے دشمن کو اٹھائے رکھا اور آخری گولی دشمن پر چلانے کے بعد خود بھی جام شہادت نوش کر لیا اس واقعہ کے یقینی شاہد لیفٹنٹ رمت اللہ خان کا بیان ہے کہ ناناگ سیف علی شہید کے پایہ کا بہادر اور دلیر پوری آزاد فوج میں کوئی نہ تھا جس نے یکدم ہاتھ ہارت کے ایک پورے بگڑے کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے، یہی وجہ تھی کہ اس بہادر بہادر کشمیر کی جنگ آزادی کا سب سے بڑا اعزاز ہلاک کشمیر (بعد از شہادت) دیا گیا۔

کپٹن فروز خان شیر جنگ:۔ پونچھ کے ہتھیار مہاراجوں نے اپنی بہادری کے نقوش ثبت کئے ان میں کپٹن فروز خان شیر جنگ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہیں اس بہادری اور بے مثال فوجی بہادری کے باعث شیر جنگ کا اعزاز دیا گیا تھا ۲۴ کو کپٹن فروز خان نے بھارتی فوج کے ایک بہت بڑے حملہ کو دکا۔ اس حملہ میں بھارتی فوج کی تعداد چار ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ دشمن نے جب کپٹن فروز خان کے ساتھیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا

توصیف نے دشمن کے زخم سے نکلنے کے بعد اپنے ہمراہ ملک لے کر نہ صرف دشمن کو شدید نقصان پہنچا بلکہ وہ تمام سیدھے دباؤ فوج کر کے جن پر دشمن قابض چچکا تھا، کپٹن فرخ خان اے۔ کے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس شاندار کارکردگی پر انہیں شیر جنگ کا اعزاز ملا۔

لیفٹنٹ رحمت علی شیر جنگ :- اس سرفروخ اور جانیاز لیفٹنٹ نے ۱۹۴۸ء کو بنگال کے مقام پر اپنے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاندار خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۹ء کو جب میجر خورشید انور صرف ۱۲ سالوں کے کمرے سرچنگ کے قریب بنگال میں پہنچا تو یہاں کے مشہور سیاسی رہنما پیر ضیاء الدین اندرانی نے ان کو بایں کار گزار اپنے گھر میں قائم کر لیا۔ میجر خورشید انور سرچنگ کے جوانی اذہ پر قبضہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھا اور پیر ضیاء الدین اندرانی اس کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ اس وقت حوالدار رحمت علی بھی میجر خورشید انور کے ساتھ تھا۔ انہیں یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جوانی جہاز گردانہ کی طرف کا علاقہ خالی ہے، جب انہوں نے اس طرف کارنگ کیا تو بھارتی فوج نے پوری شدت سے گولہ باری شروع کر دی لیکن حوالدار رحمت علی پوری جان فوری سے مقابلہ کرتا رہا۔ حوالدار رحمت علی نے ایک نشیبی حصہ میں پوزیشن لے رکھی تھی مگر اس کے باوجود اس نے بھارتی فوج کے چالیں سب سے پہلے کو ختم کر دیا، حوالدار رحمت علی نے دشمن کا صفایا کرنے کے بعد ان کا تمام فوجی سامان، گاڑیاں، ہتھیار، ایندھن اور وارنٹریس سیٹ وغیرہ اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اس اعلیٰ کارکردگی پر حوالدار رحمت علی کو لیفٹنٹ بنایا گیا اور انہیں شیر جنگ کا بھی خطاب عطا ہوا۔

لیفٹنٹ فقیر محمد خان شیر جنگ :- راولا کوٹ کے محاذ پر لیفٹنٹ فقیر محمد خان نے اپنے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کر کے شیر جنگ کا اعزاز حاصل کیا۔ اس وقت راولا کوٹ کے گرد کپٹن حسین خان شہید گھمراڑاے بیٹھے تھے۔ صورتحال یہ تھی کہ راولا کوٹ کے قریب وجاریں تمام اہم ٹیکوں پر ڈوگرو فوج کے مورچے تھے اور جو ماہرین کپٹن حسین خان کی قیادت میں یہاں مصروف جنگ تھے ان کے پاس ایونیشن بہت کم تھا۔ ایونیشن کی کمیابی کے باوجود لیفٹنٹ فقیر محمد خان نے شاندار فوجی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

کپٹن سعید خان شیر جنگ :- کپٹن محمد سعید خان (بعد میں میجر رٹائرڈ) تحصیل غزنی باغ کی عباسی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا شاندار چنگر چھٹے مجاہدین میں ہوتا

ہے جنہوں نے دھیر کوٹ کے قلعہ سے جنگ کا آغاز کیا۔ کپٹن محمد سعید خان تحصیل باغ کے تقریباً سب ہی محاذوں پر مردانہ وار ہوتے رہے۔ مگر پونچھ محاذ پر مصروف نے نہایت شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ کیم اپریل ۱۹۴۸ء کو انہوں نے پونچھ محاذ پر بریں گن کی مسلسل گولیوں سے دشمن کا ایک جہاز مار گرایا تھا اس کے علاوہ مصروف نے محکمہ ڈھیر کوٹ، محکمہ نازکاپور اور محکمہ باغ میں مجبور و رعہ لیا اور ہر محاذ پر ہر اول دستہ میں شامل رہے۔

لیفٹنٹ کرنل شیر احمد خان فخر کشمیر شیر جنگ :- لیفٹنٹ کرنل شیر احمد خان نے کشمیر کی جنگ آزادی میں جو خدمات انجام دیں یہ سب نہیں ہیں کہ ان مختصر صفحات میں سما سکیں، کرنل شیر احمد خان پونچھ کے سروسز ہسپتال سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شاندار فوجی روایات کے باعث پونچھ کا مارشل قبیلہ اور سرزمین کشمیر کا بازوئے شیراز کہلاتا ہے، کرنل شیر احمد خان نے نوشہرہ محاذ پر اس قدر بہادری ادا کی کہ انہیں فوج کشمیر اور شیر جنگ کے معزز اعزازات عطا کیے گئے تھے، کرنل شیر احمد خان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ نوشہرہ محاذ پر اس پامردی اور استقلال سے کرنل شیر احمد خان نے دشمن کا مقابلہ کیا اس کی مثال کشمیر کی جنگ آزادی کی تاریخ میں دوسرا کوئی فرد پیش نہیں کر سکتا، ان کو جب بھارتی فوج توپوں اور ہوابازوں کی مدد سے پیر پٹہ پٹر کی طرف سے حملہ آور ہوئی تو کرنل شیر احمد خان نے جان پر کھیل کر دشمن کے حملہ کو ناکام بنایا، حملہ کے دوران کرنل صاحب کی فوج کے تمام سپاہی منتشر ہو گئے مگر کرنل صاحب نے نہایت مدبرانہ انداز میں انہیں دوبارہ منظم کیا۔

اور اسی رات جوانی حاکم کے بھارتی فوج سے وہ مورچے دوبارہ چھین لئے جن پر دشمن نے قبضہ کر رکھا تھا، کرنل شیر احمد خان سب سے بڑے کمانڈر تھے۔ جنگ آزادی کے بعد اپنے آزاد کشمیر کی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور پانچ سال کی آزاد کشمیر کے صدر بھی رہے۔ آپ انتہائی دلیر اور مستقل مزاج تھے۔

کپٹن حسین خان شہید فخر کشمیر، فارم راولا کوٹ، کپٹن حسین خان شہید فارم راولا کوٹ کا ذکر گذشتہ صفحات میں بھی مل چکا ہے، کپٹن حسین خان شہید نے جس جذب و شوق اور دلیرانہ سے کشمیر کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، جب ڈوگرو فوج

نے پونچھ میں داخل ہو کر تحصیل باغ اور تحصیل سدھوتی پر قیامت برپا کی تو کپٹن حسین خان شہید اپنے گھر سے زندگی بھر کی پونجی چالیس ہزار روپے اور اپنی بیوی کا زیور بھی لے کر بلا ہنڈی چلے آئے تاکہ اس رقم سے وہ والی بندو تیس خرید کر دشمن کے خلاف جہاد کر سکے، جب کوہری میں جہاد آزادی کشمیر کے لئے جانا عہدہ دار کو نسل قائم ہوئی تو کپٹن حسین خان اس میں شامل ہوئے اور راولا کوٹ کا معاذ انہیں سونپا گیا، جب وہ پلندری اور دیو لی گلی سے جوتے ہوئے راولا کوٹ پہنچے تو انہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ جب تک میں ڈوگرہ فوج کو اپنے ملک سے باہر نہ نکال دوں اپنے گھر نہیں جاؤں گا اور نہ ہی دھلے ہوئے کپڑے پہنوں گا۔ ان کا ایک پ اپنے گھر کے بالکل قریب موضع میرال گل میں تھا انہوں نے راولا کوٹ میں ڈوگرہ فوج سے جو ہر دست جنگ لڑایا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب ڈوگرہ فوج راولا کوٹ سے شکست کھا کر بھاگی تو کپٹن حسین خان ان کے تعاقب میں اتلی پیر کی طرف چلے گئے اور اسی جگہ شہیدانہ کے مقام پر انہوں نے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، کشمیر کی جنگ آزادی میں جس بہادری، شجاعت اور عزم کے ساتھ کپٹن حسین خان شہید نے حصہ لیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ آپ کو فخر کشمیر کا اعزاز حاصل ہے۔

کپٹن متھوڑ حسین خان شیر جنگ : کپٹن متھوڑ حسین خان شیر جنگ پونچھ کے سدھوتی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف نے یوں لکھی معاذوں پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ مگر آپ نے پونچھ کے معاذ خاص کر گل پور میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کے باعث انہیں شیر جنگ کا اعزاز دیا گیا تھا۔ کپٹن منصوب دار خان شیر جنگ : ۱۹۳۷ء میں کپٹن منصوب دار خان نمبر بارہ جٹانین کے کمانڈر تھے۔ آپ نے تحصیل بارہ کے تقریباً سبھی معاذوں پر دشمن کا سردانہ وار مقابلہ کیا مگر پونچھ معاذ پر آپ کی کارکردگی نہایت شاندار ہے۔ پونچھ معاذ پر جب بھارتی فوج کے ایک بہت بڑے لشکر نے نمبر بارہ جٹانین پر حملہ کیا تو کپٹن منصوب دار نے نہایت بہادری اور فوجی بہادری سے اس حملہ کو ناکام بنا کر شیر جنگ کا اعزاز حاصل کیا۔

کپٹن یوسفستان خان شیر جنگ : کپٹن یوسفستان خان کی فوجی بہادرت اور شجاعت کا ذکر پہلے ہی کی جگہ آچکا ہے، جب آپ اپنے جانشینوں کو لے کر کوہری سے روانہ ہوئے تو دریائے جہلم پر گرنے کے بعد آپ نے تھوڑے کے مقام پر ڈوگرہوں سے جنگ شروع کی۔ اس وقت ڈوگرہ

فوج کے ۳۳ سپاہی تصور لائی سکول کی عمارت میں مورچہ بند تھے، کپٹن یوسفستان خان نے انتہائی دلیری اور شجاعت سے ان ڈوگرہوں کا صفایا کیا، اس خدمت کے عوض انہیں شیر جنگ کا لقب ملا۔ کپٹن غلام رسول خان شیر جنگ : اعران قبیلہ کے مایہ ناز فخرزادہ کپٹن غلام رسول خان تحصیل بارہ کے ایک گاؤں سنگولہ کے رہنے والے تھے اور ۱۹۳۷ء میں نمبر بارہ جٹانین کے کمانڈر رہے۔ آزاد کشمیر میں یہ بات زبان زد عام ہے کہ کسی بھی محفل میں کپٹن غلام رسول خان نہ تو کبھی خود پیچھے بیٹھے اور نہ اپنے کسی سپاہی کو پیچھے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی پوری جٹانینیں فوج ختم ہوئی اور تین دفعہ دوبارہ تیار کی گئی۔ آپ نے اور ڈی، سلطان، ڈھکی اور بارہ مولا کی طرف زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں۔

کپٹن محمد سلیم خان شیر جنگ : کپٹن محمد سلیم خان شیر جنگ تحصیل غازی باغ کی عباسی برادری کے قاضی فخر فرزند ہیں، ان کا شہرہ کشمیر کی جنگ آزادی کے اولین سرفروشنوں میں ہوتا ہے۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو کپٹن محمد سلیم خان نے جب حکم دیا کہ قبیلہ اسلام آباد دادی کشمیر کے گل کوٹارا دیا جائے۔ تو کپٹن محمد سلیم خان اپنے ساتھ چند فوجیوں کو لے کر رات کو اڑھائی بجے پل کے قریب پہنچے اس وقت پل پر کئی فٹ برف جمی ہوئی تھی، کپٹن محمد سلیم خان نے پل کے درمیان سے برف ہٹائی اور پٹرول ڈال کر آگ لگا دی، جو نہی آگ کے شعلے بلند ہوئے بھارتی فوج نے انہیں دھند گولیاں برساتی شروع کر دیں مگر اس دوران پل جل کر خاکستر ہو چکا تھا کیونکہ کپٹن محمد سلیم خان اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کو اٹھائے رکھا اور وہ پل کی آگ نہ بجھا سکے، کپٹن محمد سلیم خان نے کئی باروں پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ شیر جنگ کے اعزاز کے شحق قرار پائے۔ آپ کا بیٹا محمد نیک آزاد فوج سے منسلک رہے اور پونچھ جو کہ دیشاں رہے۔

لیفٹنٹ مظفر خان شیر جنگ : لیفٹنٹ مظفر خان نے ۱۶ کوچی پکٹ ٹوسٹ پر معاذ پر شاندار کارکردگی دکھائی، موصوف اس کا ذکر دشمن کے فرائض میں آئے تھے مگر سردانہ دار مقابلہ کر کے صرف تھوڑا بلکہ دشمن کی فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور وہ مورچہ دشمن سے دوبارہ چھین لیا۔ کپٹن محمد اعظم شیر جنگ : تحصیل دسلی باغ کے مہدیاں قبیلہ سے تعلق رکھنے والے کپٹن محمد اعظم خان بھی آزادی کشمیر کی جنگ کے اولین بہادروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے یوں فوجی تحصیل بارہ

کے ہر محاذ پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا مگر بالخصوص پونچھ کے محاذ پر حاجی پیر علی کی بہادری اور شجاعت کے کارنامے قابل ذکر ہیں، جب دہہ حاجی پیر سے دشمن کے ایک بہت بڑے لشکر نے حملہ کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو کپٹن محمد اعظم کے سپاہیوں نے پاس سے ایونٹیشن ختم ہو چکا تھا، دشمن نے جب ان کو اپنے زمرہ میں لینے کی کوشش کی تو انہوں نے دست برد جنگ لڑی اور بہادری و شجاعت کی ایک مثال قائم کر دی، آپ شیر جنگ کا اعزاز کئی تین ایفٹن غلام مصطفیٰ آفندی شیر جنگ کے۔ ایفٹن غلام مصطفیٰ آفندی فاروقی۔

بائیں نمبر ۲ کے گمانڈر تھے، عباسپور کی ملیاں پلادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے پونچھ خیمہ کی دیوار پر نہایت کامرادی اور استقلال سے دشمن کا مقابلہ کیا، اسی وجہ سے آپ شیر جنگ کے نام سے مشہور ہوئے۔

ایفٹن کرم داد خان شیر جنگ :- ایفٹن کرم داد خان ۱۶ سالے کے ہیں۔ انہوں نے کئی محاذوں پر شاندار خدمات انجام دیں مگر بالخصوص پونچھ ۱۸ کو پیر پیر کے محاذ پر کارنامے نمایاں انجام دیے ان کے باعث انہیں شیر جنگ کا اعزاز ملا۔

ایفٹن بیرونی خان شیر جنگ :- ۹ سالے کے سے تعلق رکھنے والے ایفٹن بیرونی خان نے کئی تین تیر کے محاذ پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کر کے دشمن کے ایک بہت بڑے لشکر کو ہرا دیا اور بہادری سے آگے بڑھ کر دشمن کے مورچوں پر قبضہ کیا، اس محاذ پر دگر کے باعث انہیں شیر جنگ کا اعزاز ملا۔

کپٹن نور حسین خان شیر جنگ :- کپٹن نور حسین خان کا شمار شیر کی جنگ آزادی کے دہائی ہزاروں میں ہوتا ہے، آپ تھیں بانگ ماسر بادی کے مایہ ناز سپہ سالار۔ انہوں نے فوج کے تربیت یافتہ تھے، جب دھیر کوٹ کے قلعہ کو نذر ویش کیا گیا اور تھیں باغیہ شروع ہو کر آپ نیلے جیل کے مقام پر آزاد فوج میں شامل ہوئے اور تھیں بانگ کے تمام معرے میں بہادری اور شجاعت کی مثال بن کر رہے، رات کے بڑے بھی اسی میدان میں جو شہید ہیں کپٹن نور حسین خان کے ساتھ پونچھ محاذ پر رہے جاتے ہیں کہ پونچھ محاذ پر جس دہریہ نے شجاعت سے کپٹن نور حسین خان کے شہید ہونے کی اطلاع پہنچ کر ملے گی۔

کے باعث بعض دفعہ معروف کوشش سے دست بردست بھی جنگ لڑنی پڑی مگر معروف نے کسی محاذ سے شکست نہیں کھائی، کپٹن نور حسین خان اس وقت عالم پیری میں ہیں اور اگر کبھی ان کے قتل کے واقعات معلوم کئے جائیں تو ایک آئینہ دیکھ کر گردن جھکا لیتے ہیں۔

ایفٹن محمد شیر خان شیر جنگ :- ایفٹن محمد شیر خان ۲ سالے کے سے تعلق رکھتے ہیں آپ نے دگر محاذوں کے علاوہ کئی تیر کے مقام پر دشمن کے ساتھ زبردست مقابلہ کیا، یہ آپ کے ساتھی دشمن کے زمرہ میں آپ کے تھے، ایفٹن محمد شیر خان نے نہ صرف محاذ پر کارکردگی کی بلکہ کئی محاذوں پر دشمن کے چلے پھار دینے میں بھی بالخصوص کئی محاذوں پر بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اس پر انہیں شیر جنگ کا اعزاز ملا۔

ایفٹن محمد اسماعیل خان شیر جنگ :- ایفٹن محمد اسماعیل خان شیر جنگ کا کارکردگی کھائی۔ آپ نے یہاں اپنے سپاہیوں کو اس جنگی جہاز سے لڑایا کہ دشمن مورچوں کے پورے چوگیا۔

میر محمد علی شاہ شیر جنگ :- میر محمد علی شاہ شیر جنگ آزادی کے محاذ پر بہادری سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کا شمار بھی شیر کی جنگ آزادی کے محاذ پر ہوتا ہے۔ آپ ۳ سالے کے تھے، انہوں نے ۱۸ کو محاذ پر جگہ چھوٹی پینے کا حکم ملا، جب یہ جگہ چھوٹی پینے کا حکم ملا تو کوجاؤ فوج سے ایک بکتر بند لشکر نے چاروں طرف سے آگے بڑھنا شروع کر دیا، اس وقت بہادری فوجی اہل محاذ کے لئے مبارک باد بھی آئے تھے۔ جہاں فوج جدید تیار ہو رہی تھی اس جگہ کے مقتدر شیر علی شاہ کے سپاہیوں کے پاس چھیار بالکل ناقص تھے۔ جہاں فوج بڑی جاب دار گارڈ کے ساتھ تھی کہ پناہ تو میر علی شاہ نے دشمن پر چاڑھا، بن اس شدت کا حملہ کیا کہ دشمن کی پشت پر دھکائی، اس حالت میں شاہ صاحب کے سپاہیوں نے نہ صرف دشمن سے چھیار اور انہیں پھینکا بلکہ دشمن اپنے انڈیا اور انڈیشن جھونک دیا، ایک مرتبہ آپ ایک ایک پلہ لے کر گھومتے تھے، اس کی ایک دست بردست جنگ لڑ کر دشمن کو پس کیا۔ آپ نے علاوہ دگر محاذوں کے تھیں کے محاذ پر

بھی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اس وجہ سے آپ نے شیرجنگ کا اعزاز حاصل کیا، آپ کچھ عرصہ ملازمی بھی
 میں کیے گا پھر رہے۔

لیفٹننٹ فنی علی خان شیرجنگ :- لیفٹننٹ فنی علی خان ۹۔ اے کے سے تعلق رکھتے تھے آپ
 نے یوں تو کئی محاذوں پر قابل ستائش کارکردگی کا مظاہرہ کیا مگر سب سے کم سولہویں کے محاذ پر آپ نے جس بہادری
 سے دشمن کا مقابلہ کیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، نامساعد حالات کے باوجود لیفٹننٹ فنی علی خان
 ۲۶ گھنٹے تک بھارتی فوج کے ایک لشکر سے لڑتے رہے، بھارتی فوج نے آگے بڑھنے کے لیے پوری قوت
 استعمال کی مگر ہر دفعہ اسے شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔

لیفٹننٹ مورخان شیرجنگ :- مورخان ۹۔ اے کے میں تھے، آپ نے دوسرے کئی
 محاذوں پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا، مگر خاص طور پر پونچھ کے محاذ چڑی کوٹ پر ان کی کارکردگی پشمال
 تھی اور اسی وجہ سے شیرجنگ کا اعزاز ملا۔

لیفٹننٹ کرنل تصدق حسین خان شیرجنگ :- لیفٹننٹ کرنل تصدق حسین خان
 پونچھ کی سہ روزی بہادری کے قابل فخر فرزند ہیں، آپ تحصیل سدھوتک کے ایک گاؤں رٹاڑہ میں ۱۹۲۲ء
 میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے سکول سے حاصل کی، اس کے بعد راولا کوٹ سکول میں داخل
 ہوئے اور پھر کوٹھڑی میں راولپنڈی میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ انڈین آرمی میں کمیشن کے لئے
 منتخب ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں دیرہ دون کیلڈی میں کمیشن حاصل کیا۔ چونکہ آپ تعلیم اور سروس میں
 آرمی میں شامل ہونے سے اس لئے فوجی سے جو کنبہ لے گیا اور اس کے بعد آپ آرمی آرڈیننس کو راور
 جات رجمنٹ میں رہ کر نکال۔ آسام اور برما وغیرہ محاذوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں
 انڈین آرمی سے ان کے پیکر منتخب ہوئے اور افغان فوج کو تربیت دینے کے لئے کابل چلے گئے۔ ۱۹۴۹ء
 میں جب پاکستان بناتا تو انہی سرسوس پر دوبارہ پاکستان آئی۔ ان کے اکتوبر ۱۹۴۹ء کو جب
 جیلپر سے راولپنڈی سے گزرتے ہوئے کے محاذوں پر مجاہدین وطن آگ اور خون سے کھیل رہے تھے۔
 کرنل تصدق حسین نے رضا کا لہر طور پر اپنی خدمات آزاد فوج کے لئے پیش کیں اور نومبر ۱۹۴۹ء سے
 لے کر اپریل ۱۹۵۰ء تک پونچھ اور شیوال محاذ پر شاندار خدمات انجام دیں۔ آپ چونکہ پاکستان
 آکر کے حاضر سرسوس میں تھے اس لئے آپ کو مہرنگ پونچھ کے مسیحا کا ٹیڈ رہی ہے۔

اس وقت پونچھ کے محاذ پر بے ترتیب لڑنے والے محضوں اور پشمانوں کو متحد کر کے لڑانا کاردار تھا مگر
 کرنل تصدق حسین خان نے پونچھ محاذ پر جس تدبیر اور فوجی بہادری سے پشمانوں کو لڑایا اس کی مثال بہت
 کم ملے گی، کرنل تصدق حسین خان نے نہ صرف مختلف محاذوں پر شجاعانہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا بلکہ آزاد
 فوج کو مرتب دے کر باقاعدہ فوجی قواعد کے مطابق یونٹوں اور پلاٹوں میں تقسیم کیا اور ان میں صحیح طور
 پر فوجی نظم و ضبط پیدا کیا۔

آپ نے درہ حاجی پیر، شیوال، پیر کٹھی وغیرہ پر بھارتی فوج سے زبردست مقابلہ کیا اور اس
 شاندار خدمت کے عوض انہیں شیرجنگ کا معزز اعزاز عطا ہوا۔ اور آپ بعد میں پاکستان آرمی کے لیفٹننٹ
 کرنل ہو کر ریٹائر ہوئے۔

کیپٹن نثار خان شیرجنگ :- کیپٹن نثار خان ۱۰۔ اے کے میں تھے۔ آپ نے بہت سے
 محاذوں پر بہادری اور شجاعت کے مظاہرے کئے مگر بالخصوص ان کا مکرر راجوری خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ
 جب راجوری کے محاذ پر پہنچے تو بھارتی فوج راجوری کی سول آبادی کا غنا یا گنے کا پورے گرم مرتب کر چکی تھی، آپ نے
 گنا مارے مگر یہ پردہ شمن کی پیش قدمی روک دی اور اس طرح راجوری کے ہزاروں افراد قتل و جرح سے بچ
 گئے۔ اس بہادری کے عوض انہیں شیرجنگ کا اعزاز دیا گیا۔

کیپٹن بوستان خان شیرجنگ آف رٹاڑہ :- کیپٹن بوستان خان آف رٹاڑہ
 کی بہادری اور سرفروشی کا تذکرہ پہلے ہی آچکا ہے، آپ تحصیل سدھوتک کے مایہ ناز قبیلہ سدھوتک کے
 بہادر فرزند ہیں، آپ کا شمار کشمیر کی جنگ آزادی کے اولین بہادروں میں ہونا ہے۔ مری کی دار
 کوسل میں آپ بھی شامل تھے، جب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چٹانی بندو قیں لے کر دریائے جہلم کے
 کنارے پہنچے تو دریا کو تیر کر عبور کیا اور حقوڑ کے معرکہ میں دشمن کے ساتھ پورے جنگ بندی،
 معرکہ حقوڑ کے بعد سب ہی محاذوں پر داد شجاعت دیتے رہے مگر چڑی پہاڑی پر جو دشمن سے گنسان کی
 جنگ لڑی اس کے عوض انہیں شیرجنگ کا اعزاز دیا گیا، کشمیر کی جنگ آزادی میں کیپٹن بوستان خان
 آف رٹاڑہ کا جو حصہ ہے آگراس کی پوری تفصیل بیان کی جائے تو کئی صفحات کا دفتر مرتب ہو۔

لیفٹننٹ عبدالرشید خان شیرجنگ :- لیفٹننٹ عبدالرشید خان ۱۱۔ اے کے سے
 منسلک تھے۔ آپ پہلے دو گروہ فوج میں تھے مگر جب آزاد مجاہدین نے دو گروہ کے خلاف جنگ شروع

کی تو آپ اپنی پوری پلاٹوں اور بہت سا جنگی سامان لے کر آزاد فوج میں چلے آئے۔ ۳۱ کو اکھنور کے محاذ پر بے بجری سے بھارتی فوج کا مقابلہ کیا اور شیر جنگ کا اعزاز پایا۔

لیفٹنٹ غازی اللہ دتہ خان شیر جنگ :- کنٹیکر کی جنگ آزاد دی میں غازی اللہ دتہ خان سکنے کو لڑا کوٹ کا ایک خاص حصہ ہے کیونکہ آپ کا تمام بدن بھارتی فوج کی گولیوں سے چھنی ہے اور ۱۹۴۷ء کی تین گولیاں ابھی تک ان کے بدن میں موجود ہیں، جس وقت ڈوگرو فوج قبضہ سرحدوں کی دوسرے محاذوں سے پٹ پٹا کر راولا کوٹ کے مقام پر جمع ہوئی تو یہاں سے جو کہ ڈوگرو سپاہیوں نے راولا کوٹ کے قریبی دیہات پر شدید حملے شروع کر دیئے تھے، آپ کو جب ڈوگرو فوج نے راولا کوٹ کے ایک غریب گاؤں پر بھی ماکولاں پر حملہ کیا تو غازی اللہ دتہ خان نے پاس گنتی کی چند گولیاں تھیں مگر آپ نے اس بہادری اور جرات مندی کا مظاہرہ کیا کہ دشمن کا گھیراؤ لڑا اور دو ڈوگرو سپاہیوں کو مدہ بند توں کے گرفتار کر لیا گیا۔ ماکولا کوٹ کے محاذ پر غازی اللہ دتہ خان نے کپٹن حسین خان شہید کی قیادت میں شاندار کارنامے سر انجام دیئے۔ آپ کو آپ نے پونچھ کے محاذ کھڑی دھڑل میں دشمنوں کا مردانہ دار مقابلہ کیا یہاں تک کہ آپ زخموں سے چور چور ہو گئے مگر تھوڑے دن ہسپتال میں رہنے کے بعد شیر کی طرح پھر محاذ پر پہنچے۔ آپ کو جب آپ بھمبر کے محاذ پر نئے نو دشمن کے ایک پوسے بگڑنے والے حملہ کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر غازی اللہ دتہ نے اس بے بجری سے مقابلہ کیا کہ دشمن سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا، غازی اللہ دتہ خان کی بہادری کے کارنامے اس قدر عظیم اور حیران کن ہیں کہ کئی مقامات پر سناکتے ہیں۔

لیفٹنٹ عبدالرحمن خان شیر جنگ :- لیفٹنٹ عبدالرحمن خان شیر جنگ غالباً ہماری قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کبیراٹک کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے بھام مہرہ گواشر پہاڑی پر دشمن سے ساتھ ایک زبردست جنگ لڑی اور اسی پہاڑی پر شہید ہو گئے۔ آپ کو بعد از شہادت غیر جنگ کا خطاب ملا۔

لیفٹنٹ کریم خان شیر جنگ :- لیفٹنٹ کریم خان نے نوشہرہ محاذ پر مردانہ دلاوریوں سے ملوں کو دکھا۔ ایک شدید حملہ میں جب آپ نے اپنے ساتھیوں کو لے کر دشمن پر جواں حمدا کی توبہ شمار جنگی سامان، گاڑیاں، پٹرول اور ایمونیشن وغیرہ چھین لیا اور اس بہادری کے عوض آپ کو شیر جنگ

کا خطاب ملا ہوا۔

کپٹن منگا خان شیر جنگ :- لیفٹنٹ منگا خان ۱۹۰۱ء کے ہیں تھے۔ آپ نے پونچھ کے ایک محاذ سچڑہ پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اسی وجہ سے انہیں شیر جنگ کا خطاب ملا۔

کپٹن خان آف منگ :- پورا نام خان محمد خان اور گاؤں منگ ہے، اسی مناسبت سے خان آف منگ کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا شمار سردوزئی قبیلہ کے بہادر ترین افراد میں جوتا ہے یہی وجہ ہے کہ پورے قبیلہ میں انتہائی بہادری سمجھے جاتے ہیں، کپٹن خان آف منگ کو فاتح میر پور کہلانے کا فخر بھی حاصل ہے، کشمیر کی جنگ آٹا دی ۱۹۴۷ء میں آپ نے جس مجاہدانہ انداز سے حصہ لیا اور جو حیران کن کارنامے سر انجام دیئے اگر یہ پوری تفصیل سے بیان کئے جائیں تو صرف خان آف منگ کے کارناموں پر متن ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب کشمیر کی جنگ آزادی کے لئے کوسری میں پونچھ کے اعلیٰ فوجی انفسروں کا اجلاس لایا گیا اور باقاعدہ وار کونسل قائم کی گئی تو اس میں خان آف منگ بھی شامل ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ تھوڑیوں کی فوجی کے سلسلہ میں بھی خان آف منگ پیش پیش رہے۔

خان آف منگ کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں انہوں نے چٹانی بند قریب ایک کے قلعہ سے نکلوا لی تھیں اور یہ وہ بند قریب تھیں جو دہشتاؤں نے آنکریں پٹھانوں سے چھین کر ایک کے قلعہ میں محفل رکھتے رہے۔ اس کے علاوہ خان آف منگ نے ۱۹۴۷ء میں کوہری باڑی میں متم پونچھی فوجوں کے ذریعہ سے بھی تھپتھار اور ایونیشن حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ سامان فرار دیا کے پار لے جایا جائے مگر خان اس میں کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ اسی روز وہ برٹش جہلم میں تبدیل کر دی گئی، خان آف منگ کے بارے میں یہ بات زبان زد عام ہے کہ وہ اپنے میر پور گئے اور اپنی فوجی بھارت و بہادری کے باعث چند ڈوگرو سپاہیوں سے بخوبی پین کر جنگ شرمزاد کر دی، خان آف منگ روڈانی سے پشتوزبان بولتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پٹھانوں کے ہوتے سرور پہنچے خان آف منگ نے انہیں منظم طریقے سے لایا، پٹھانوں کو متحہ کر کے لانا یہی بڑی جنگی شکل ترین کام ہے مگر یہ خان آف منگ کا کام تھا کہ ان کے ایک اذنی اشارہ پر پٹھان موچوں میں کود پڑتے تھے۔ خان آف منگ نے ۱۹۴۷ء میں جنگ بندی کے اعلان کو تسلیم نہیں کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ بعد میں ناکام رہے اور مایوسیوں کا شکار رہے اور اب تک نامساعد حالات سے گزر رہے ہیں۔

بہادر افسروں کے نام

مذکورہ بالا اعزاز یافتہ فوجی افسروں کے علاوہ سینکڑوں بہادر ایسے ہیں جنہیں زمانے نے بھلا دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی کہ ۱۹۴۷ء میں جب جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو تقریباً چھ ماہ تک کسی نے سفروں و مجاہدوں کا ریکارڈ ہی مرتب نہیں کیا اور کسی کو پتہ بھی نہیں تھا کہ کس ماہ نامہ کس نماز پر کیا خدمت انجام دی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے کئی بہادر فوجی افسروں کے کارناموں سے بے خبر ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں میجر متاب خان رضا کا راتہ طور پر راولا کوٹ کے محکمہ میں شامل ہونے تھے، آپ تحصیل مدھوٹی کے ایک گاؤں راتہ کے رہنے والے ہیں آپ نے اپنی دادداشت سے ۱۹۴۷ء کے چند ان افسروں کے نام بتائے ہیں جنہیں اگرچہ غائب یا متعزات تو نہیں ملے مگر ان کی جنگی کارکردگی اور قربانی بے مثال ہے اور ان افسروں سے بیشتر مدھن قبیلہ سے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ کتنے ہی افسروں کی مدھنوں کا گنا حصہ ہے۔

ان بہادروں کے نام جو ۱۹۴۷ء میں پیشیت انفرٹنٹ مادیوں پر بھارتی فوج کے خلاف برسرِ کار رہے یہ ہیں " کرن محبوب علی خان ۳۔ مدھن بریگیڈ فخر شیر سکنہ بابل کیپٹن محمد کبر خان، پلندری۔ کیپٹن (جنرل) محمد حسین خان فخر کشمر، ۳۔ مدھن بریگیڈ سکنہ کھلا۔ کیپٹن ہزات خان، کھلا، ۱۲۔ لے۔ کے۔ میجر فخر وزیر خان سکنہ بھنگو۔ لیفٹنٹ کرن حسین خان آف گراہ۔ لیفٹنٹ کرن رحمت اللہ خان۔ میجر متاب خان آف راتہ کیپٹن محمد حسین خان آف کھرک۔ میجر حسین خان آف ہرنہ میرہ۔ کیپٹن بگا خان آف ہرنہ میرہ۔ لیفٹنٹ شیر دل خان فخر کشمر آف بابل۔ کیپٹن محمد افسر خان ایم سی آف ہرنہ میرہ۔ میجر محمد عارف خان آف پاٹاٹ۔ کیپٹن بابا فخر دین مدھن بریگیڈ آف مالاوڑی۔ کیپٹن بران علی خان آف چھ چھن ۳۔ سکنہ بریگیڈ۔ کیپٹن دوست محمد خان آف منگ۔ لیفٹنٹ افسر خان آف شیر پتن۔ کیپٹن دوست محمد خان آف منگ۔ کیپٹن علم خان ایم سی فوراڑ۔ کیپٹن مہری خان آف فوراڑ۔ لیفٹنٹ داد خان بکن نر۔ لیفٹنٹ اشفاق خان آف ٹاہیں۔ میجر محمد ارشا خان آف ٹاہیں۔ لیفٹنٹ خان محمد خان آف نر۔ لیفٹنٹ متعب خان آف پاچھوٹ۔ لیفٹنٹ محمد افسر خان آف بوسہر۔ میجر محمد حیات خان آف فوراڑ کیپٹن عالم شیر خان آف چنگواٹی کیپٹن سید محمد خان آف ہجرہ۔ صوبیدار بھرناری محمد امیر خان سکنہ راولا کوٹ (بعد کی آزاد کشمیر ریٹ کونسل کے ممبر ہیں)۔ میجر صلاح محمد خان آف قلعہ۔ میجر بہرام خان آف بھمبر۔ کیپٹن علی محمد خان آف دودا ندی۔ کیپٹن عبداللہ خان آف پلندری۔ کیپٹن محمد حسین خان آف بھاتیہ

کیپٹن محمد کیم خان آف بھاتیہ۔ لیفٹنٹ شاہ پان خان آف پٹے چھن۔ کیپٹن سید حسین خان پٹے چھن۔ میجر محمد خان دھار دھرقہ۔ کیپٹن لال مان پھلیاں۔ میجر چوٹ خان دھار دھرقہ۔ لیفٹنٹ عبداللہ خان بنگو۔ لیفٹنٹ علی داد خان بابل کیپٹن ٹی گوہر خان شیر پتن۔ کیپٹن سمندر خان راتہ۔ لیفٹنٹ بقا محمد خان راتہ۔ لیفٹنٹ محمد اشرف خان شہید کھرک۔ لیفٹنٹ کرن محمد سرور خان آف اندر دوت۔ لیفٹنٹ کرن نور حسین خان آف ہرنہ میرہ۔ لیفٹنٹ کرن ڈاکٹر فقیر محمد خان نیریاں۔ کیپٹن جلال خان دھار دھرقہ۔ لیفٹنٹ کرن محمد عارف خان دھار دھرقہ۔ لیفٹنٹ افت دین شہید۔ لیفٹنٹ کرن میر عالم خان کوٹی۔ لیفٹنٹ بارہ خان کوٹی۔ کیپٹن عطا محمد خان سون۔ میجر غلام سرور خان آف لیر۔ لیفٹنٹ کرن محمد سرور خان آف پوٹھی ماگوالاں۔ لیفٹنٹ کرن محمد حیات خان چھوٹا کھرک۔ لیفٹنٹ کرن منظر خان آف پاچھوٹ۔ لیفٹنٹ افسر خان آف منگ۔ میجر محمد حسین خان بھاتیہ۔ میجر نور حسین خان (مرزا)، آف بھاتیہ، میجر خان آف کاکڑل۔ میجر قادم حسین خان اندر دوت۔ میجر محمد نسیم خان عباسی آف چھائی تحصیل باغ۔ لیفٹنٹ کرن محمد صدیق خان آف دھیر کوٹ۔ لیفٹنٹ خور خان آف جہانہ۔ میجر محمد یارب خان آف جوگی تحصیل باغ حال مہرا سبلی آزاد کشمیر کیپٹن خان بہادر خان آف پھلیاڑی حال مہرا سبلی آزاد کشمیر۔ لیفٹنٹ محمد انور شاہ اندر آف ہل سرنگ۔ لیفٹنٹ محمد انور خان آف ٹو، باغ۔ میجر محمد امین خان آف سنگھ پٹھان۔ لیفٹنٹ محمد یوسف خان آف ترار۔ لیفٹنٹ محمد خان آف دھنی۔ کیپٹن محمد شفیع خان آف گوداہ۔ میجر فیض علی خان آف گلبر۔ لیفٹنٹ فرمان علی خان آف بھاتیہ۔ لیفٹنٹ کرم داد خان آف پورا۔ لیفٹنٹ دیں خان آف پورا۔ لیفٹنٹ محمد اسماعیل خان آف چھ چھن۔ کیپٹن سید دل خان آف پلندری۔ لیفٹنٹ سید محمد خان آف پلندری۔ کیپٹن محمد عظیم خان آف پلندری مگر بیں آئے۔ کیپٹن شیر محمد خان چھوٹا کھرک۔ لیفٹنٹ کرن منشا خان پٹے ۱۹۴۷ء میں آئے تھے۔

کشمیر کی جنگ آزادی میں پونچھ۔ میر پور۔ مظفر آباد اور نواحی علاقہ جات گلگت بلتستان وغیرہ کے جن جن افسروں نے جہاد میں بے مثال قربانیاں دی وہ ان سب کے نام بالترتیب تلاش کرنے میں مشکل ہیں راقم نے پوری پوری کوشش کی کہ تمام علاقوں کے بہادر افسروں اور اعزازیاتہ مجاہدوں کے ناموں کی ایک فہرست مرتب کر کے شامل کتاب کی جائے تاکہ ہماری آنے والی نسل کے لئے ایک سرمایہ محفوظ

اور بگنے کے طرح آگے بڑھے تو بھارتی حکام کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور دو ہی ماہ کے اندر اندر بھارت کو اپنی پوری طاقت کا اندازہ ہو گیا۔

بھارت نے اقوام متحدہ کے دروازہ پر دستک دیتے ہوئے جو موقف اختیار کیا تھا وہ یہ تھا کہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کشمیر کے والی ہمایہ ہری سنگھ نے بھارتی حکومت سے فوجی امداد کی درخواست کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ریاست کا اجماع بھارت کے ساتھ کیا جائے۔ بھارت نے اقوام متحدہ میں یہ بھی کہا کہ ریاست کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم نیشنل کانفرنس کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ نے بھی بھارتی حکام سے امداد کی درخواست کی تھی۔

بھارت نے اقوام متحدہ میں جو موقف اختیار کیا تھا یہ سرسمر جیلازی چٹائی تھا کہ ہمایہ ہری سنگھ نے بحیثیت والی از خود ہندوستان کے ساتھ اجماع نہیں کیا تھا بلکہ کانگریسی لیڈروں نے کئی ماہ تک ہمایہ پر دباؤ ڈالا۔ گاندھی نے اسے مذہب کا واسطہ دیا اور دیگر کانگریسی لیڈروں نے اسے لغو دلیا کہ پاکستان اول تو چند دنوں کا مہمان ہے اور اگر یہ قائم ہو گیا تو اس طرح کشمیر کی ایک طویل سرحد پاکستان کے قبضہ میں چلی جائیگی اور پاکستان بھارت پر ہمیشہ حاوی رہے گا۔

بھارت کے کفر کے بارے میں عوام کا ایک ذریعہ ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب برصغیر میں تقسیم عمل میں آئی تو بھارتی لیڈروں نے برطانوی سرکار کے نمائندوں سے ساز باز کر کے پاکستان کے حصہ میں آنے والے علاقے گوروا سپور وغیرہ ہندوستان میں شامل کر لئے تاکہ کشمیر کا راستہ بھارت کے قبضہ میں رہے۔

اقوام متحدہ میں بھارت کا یہ کہنا کہ ریاست کشمیر کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی نیشنل کانفرنس کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ نے بھی بھارتی حکام سے مدد مانگی یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ اول تو شیخ عبداللہ کشمیر جو جوہر تحریک کی پاداش میں گرفتار تھے اور ۱۹۴۷ء میں انہیں دلیا گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ کشمیر کا وزیراعظم بنا دیا گیا تھا اور اس وقت کشمیر کے بارے میں جو کچھ بھارت کہتا تھا شیخ عبداللہ بھی دفعہ اسی کے لئے بھارت کی ٹان میں ہاں ملاتا تھا۔ تیسرا یہ کہ کشمیر کی سب سے بڑی سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس نہیں بلکہ مسلم کانفرنس تھی جس کا سربراہ آخر ریاست کے کوٹے کھنہ میں تھا۔ اور نیشنل کانفرنس کا عدد دار بہ عرف سربراہ کشمیر نہ تھا۔ یہ تمام نیشنل کانفرنس

ہو جانے لگے مگر کس طرح کسی ایک عزائم کی بھی فہرست اور افرادوں کے کوائف دستیاب نہیں ہو سکے۔ جہاں آزادی کشمیر میں جہاں مجاہدین پونچھ۔ میر پور اور نظر آباد کا حصہ ہے وہاں ضلع ہزارہ۔ راولپنڈی۔ مری اور کہوڑے کے لوگوں نے بھی ریاستی مسلمانوں کے لئے بے مثال قربانی دی ہے۔ انتہائی نازک وقت میں مری کہوڑا اور ہزارہ کے جانور دہا پر مسلمانان ریاست کی امداد کے لئے پہنچے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں مختلف محاذوں پر شہید اور زخمی ہوئے تھے۔ ان سرفروشنوں کے نام بھی پوری تفصیل سے نہیں مل سکے۔ اس کے علاوہ کشمیر کی جنگ آزادی میں قبائلی علاقہ کے بھائیوں کا جو حصہ ہے یہ ہماری جدوجہد آزادی کی تاریخ کا ایک انتہائی اہم باب ہے۔ قبائلی علاقہ کے بھائیوں کے مسلح ہوتے پورے ذوق و شوق سے آئے تھے اور بھائیوں نے کشمیر کے ہر محاذ پر دشمن کے چمکے چڑا دیئے۔ سینکڑوں عثمان شہید اور زخمی ہوئے اور سینکڑوں کو بہادری کے اعزازات ملے مگر ان سب کو پورے نام ان کے بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ اگر کس کوئی محاذ پر نہ لڑا تو دستیاب بھی ہوا تو دنیا تمام اس وجہ سے شامل کتاب نہ ہو سکا جن چند افراد کے نام بتائے گئے ہیں یہ مشت از نمونہ ہیں مگر نہ جہاد آزادی کشمیر میں حصہ لینے والے غازیوں اور شہیدوں کی فہرست بہت طویل ہے اور اسے مرتب کرنے کے لئے یہ لکھنا غلات کا دفتر درکار ہے۔

مشکل کشمیر اقوام متحدہ میں

دسمبر ۱۹۴۷ء کے آخر تک اگرچہ بھارتی حکام نے جنگ کے طویل محاذ پر اپنے کئی ڈویژن بھیج دیئے تھے اور یہ تمام ڈویژن جدید ہتھیاروں سے مسلح بھی تھے مگر دھڑا زاد فوج کا علاقہ بھی دس دن سے تر ہو گیا تھا اور ٹیڑھوں سے لے کر کھجور ٹان تک آزاد قوت کے بہادروں نے بھارتی فوج کی پیش قدمی روک دی تھی مگر اس وقت پاکستانی فوج بھی میدان میں آئی تھی تھی اور ہر محاذ پر بھارتی فوج شکست کھا کھا کر بھاگ رہی تھی۔ ہندوستانی فوج کے کاڈر اندازہ کر چکے تھے کہ مجاہدین کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے اور مجاہدین بھارتی فوج کے مقابلہ میں بے جگر ہیں اور اس لئے کہ یہ کشمیر کے باقی ماندہ حصہ پر بھی قبضہ کریں۔ اس خیال کے تحت بھارتی حکام نے جنگ بندی کے لئے دلیا چھان شروع کر دیا۔ اور جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت نے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ حالانکہ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان نے یہی تجویز پیش کی تھی تو بھارتی حکام نے صاف انکار کر دیا تھا اس وقت بھارتی حکام کو اندازہ تھا کہ چندی دنوں میں کشمیر کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا جائے گا مگر جب مجاہدین دھڑا دھڑا کر کے اٹھے اور بگنے

حصہ دوم



سرزمین پونچھ کے چند مشہور قبائل کی تاریخ
 اُن کی اپنی روایات کی روشنی میں

کے مقابلہ میں مسلم کانفرنس ایک ریاست گیر جماعت تھی اور اس کی مجلس عاملہ کے اراکین نے جن میں اس وقت کی ریاستی اسمبلی کے ممبر بھی تھے ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک قرارداد کے ذریعہ مہاراجہ ہری سنگھ کو پاکستان کے ساتھ اتحاد کا مشورہ دیا تھا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اقوام متحدہ میں بھارت نے اپنے موقف کی نیو جھوٹ پر اٹھائی، کشمیر کا مسئلہ جنوری ۱۹۴۹ء کو اقوام متحدہ میں پیش ہوا تھا اور ابھی تک پیش ہے۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک اس مسئلہ پر کیا کارروائی ہوئی، کتنے ممالک نے پاکستان کے موقف کی تائید کی اور اقوام متحدہ نے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے لئے کتنی قراردادیں پاس کیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے جو ان صفحات میں نہیں سما سکتی۔ مختصر یہ سمجھنا چاہیے کہ کشمیر کا مسئلہ جہاں تھا وہیں ہے۔

ریاست پونچھ کے طول و عرض میں اس وقت چھوٹے بڑے تقریباً ۳۵ قبیلے آباد ہیں جو اپنی اپنی جگہ الگ الگ تاریخی روایات و شواہد رکھتے ہیں۔ منشی محمد یون ذوق نے شروع شروع میں جب تاریخ اقوام پونچھ لکھنے کا اعلان کیا تو ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ ہر قبیلہ انہیں اپنے بارے میں حالات لکھ کر بھیجے۔ چنانچہ جب پونچھ کے چند قبائل کے سرکردہ لوگوں نے انہیں حالات لکھ کر ارسال کئے تو فرق صاحب نے کسی ترتیب کے بغیر وہ سب حالات ایک پلندے کی صورت میں چھاپ دیئے۔ اور اس کا نام تاریخ اقوام پونچھ رکھ دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرق صاحب کی اس کتاب میں نہ تو کوئی فنی ترتیب ہے اور نہ ہی تاریخی مواد نگار کے باوجود غنیمت ہے کہ پونچھ کے قبائل کے حالات پر مشتمل ایک کتاب موجود ہے۔ اسی طرح پر کچھ کشمیر کی جنگ آزادی کے قائمہ کے بعد ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کے سیاسی تہذیب و فراز سے بحث کرنی چاہئے تھی۔ لیکن میں اس پہلو سے ہٹ کر ان صفحات میں پونچھ کے چند معتدراور اکثریتی قبیلوں کے حالات و کوائف درج کرتا ہوں کیونکہ کشمیر کی جنگ آزادی میں ان ہی قبیلوں نے بھرپور حصہ لیا ہے۔ قبیلوں کے ان حالات سے اندازہ ہو گا کہ یہاں کے لوگ بہادر جنگجو اور دلیر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تہذیب یافتہ بھی ہیں اور بعض قبیلوں کے بزرگوں نے تاریخ کے ہر دور میں بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ دینی خدمات بھی سر انجام دی ہیں۔ میں نے قبائل کے باب میں اکثریت کے اعتبار سے الترام کیا ہے۔

قبیلہ سندن (سدوزی)

پونچھ کا سندن (سدوزی) قبیلہ شاندار تاریخی روایات اور تازہ نامی کا وارث ہے، اس قبیلہ کے افراد پونچھ کی ایک وسیع تحصیل پر اس قدر اکثریت رکھتے ہیں کہ اس مناسبت سے اس تحصیل کا نام ہی سدھوتی پڑ گیا ہے اور یہ نام صدیوں پڑنا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطہ پر سدوزی قبیلہ کے اسلاف واکا بہرین نے ان مٹ تاریخی نقوش شہت کئے ہیں انہوں نے اپنی سیاسی، معاشی اور تہذیبی عظمت کو اس قدر نمایاں کر رکھا تھا کہ تسمیہ سدھوتی کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ان کے اثر و اقتدار کے پوہم بلند تھے اور وہ اپنی اس سرزمین پر سیاسی اعتبار سے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

سدوزی قبیلہ کے ماضی کے بارے میں جس قدر روایات ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ معتدراور باوقار قبیلہ بھی افغانوں کی شاخ سدوزی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس قبیلہ کے مورث اعلیٰ تو تاجی جسی خاں کا شجرہ نسب ۲۰ واسطوں سے افغانوں کے جد اعلیٰ قیس عبدالرشید سے ملتا ہے جس کا نسب سے تفصیلی حالات مخزن افغانی، تاریخ غوثیہ جہاں، حیات افغانی اور تذکرۃ الکرام وغیرہ میں ملتے ہیں اور ان کتب میں افغانوں کی تمام شاخوں کے شجرے درج ہیں جن میں پونچھ کی بارک زئی، لکھوٹا یوسف زئی، بام زئی، محمد زئی اور سدوزی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مذکورہ شعبدوں اور ان کے آثار سے ثابت ہے کہ قیس عبدالرشید کے تین بیٹے غرضقی، یثی اور شراہن ہوئے ہیں جن سے افغانوں کی تین شاخیں الگ الگ پھیلیں اور ہر وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک شاعر کی کئی شاخیں پھیلتی چلی گئیں۔ سٹراں کا ایک پٹا غرضقیوں، شراہن کے تین بیٹے کا سی۔ جن اور کند نامی گزرے ہیں۔ کند کے دو بیٹے شیخا اور غورے کے نام افغان شعبدوں میں ملتے ہیں۔ شیخا کے چار بیٹے تروکانی، گلائی، یوسف اور عمر جوئے ہیں۔ عمر کے ایک بیٹے مندا کا نام شعبدوں میں ملتا ہے۔ مندا کے چار بیٹے جڑوہوں مندا اور منور بتائے جاتے ہیں۔ منور کے تین بیٹے اب۔ اتان اور کال نامی ہوئے ہیں۔ اتان کے چار بیٹے علی، کنہا، اکا صاع اور صدیا سعد اللہ خان گذرے ہیں، اسی سعد اللہ خان سے افغانہ کی شاخ سدوزی

الگ ہوئی۔ اور اس شاخ کے کئی صوبہ داروں نے یکے بعد دیگرے مغان پر حکومت کی۔ احمد شاہ ابدالی
 ورنہ بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان خانوں کی شاخ سدوزئی کے حالات و کوائف پر برصغیر میں
 کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور بالخصوص افغانستان میں تو فارسی زبان میں کئی ایسی کتابیں تصنیف ہوئی
 ہیں جن میں سدوزئی کے حالات شمرے و مبطلے بیان ہوئے ہیں۔

سدوزی نواب سعد اللہ کے چار بیٹوں خضر خان، بہادر جنگ، بہزاد اور ابو محمد کے حالات قریبی
 کتب میں مذکور ہیں۔ ابو محمد کے ایک بیٹے بہلول شاہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ سلطان اسماعیل خان کا ایک
 بیٹا سلطان شیر خان بتایا جاتا ہے جس کا ذکر افغان شجروں بالخصوص سدوزئی شاخ میں ملتا ہے۔ سلطان
 اسماعیل خان کا ایک بیٹا سلطان شیر خان بتایا جاتا ہے۔ اس کا ایک بیٹا سلطان امام خان نامی تھا۔ اس کے
 ایک بیٹے نواب اسماعیل خان کا نام بھی سدوزئی شجرہ میں درج ہے۔ اس کا بیٹا سودا خان ہوا ہے۔ سودا
 خان کا بیٹا نواب مدد خان تھا۔ اس کے بیٹے کا نام ٹھیلہ خان بتایا جاتا ہے۔ اس کے بیٹے کا نام بابی خان مذکور
 ہے اور بابی خان کا بیٹا نواب جسی خان تھا جو پونچھ کے سدوزئی یعنی مدھن قبیلہ کا جدِ علی تھا اور اسی کی شاخ
 سے سدوزئی قبیلہ پونچھ کی دیگر شاخیں الگ ہوئی ہیں جو اپنے اپنے اجداد کے ناموں کی مناسبت سے مشہور
 ہیں اور پونچھ کے وسیع تحصیل سدھوتی میں صدیوں سے آباد علی آتی ہیں۔

نواب جسی خان سے لے کر سدوزئی قبیلہ کی موجودہ شاخوں تک کا جالی شجرہ مولوی میر عالم خان
 نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب "تاریخ آزادی کشمیر" کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ نواب جسی خان کا
 شجرہ نسب نواب سدوزئی یعنی سعد اللہ خان سے ملتے ہے۔ یہ چار صدیوں میں پیدا ہوئے مگر ان کی اولاد نے
 بھی دس وفات پائی۔ خانگی تنازعات کی وجہ سے راجہ جھانویں میں مہموں ہوتے ہیں اپنے دلوں مانوں سے
 جوت کر کے ضلع راولپنڈی تحصیل کہوڑ موضع محلہ میں وارد ہوتے، ان کے ساتھ ان کی بیوی۔ تین بیٹے
 سیل خان، کسری خان، پنجم خان اور ایک لڑکی بھی تھے۔ انہیں یہ جگہ پسند نہ آئی اور یہاں مار مار
 کیا۔ دریا عبور کر کے تحصیل کوٹلی کے ایک گاؤں موضع تڑالی میں اقامت گزیرے ہو گئے۔ ان کا تیسرا بیٹا
 پنجم خان اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر علاقہ سوات کی طرف چلا گیا اور اس کی شاخ کے افراد اب سوات و بڑ
 کے علاقہ قلع ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔

مولوی میر عالم خان نے نواب جسی خان کا چار صدیوں سے کہوڑ میں آنا اور پھر تڑالہ تحصیل کوٹلی میں

اقامت گزیرے ہوئے بیان کر کے لکھا ہے کہ یہاں سے ان کا بیٹا پنجم خان سوات کی طرف چلا گیا اور سدوزئی
 ذرائع سے ثابت ہوتا ہے کہ جسی خان نسلۂ میں غری سے براستہ ڈیرہ اسماعیل خان چار صدی
 میں آگیا آباد ہوئے، اگرچہ بڑا خان نے سدوزئی شجرہ میں لکھا ہے کہ نواب جسی خان نسلۂ میں اپنے
 خاندان سمیت آکر پونچھ میں آباد ہوئے مگر سدوزئی قبیلہ پونچھ کی مستند روایتوں میں ہے کہ نواب جسی
 خان پہلے چار صدی میں رہتا اور اس کے بعد کہوڑ میں اقامت گزیرے ہوئے۔ اس کے بعد پونچھ کے
 پہاڑی علاقہ کا رخ کیا، اور چار صدی کے دوران قیام ہی ان کا تیسرا بیٹا پنجم خان سوات کی طرف
 چلا گیا جس نے اسی طرف بود و باش اختیار کر لی تھی، مولوی میر عالم خان نے نواب جسی خان
 کے دو بیٹوں سیل خان اور کسری خان کی شاخوں کا ذکر پوری تفصیل سے کیا ہے مگر زیادہ وضاحت
 سے صرف سیل خان کی شاخ کے نام لکھے ہیں وہ کسری خان کے پانچ بیٹوں تحمل خان، سوچی
 خان، سلو خان، منگو خان اور گرو خان کے ناموں تک۔ بی ان کی شاخیں چھوڑ گئے ہیں انہوں
 نے نواب کسری خان کے ایک بیٹے تحمل خان کی شاخ کے بارے میں صرف اتنی وضاحت کی
 ہے کہ ان کی اولاد سنگ، کانچر جری، ناٹ، ادری، رامتین، ہجودہ آزاد تین۔ دہرگڑوں پتوڑ
 اور ڈائیں وغیرہ مقامات پر آباد ہے۔ دوسرے بیٹے سوچی خان کی اولاد کے بارے میں وہ یہ
 بتاتے ہیں کہ ان کی شاخ کہالہ، کنجری، بارل، رکٹ، ہمدتہ، بساڑ، دہنی، نیریاں اور
 چوکیاں وغیرہ میں ہے۔ تیسرے بیٹے سلو خان کی شاخ انہوں نے بڑا اور کارڈول میں بتائی ہے
 جوئے بیٹے منگو خان کی ذیل میں وہ لکھتے ہیں کہ ان کی اولاد ہیکوٹائی وغیرہ میں آباد ہے اور
 پانچویں بیٹے گیلو خان کی شاخ صرف پھلاڑ میں ظاہر کی ہے۔

نواب کسری خان کی شاخ کا اجالی ذکر کرنے کے بعد انہوں نے نواب سیل خان کی شاخ کا
 تفصیلی ذکر کیا ہے اور آخری شاخ اپنے خاندان تک پہنچائی ہے۔ مولوی میر عالم خان نے نواب
 سیل خان کے چار بیٹے، تمبر خان، نیل شہزاد، جہن خان اور کپوری خان بتاتے ہیں
 ان کی مشہدات کی رو سے تمبر خان کا ایک بیٹا حار خان نامی تھا جس کی شاخ کے افراد پلو
 حدو، سودا، بھانتی، جہڑہ، کلڑہ، نادن، ران، گڑھ، کاکڑھ، کوہٹ، کھول اور سیور
 وغیرہ کہوڑ تحصیل راولپنڈی میں ہے۔ گاؤں و روکی مناسبت سے انہوں نے جوتا ہے کہ یہ موضع

تیسرے بیٹے خان خان کی شاخ بھی پوٹھی ماکولاں میں بتائی گئی ہے۔ دگت خان کی شاخ ہرنہ میرہ اور مچھری میں آباد بتائی ہے۔ متوفان کی شاخ کھرک میں بتائی ہے اور لکھا ہے کہ سردار بہادر علی خان اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ جنہوں نے ۱۸۹۹ء میں دو گروں کے خلاف تحریک چلائی۔

شیخو خان کے بیٹے میر خان کے دو بیٹے شادی خان اور کیر علی خان بنائے ہیں۔ شاہ ولی خان کے دو بیٹے سنگار خان اور اندر خان تھے ہیں۔ سنگار خان کا مہتاب خان۔ مہتاب خان کا لال خان لال خان کا میا شکیلہ خان المعروف ڈاڈا خان بتائے ہیں۔ ڈاڈا خان کے سات بیٹوں دریا خان۔ نواب علی خان۔ اسماعیل خان۔ شاہ ولی خان۔ ملک شیر خان۔ بیگا خان اور میرزا بخش خان کے نام لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ بیگا خان اور میرزا بخش خان کی شاخیں پٹنگی اور گڑالہ میں آباد ہیں۔

سہل خان کے بیٹے فتح خان کے چھ بیٹے کھسو خان۔ پکھر خان۔ یوسف خان۔ موسیٰ خان اور دلو خان بیان کئے ہیں۔ کھسو خان کی شاخ پندری۔ پکھر خان کی پھلیاں مذہب پیرٹی۔ یوسف خان کی کھنڈا بگہ۔ موسیٰ خان کی پندری اور دلو خان کی مکرو وغیرہ میں بیان کی ہے مگر حکیم خان کی شاخ کا ذکر نہیں کیا۔ مہنہو خان کے بیٹے مکافا خان کے دو بیٹے کتہہ خان اور کیر خان بنائے ہیں اور لکھا ہے کہ ان دونوں کی شاخیں پٹنگی اور بھنگو میں آباد ہیں۔ کیر خان کی شاخ بن جو نسہ میں بھی بتائی ہے۔

شیخو خان کے تیسرے بیٹے ہوا خان اور اس کے بیٹے تیرا ہی خان کے آٹھ تین بیٹے کھنگر خان جلال میر خان اور خان خان جوئے ہیں۔ کھنگر خان کی شاخ دہاں میں بتائی ہے۔ جلال میر خان کی شاخ چڑھار دھمی میں بتائی ہے اور خان خان کی شاخ دھمی دریک میں بتائی گئی ہے۔ جوہر خان کے تین بیٹے زندہ خان۔ اسمیں خان اور جلال خان لکھے ہیں۔ لیکن ان کے اندراج میں ایک غلطی یہ ہے کہ ان کی شاخوں کا تسلسل منتقل ہے۔ مولوی میر عالم خان نے بڑی تحقیق و تدقیق سے سدوزئی قبیلہ تفصیل سدوزئی کا ابتدائی شجرہ مرتب کیا ہے۔ مگر اس شاخ کی طرف زیادہ توجہ دی ہے جو ان کے اپنے خاندان کی طرف جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آخر میں وہ سیدھے اپنے خاندان کی طرف چلے گئے۔ اور اپنے بچوں اور بیٹوں کے نام لکھ دیئے مگر باقی شاخیں اور حوری چھوڑ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کا شجرہ نامک اور ادھر ہے۔ ہم نے قیس عبدالرشید سے سنے کہ نواب حسنی خان ملک شاخیں اس شجرہ سے شامل کیں جو پھر ملا خان سدوزئی نے اپنی کتاب

انہی کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے بیٹے نیل شیر خان کے چار بیٹے مہنہو خان۔ ماکو خان۔ مکر خان اور دلو خان تھے۔ مہنہو خان کے تین بیٹے پیکو خان۔ شیخو خان اور کا خان جوئے ہیں۔ شیخو خان کے تین بیٹے پیکو خان۔ میر خان اور ہوا خان تھے۔ پیکو خان کے ملک صاحب خان اور بدہا خان۔ ہوا خان کے تیرا ہی خان۔ اسکندر خان اور سینا خان جوئے۔ اسکندر خان کے ہرم خان۔ سلیم خان اور گنگھا خان جوئے ہیں۔ ہرم خان کی شاخ عکرمہ دھان میں آباد ہے۔ سلیم خان کی شاخ برنگ اور کوہا میں بتائی جاتی ہے۔ گنگھا خان کی شاخ بھی دھان اور کوہا میں ہے۔ سینا خان کے تین بیٹے نہٹ خان۔ تمبر خان اور بھو تو خان جوئے ہیں، نہٹ خان کی شاخ رادلا کوٹ میں آباد ہے۔ تمبر خان کی شاخ تڑا میں بتائی جاتی ہے۔ بھو تو خان کی شاخ کالا کوٹ موجودہ جین کوٹ میں ہے اور شہید ملت کیپٹن حسین خان اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ماکو خان کے ایک بیٹے جوہان کا نام لکھا ہے اور بتایا ہے کہ ان کے چار بیٹے پکھر خان۔ دلو خان یو جہل خان۔ علی خان اور بنی خان تھے۔ پہلے بیٹے پکھر خان کی شاخ چھوٹی کمر اور ریش میں بتائی ہے۔ دوسرے بیٹے سوجلی خاں کی اولاد انہما رہی۔ پھنا کھ۔ کوٹ پٹری اور کھوڑی ناچند وغیرہ میں ہے تیسرے بیٹے علی خان کی شاخ چیرانہ اور جہرہ وغیرہ میں ہے۔ بنی خان کی شاخ پرسوٹ۔ نامنوطر وغیرہ میں ہے دلو خان کی شاخ کوٹ پٹری اور چھلہاڑی میں ہے۔ ماکو خان کے تین بیٹے لہرا خان۔ سودا خان اور سنگ خان بنائے ہیں۔ لہرا خان کا بیٹا لول خان تھا جن کے نام پر رادلا کوٹ مشہور ہے رادل خان کے دو بیٹے شرت خان اور نسا خان تھے۔ نسا خان کی شاخ پوٹھی ماکولاں۔ پڑاٹ۔ پڑکوٹ اور کھرک میں آباد ہے۔ سنگ خان کی شاخ رماڑہ۔ متیال۔ مہرہ۔ سون۔ بنگراں۔ ڈاری۔ بندار۔ ٹوپی۔ اور پڑاٹ وغیرہ میں ہے۔ شرت خان کے پانچ بیٹے اسمیں خان اور لہا خان۔ گیرہو خان۔ کتہہ خان اور بدہا خان بنائے جاتے ہیں۔ گیرہو خان کی شاخ پاچھوٹ میں آباد ہے۔ کتہہ خان کی شاخ ہرنہ مہرہ۔ سنگ۔ کوٹ پٹری۔ پاچھوٹ اور لاگڑیاٹ میں ہے بدہا خان کی شاخ بھی پاچھوٹ میں آباد ہے۔ اسمیں خان کے پانچ بیٹوں میکس خان۔ بس خان خان خان۔ دگت خان اور متوفان کے نام لکھے ہیں۔ پہلے بیٹے جیکس خان کے دو بیٹے بارخان اور غیرہ خان بنائے جاتے ہیں۔ دوسرے بیٹے بس خان کی شاخ ہرنہ میرہ اور ترنونی میں بتائی ہے

نخون ملّا میں درج کیا ہے۔ اس کے باوجود کہ بچر ملا خان سدوزئی تحصیل سدھوتی کی مدھن برادری سے ہی تعلق رکھتے ہیں لیکن اہمیان کے لئے نخون افغانی۔ تواریخ خورشید جہاں۔ تارخ افغانہ۔ تارخ خلک۔ تارخ افغانستان۔ واقعات دلائی۔ تذکرۃ الکرام۔ تارخ خیبر۔ طبقات نامری۔ اور دماغرا مارو نیرہ کو دورہ کنڈک لایا اور اس کے بعد بچر ملا کے مرتب کردہ شجرہ پر انحصار کیا گیا

سدوزئی قبیلہ عہد بہ عہد

نواب جی خان کے دو بیٹوں سیل خان اور کسری خان کی شاخوں کا جمل سا خفا کہ شجرہ کے ضمن میں آچکا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ نواب جی خان نے تڑار کی سکونت ترک کر کے سدھوتی میں ہی مکمل بدو باش اختیار کر لی تھی۔ مذگ اور تھورل کے قریب ایک ٹیکری پر کسی بزرگ کی نیابت ہے جسے جتہ پتر کہا جاتا ہے۔ سدوزئی قبیلہ کے عمر رسیدہ بزرگ بتاتے ہیں کہ یہی نواب جی خان کی قبر ہے۔ ظاہر ہے کہ نواب جی خان نے ادلن کی اولاد نے اسی مرتبین پر نشوونما پائی ہے اور وہیں سے ان کی دونوں شاخوں نے پھیلاؤ کیا ہے۔ کوئل تعقدت حسین خان نے جتہ پتر کے علاقہ کا غور سے مطالعہ کیا اور ان قول کے مطابق جتہ پتر نواب جی خان کی چٹھک تھی جہاں سے جو کورہ تمام علاقہ کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان معبر ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ کوئل صاحب نے مدھن قبیلہ کے حالات پر کافی تحقیق کی ہے۔

تاریخ اقوام پر کچھ کے معنی مندین فرق نے اپنی کتاب کے آخری باب میں سدوزئی قبیلہ پر کچھ کا تفصیلی ذکر کیا ہے مگر جنہوں نے ابتدائی حصہ میں جو تبصرہ کیا ہے اس کا ضمن مضمون سے کوئی تعلق نہیں مانہوں نے صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے فضول حاشیہ لکھی ہے۔ اس لا حاصل بحث کے بعد وہ نواب جی خان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سدوزئی شاخ سے چار سہ ہیں اس خانہ کے سرکردہ جی خان نامی رئیس تھے۔ سیل خان نامی رئیس تھے۔ سیل خان کسری خان۔ اور عجم خان کے تین فرزند تھے۔ خاگی تنازعات کی وجہ سے جی خان اپنے فرزندوں سمیت چار سہ سے نکلی کر پہلے پہلی تحصیل کہوٹہ راو پنڈی کے ایک موضع سلطہ میں آئے لیکن کچھ بعد کوئی کے موضع تڑار میں فروکش ہو گئے۔ اس عرصہ میں جی خان کا تیسرا بیٹا بھائیوں سے لڑکر سوات بونیر کی طرف چلا گیا جہاں اس کی اولاد پھیل۔ دھمڑ۔ ہزارہ اور سوات بونیر کے اطراف میں پڑ جاتی ہے۔ فرق صاحب نے تقریباً وہی روایت بیان کی ہے جو کچھ کی سدوزئی برادری میں

سیبہ بہ سیدہ چلی آتی ہے۔ اور سیدہ بہ سیدہ چلی آئے والی روایت ہی معتبر ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نواب جی خان کا زمانہ کون سا تھا اور ان کا شجرہ نسب کتنے واسطوں سے اختلافوں کے بعد مجوقیس عبدالرشید سے ملتا ہے۔ اس مرحلہ پر جب ہم دوسری روایات اور تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو نواب جی خان کا عہد عیساکہ بچر ملا خان نے بھی لکھا ہے سنہ ۱۳۱۰ ظاہر ہوتا ہے اور نواب جی خان کا شجرہ نسب ۲۰ پشتوں بعد قیس عبدالرشید سے ملتا ہے جس کا ذکر سرگزشتہ میں آچکا ہے۔ نواب جی خان کی چار سہ سے کہوٹہ میں آمد اور پھر تڑار میں سکونت کے بارے میں جس قدر حالات ہیں بیان روایات پر منحصر ہیں جو سدوزئی قبیلہ کا عہد یوں پرانا تاریخی ورثہ ہے اور یہ روایات سدوزئی قبیلہ میں اس قدر عام ہیں کہ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نواب جی خان کے بیٹوں سیل خان اور کسری خان نے جب تحصیل کوئی کے ایک حصہ پر مکمل سیاسی بالادستی حاصل کر لی تو انہوں نے پندرہویں کارٹ کیا اور دیا جھلم کے ماضی علاقوں میں پھیل گئے۔ اس وقت سیل خان کی شاخ تحصیل سدھوتی کے مشرقی حصہ میں آباد ہے اور کسری خان کی شاخ دیا جھلم کے ساحلی حصہ کے ساتھ ساتھ آباد ہے۔ اس کے علاوہ قبیلہ کا آبادی تحصیل بہنڈ راوڑی میں بھی ہے اور کچھ آبادی تحصیل بارگ کوئی منظر آباد کہوٹہ اور پٹھوانہ ندی کی طرف بھی موجود ہے۔ سیل خان اور کسری خان کے مزارات موضع تڑار میں ہیں۔

نواب جی خان کے دو بیٹوں سیل خان اور کسری خان کی اولاد ابتدا میں سیلال اور کوئل کہلائی مگر جوڑو تو ان کی آبادی بڑھتی گئی ان میں گئی اور شاخیں بن گئیں اور ہر شاخ اپنے بزرگ کے نام سے منسوب ہو گئی جیسے نکا خان کی شاخ کیاں۔ رحیم خان کی شاخ سے رحیمیاں۔ جانشہ خان سے جانبیاں۔ شیخو خان سے شیخوایں۔ ملاکو خان سے ملاکوال۔ ڈاڈا خان سے ڈاڈایاں وغیرہ شاخیں مشہور ہیں اور ان کی طرح کی چھوٹی چھوٹی شاخوں کا نشانہ بھی کی جائے تو یہ ہزاروں سے بھی تجاوز ہیں لیکن ان کا بنیادی نام نواب سعد اللہ خان یا سعد خان کی مناسبت سے سدھن ہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سدوزئی کی نسبت لفظ سدھن زبان پر ملتا جاتا تھا اور اس قبیلہ کے عرف عام کے طور پر اس نام نے زیادہ بڑی پایا ہے۔

منشی محمد دین فوق سدوزیوں کے طرز پر بدشا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سردار محمد
نے تحصیل سدوزی میں جو ان کی کے نام پر پونچھ کی ایک مردم شماری ہے کئی دیہات اپنے
قبضہ میں کر لئے اور ان کی طرف حکومت بھی نڈان قابل کی طرح تھی جس طرح انڈان کے ایک ایک گڑھ
کا سردار لگ بھگ تھا اسی طرح اس قوم میں بھی جی ہرادی اقتدار رکھتا ہے اپنے علاقہ میں ایک لفظ پھیر کر یا جسے
اُس نے نہیں کوٹ پائی کہتے تھے۔ ان کو ٹوں اور دیلیوں کا ذکر مولوی میر عالم خان نے اپنی کتاب
میں کافی تفصیل سے کیا ہے۔ وہ سیل خان یا کسری خان کی شاخوں کے پھیلنے کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں۔ کسری خان کی شاخ تھلہ سے ہو کر دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ ٹائیں تک پہنچی جاتی
ہے اور دوسری طرف پھنگوانی تک پہنچی گئی ہے۔ گویا کسری خان کی شاخ سیل خان کی شاخ کے
تینوں طرف پھیلی چلی گئی ہے۔ صرف پونچھ کے ایک طرف تیسری ٹوٹ اور کھلی درجن کا علاقہ اس
کی آبادی سے فانی ہے۔ مولوی میر عالم خان نے ان دو شاخوں کی آبادی کا جو خاکہ پیش کیا ہے
اس پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہو گا کہ ان علاقوں میں کوئی مقام بھی ایسا نہ تھا جہاں کسی نہ
کسی روایہ کا کوٹ یا ڈپٹی نہ ہو۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تحصیل سدوزی میں دوسرے
قبائل کی آبادی بڑے نام تھی اور جو لوگ آباد تھے وہ ان ہی سرداروں کے مطیع تھے۔ یہی
یعنی سدوزی قبیلہ کے سرداروں نے تاریخ کے کافی آثار چھوڑ دیئے ہیں لیکن حالات شاہد ہیں
کہ یہ لوگ اپنے علاقہ میں ہمیشہ خود مختار اور سپاہ و سفید کے مالک رہے ہیں۔ یہ اپنی علاقیت
خود کرتے رہے۔ اپنے مقدمات کے فیصلے بھی خود کرتے رہے اور اپنی اراضیات پر بلا شرکت
غیرہ خود تصرف رہے۔ گویا ان کا طریقہ بود و باش مافیہ میں بالکل وہی رہا جو قبائلی
لوگوں کا ہوتا ہے۔ اس وقت کے بعض تاریخی مرکزوں کا ذکر محمد دین فوق نے بھی کیا ہے
وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت پونچھ۔ حدو۔ کہار۔ کجھیری۔ پونا قہ۔ گورہ۔ پنگی۔ برجوت۔
پوٹھی ماگوالاں۔ دہنی۔ جوتہ۔ پورہ۔ بارل۔ نیریاں۔ چوکیاں وغیرہ کی دیلیاں خاص
اہمیت رکھتی تھیں اور ان میں جو سردار اقامت گزین تھے سیاسی لحاظ سے مضبوط خیال
کے جاتے تھے۔ مگر مولوی میر عالم خان نے اپنی کتاب میں خاصی تفصیل بیان کی ہے اور کئی ایسے
ادراک کی نشاندہی کی ہے جو مذکورہ سیاسی مرکزوں کے ہم عصر اور ہم پلہ تھے۔ اس میں

شعبہ نہیں کہ سدوزی قبیلہ کی آبادی تحصیل سدوزی کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی تھی مثلاً تحصیل
بانہ میں ٹوپی۔ ریڑیں۔ پیرپانی۔ کھول ملدیاں۔ سوانج۔ ڈھلی۔ ناڈ شیر علی خان۔ ٹرولہ۔ میرہ
راہلی۔ کوٹھیاں۔ سنگولہ۔ بانہ۔ کھل گڑھ۔ پنوٹھی۔ چڑ۔ ملوٹ۔ چناٹ۔ ہیل۔ زنگلہ۔
ڈھک۔ سدوزی۔ ساہیاں۔ زنگولی۔ تھروٹ۔ بناکھ۔ نکر۔ ٹائیں۔ پاجھوٹ وغیرہ میں لگا
گھولنے آباد تھے۔ اس کے علاوہ تحصیل حویلی کے مواضعات مہنڈلہ۔ چلباس۔ سلوٹری
منگ ناڈ۔ کونیان۔ خاص شہر۔ پونچھ۔ پھنچہ۔ تیسری ٹوٹ۔ گھیر۔ سپر۔ گلوٹ۔ گل۔ پور۔ کویاں
اجڑ۔ چھتراد۔ کھلی درجن وغیرہ میں ان کی آبادی تھی۔ تحصیل مہنڈلہ کے مواضعات ٹیل۔ سپرہ
درہ شیرخان۔ کنہ۔ بلوٹی۔ منکوٹ۔ پھنچہ۔ سلورہ۔ اڑی۔ کھوٹ۔ بنوٹ۔ دھرائی۔ بالا کٹ
سوہرن۔ پوٹھ۔ شاہ پور۔ مندار۔ درہ دلیاں اور منڈھول وغیرہ میں سدوزی قبیلہ کی آبادی
موجود تھی اور ریاست پونچھ سے باہر اولپنڈی کی تحصیل کھوٹ کے مواضعات سوہا۔ بھنٹی۔ جیوٹھ
ناون۔ بلج گڑھ۔ کانگر۔ کوہیٹ۔ کھلول۔ پور۔ نمرہ۔ دیرن۔ ادسل۔ لہڑی۔ میرہ۔ موٹ وغیرہ
میں بھی سدوزی قبیلہ کے افراد آباد تھے۔ اس کے علاوہ تحصیل کوٹلی اور جوں کے مواضعات تھلہ
پرنہ۔ حدو۔ انکورہ۔ دھیرہ۔ وار۔ دایش۔ کک۔ سیوس۔ پٹنگ اور پھلانی گڑھ تک ان کی شاخیں
پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن اس تمام بیرونی آبادی کے روابط تحصیل سدوزی کے اُن سیاسی مرکزوں
سے قائم تھے جنہیں اس وقت کی اصطلاح میں کوٹ یا ڈپٹی کہا جاتا تھا اور جن کے آثار اب تک
ملنے ہیں۔

۱۸۳۲ء تک کے تمام سیاسی نشیب و فراز کا محکمہ منسلک ہے کیونکہ تحریری
صورت میں روایات بہت کم ہیں۔ البتہ اتنی بات مسلمہ ہے کہ سدوزی قبیلہ کے سردار اس درمیان
دو میں دوسرے سلاطین کے مطیع رہنے کے باوجود اپنے اس علاقہ میں خود مختار رہے جس کا
کے قریب جب اگبر نے تمام کشمیر کو منسلک کیا ایک صوبہ بنالیا تو ان پہاڑی علاقوں کا انتظام
و انصرام بہستون سرداروں کے پاس ہی رہنے دیا۔ اپنے اپنے علاقوں میں ذی اندوہی اختیار
تھے۔ اگبری مہدی تاریخی روایات شاہد ہیں کہ پونچھ کے بعض حصوں پر یہاں کے مقامی سرداروں کا
تھے اور یہ اپنی طرف سے منسل سلاطین کو کچھ خزانہ ادا کرتے تھے اور بقیہ معاملات میں ان کی

خود مختاری برقرار تھی۔ چنانچہ دوسرے پہاڑی مقامات کی طرح سدوزئی قبیلہ کے سردار بھی اپنی
تعمیل پر خود مختار تھے اور ان کے منتخب سردار بھی مثل سلاطین کے دربار میں نمائندہ گھنٹاتے تھے۔
۱۶۹۲ء سے لے کر ۱۷۳۵ء تک پونچھ کے بالائی حصہ پر راٹھور خاندان کا اقتدار قائم رہا اور اس
خاندان کے چھ راجاؤں فتح محمد خان - عبدالرزاق خان - رستم خان - شہجہا خان - بہادر خان اور شیراز
خان نے یکے بعد دیگرے پونچھ کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کی۔ لیکن اس دور کی روایات سے
اندازہ ہوتا ہے کہ تحصیل سدھنوی پلان راجاؤں کا کوئی اثر و اقتدار نہ تھا بلکہ یہاں کی حکومت حب
سابق اُن سرداروں کے پاس تھی جو اپنے اپنے کوٹوں اور پلوں میں رہتے تھے اور اپنے اپنے علاقوں
کے نگران تھے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب سردار مل کر اپنا ایک مشترکہ وفد سالانہ مندرجہ دربار میں
پہنچا کرتے تھے کیونکہ اس قسم کے حوالے آئین اکبری - اکبر نامہ اور منہاج میں ملنے والی دوسری
کتاؤں سے بھی ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس عہد میں یہ پہاڑی سردار آپس میں مل کر
منزل دربار کو مشترکہ نمائندہ پیش کرتے تھے اور جب کبھی دربار کو کوئی ہم درویش ہو تو اپنے علاقہ سے
سہا جی بھرتی کر کے مخلوں کے شکر میں بلور عہد یا رشا مل ہو جاتے تھے۔ قبائلی عہد ہندوستان
کی سرزمین میں مخلوں کا اقتدار قائم رہا پہاڑی علاقوں کے سردار بھی ان سے تعاون کرتے رہے لیکن
جب پنجاب کی سرزمین پر سکھوں کے اقتدار کا سورج غروب ہوا تو ان تمام پہاڑی سرداروں نے
سکھوں کو خراج دینا بند کر دیا اور اپنا اپنے علاقوں میں آپ راجی قائم کر لی جس کا ذکر گذشتہ
صفحات میں آچکا ہے۔

جس طرح پونچھ کے باقی حصوں میں آپ راجی قائم تھی اسی طرح تحصیل سدھنوی میں سدوزئی
قبیلہ کے سرداروں کی آپ راجی تھی اور یہ اس لحاظ سے بدترین نظام تھا کہ سرداروں کا باہمی ٹکا
دیک جتنی پارہ پارہ ہو چکی تھی اور ہر سردار اپنے علاقہ میں دوسرے سردار کے خلاف متحدہ معرعتی
پیکار کرتا تھا۔ آپ راجی میں غیور اور سیکڑوں بڑائیوں کے ایک برائی یہ تھی کہ سردار جب
ایک دوسرے کے علاقوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو گاؤں کے گاؤں ہلاک و فاکسٹر کر دیتے تھے۔
اُس زمانے کے بعض آثار اب تک دکھائی دیتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ باہمی اختلاف جنگ
بروز لڑی جاتی تھی اور اس جنگ میں ہر درویش انسان فی خون کرتا تھا۔ آپ راجی کی سیمہ بہ سیمہ جی

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھائی بھائی کا دشمن بن چکا تھا اور ہر ذی اثر انسان رات دن ایک
کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح اپنے حریت پر بالادستی حاصل کرے۔ تحصیل سدھنوی پر یہ
دوسرے علاقوں کی نسبت شدید تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ایک ہی قبیلہ کے سردار اقتدار
رکھتے تھے اور کوئی بھی سردار خود کو دوسرے سے کمتر تصور نہ کرتا تھا۔ اس وجہ سے ان میں ہر روز
خون خرابہ ہوتا تھا اور اُس دن کاؤں جلتے رہتے تھے۔

ادھر جب لاہور کے سکھ دربار میں راجہ گلاب سنگھ نے اقتدار حاصل کر کے جموں اور اس کے
نواحی علاقے بطور جاگیر حاصل کر لئے اور اپنے دوسرے دونوں بھائیوں دھیان سنگھ و سوچیت سنگھ
کو بھی دربار میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیا تو اس کی تمام توہان پہاڑی علاقوں کی طرف ہو
گئی جہاں کے سردار اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار تھے۔ راجہ گلاب سنگھ نے سب سے پہلے
ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کی فوجی طاقت سے تحصیل سدھنوی کے سدوزئی سرداروں کو مرعوب
کرنے کی کوشش کی مگر بالآخر ۱۸۳۲ء کے قریب خود ایک لشکر کے کھٹیل سدھنوی کی طرف
سے علاقہ میں داخل ہوا کہ یہاں کے تمام سرداروں کی بالادستی کو ختم کر دیا جائے۔ ہمارا راجہ
گلاب سنگھ نے سردار علی خان - سبزی خان اور ان کے دیگر ساتھیوں کے زندہ جموں سے
کس طرح کھالیں کھینچائیں اور تحصیل سدھنوی میں انسانی خون سے کس طرح جونی کھیلی اس کا مفصل
ذکر اس کتاب کے گذشتہ صفحات ۵۷ تا ۶۹ میں مائیکل سنہاد اور گلاب نامہ کے حوالوں سے
نگہ رکھا ہے۔ البتہ اس ذیل میں جن سرداروں کے نام درج کرنے باقی تھے وہ یہاں درج کئے جاتے
ہیں۔ لیوان کرپارام مصنف گلاب نامہ نہ لکھا ہے کہ ہمارا راجہ گلاب سنگھ کے حکم سے سدھنوی
کے سرداروں علی خان اور سبزی خان کے زندہ جموں سے کھالیں کھینچیں گیٹیں اور ان کھالوں میں
بھوسہ بھر کر دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے درختوں پر لٹکائی گئیں۔ مگر سدوزئی قبیلہ کی مقامی
روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سردار علی خان اور سبزی خان کے علاوہ ۱۲ دیگر سرداروں کے جموں
سے بھی کھالیں اتاری گئیں جن کے نام منشی محمد دین نون نے اپنی کتاب تاریخ انوارم پونچھ میں لکھے
ہیں۔ فرق صاحب لکھتے ہیں کہ گلاب سنگھ کے حملہ پونچھ کے وقت حسب ذیل سردار موجود تھے
پونہ حدو میں سردار حدو خان - کھال میں سردار علی خان و سبزی خان - شنگ میں سردار جوں خان

گوارہ اور پونا تھوہیں رائے شیر علی خان پہلگی میں سردار بلندخان۔ جو بونہ میں سردار سکندر خان۔
دارا میں سردار بوسہ خان بوسہ علی خانبان ہی سے منسوب ہے، پڑوسی ماکوالاں میں سردار قوت محمد خان
بنوہ میں امیر خان۔ راجہ گلاب سنگھ ان کے صاحبزادے میاں ادم سنگھ۔ میاں لب سنگھ
اور حیرن زردار سنگھ۔ یہ سب شکریہ راجہ کے سرداران بلندری اور دوسرے سردار آردہ سردار
پرڈوگرہ حکومت کا سکسہ بٹھارے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بچن بارہ سدن سرداروں کے زندہ
بہنوں سے کھائیں اتروا کر شاہراہ عام پر ڈکا لی گئیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

منہر علی خان چھوٹا گلہ۔ بلزخان۔ بلندخان ہاڑی۔ میر بازخان بن جوئہ۔ کالو خان و
فتح شیر خان کڑ پھرت۔ مہدی خان مٹھی۔ مزل خان دسراندا زخان پہلگی۔ حیات خان چٹوگرہ
جمہور خان ہاڑہ۔ امیر علی خان علی سومل۔ مذکورہ سرداروں کے علاوہ مولوی میر عالم خان نے
اپنی کتاب میں ان سرداروں کی نشاندہی کی ہے جو اس جنگدار دیگر سے زندہ بچے تھے اور یہ
سردار بھی اپنے اپنے کوٹوں اور دیپوں پر گھلن تھے۔ مولوی میر عالم خان کی روایت کے مطابق اس
دقت کے ذی اقتدار سرداروں کے نام حسب ذیل ہیں:-

سردار بلندخان پہلگی۔ سردار ولی خان دہنی۔ سردار مزل خان بارل۔ سردار بوسہ خان بھڑوڑ
سردار مہربان اندر دوت۔ سردار مرزا خان مٹھی۔ سردار جردار خان گوارہ۔ سردار قمر الدین خان نیر
سردار قیاس خان چٹکیاں۔ سردار قمر الدین کمالہ۔ سردار فتح علی خان سہر۔ سردار نور خان پہلگی۔ سردار
جماعت علی خان جٹا لوی۔ سردار جماعت علی خان ہریوٹ۔ سردار مہدی خان دوتھان۔ سردار سلطان
گڑوالہ۔ سردار میر بازخان دھنگل دوت۔ سردار گل بیگ خان بن جوئہ۔ سردار مہربان بن جوئہ۔
سردار کال خان بن جوئہ۔ سردار امیر علی خان رادلا کوٹ۔ سردار نکوٹ خان تراٹ۔ سردار کالا خان کالا کوٹ
سردار غیاث دین خان دیک۔ سردار گاموں خان ہاڑہ۔ سردار مرزا خان ہرنہ میرہ۔ سردار جردار
خان ہرنہ میرہ۔ سردار میر بازخان پاچھیوٹ۔ سردار مستانہ خان رام پتن۔ سردار حسن علی خان ٹٹ
سردار صلابت خان مٹھی۔ سردار کالم خان کھیاں۔ سردار بھون خان چھلاڑ۔ سردار حسن علی خان
دھار دھر چھ۔ سردار چب خان کھڑک۔ سردار بابا خان کھڑک۔ سردار مہربان خان سون۔ سردار
فاضل خان سون۔ سردار مٹھلا خان پوچی ماکوالاں۔ سردار سورج خان پوچی۔ سردار کنہن خان پاچھیوٹ

سردار میر جو خان ٹاپیان۔ سردار بلندخان گھیر۔ سردار محمد خان گھیر۔ سردار خاں متیال میرہ وٹو
مولوی میر عالم خان کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا سردار ہم عصر تھے مگر سڈوئی قبیلہ پونچھ کے
عمر رسیدہ بڑو گول کی روایت ہیں کہ مذکورہ سرداروں میں سے بعض آگے بچے گذرے ہیں۔ یعنی بلن بن
میں سے سردار گلاب خان کے ملکہ کے وقت موجود تھے۔ بعض پہلے ہی وفات پا چکے تھے اور بعض ابھی
کم عمر تھے۔

منشی محمد دین فوق نے مرحوم کرنل خان محمد خان بابائے قوم کے حوالے سے ان غلاموں کا بھی ذکر کیا ہے
جو قیدی بنا کر جوں بے جانے گئے تھے۔ منشی فوق لکھتے ہیں کہ راجہ گلاب سنگھ اور اس کی فوق نے جب
تحصیل سبضوٹی اور بارنا کا تہس نہس کیا تو اس قوم کے کئی قیدی جوں بھی لائے گئے تھے
جوں میں سے کئی ایک کو قیامت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ قیدیوں میں سردار شمس خان کی بیوہ
مسماہ چھلاں اور اس کے تین نابالغ بچوں کے علاوہ مندرجہ ذیل عورتیں بھی تھیں۔ فضل بی بی
بی بو۔ فضل بی بی ثانیہ۔ پیسو۔ چلرا بی بی۔ روشنائی۔ شمسائی۔ بوٹی۔ مکھنود وغیرہ شمس خان
کے تین نابالغ بچوں کے قتل کی تجویز ہو چکی تھی۔ لیکن ان کی والدہ کی آہ و زاری نے ان معصوموں کی
جان بچالی۔ چنانچہ ان کو اردن کی ادلاہ کو موضع خیری تحصیل زیر سرنگھ پورہ میں سوگھاؤں زمین دے
دی گئی۔ اور سو روپے بطور جائیداد دیئے گئے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل تھے۔ مراد خان جس کے
پوتے حاکم خان و نواب خان اس وقت موجود ہیں۔ کالا خان جس کے پوتے دلہر خان۔ غلام محمد
خان اور جماعت علی خان ابھی زندہ ہیں۔ میرد علی خان جولاد ولد وفات پا گئے تھے۔

سدھن قبیلہ کی جو فوجاں لوگیاں قیدیوں کے طور پر جوں لائی گئیں تھیں ان میں فضل بی بی، مہجون خان
جولہ جملہ فرخشاں خانہ کے نکاح میں آئی۔ اس کی ادلاہ سے شاہ نواز خان و نواب خان علیہر تھا
جوں میں موجود ہیں۔ بی بو کا نکاح سردار عبداللہ خان درانی سفیر یار تھہ سے ہوا۔ خان بہادر
سردار محمد علی خان وزیر وزارت گلگت اور کرنل سردار یار محمد خان اسی خاتون کے بطن سے تھے
سردار محمد اکرم خان جو ریاست میں وزیر وزارت رہے خان بہادر سردار محمد علی خان ہی کے فرزند۔

یاد رہے کہ محمد دین فوق کی یہ کتاب ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوئی۔

کرنل سردار یار محمد خان کے حسب ذیل سات فرزند تھے، سردار نور محمد خان۔ سردار فیض محمد خان
 ریشاؤ ڈھیلدار۔ کرنل سردار عبدالرحمان خان۔ سردار عبدالکیم خان محمد اہلیک۔ کپتان عبدالحمید خان
 سردار عبدالکیم خان باریٹ لار۔ ان بھائیوں میں کرنل عبدالرحمن کی اہلیہ سردار محمد شیر خان سنگھ
 سنگھ منگ کی خندہاوی ہے۔ فضل بن بی شاہ میرزا افضل بیگ محمد افضل خانہ راجہ موتی سنگھ کے
 عقید میں آئیں۔ مرزا حمید بیگ اور خوشحال بیگ اسی کے بطن سے تھے۔ مرزا حمید بیگ کے دو فرزند
 مرزا نادر بیگ اور مرزا وزیر بیگ ہوئے ہیں۔ چار کے متعلق تفصیلی حالات نہیں مل سکتے ہیں۔
 روشنائی۔ بونی اور ششان نے کسی کے ساتھ شادی نہیں کی۔ ان کی قبریں محلہ پیر سائیں اف شاہ
 متصل کنگ۔ منڈی جوں میں موجود ہیں۔ (تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۷۶)

بابائے قوم کرنل خان محمد خان مرموم نے اپنے بچوں کے دوران قیام یہ حالات فراہم کئے منشی محمد دین
 فرن کو ۱۹۰۲ء میں اس سال کئے تھے۔ ان حالات کی روشنی میں بہت کم قیدی عورتوں اور مردوں کے
 بارے میں معلومات فراہم ہوئی ہیں۔ حالانکہ مائیکل سمٹھ نے اپنی کتاب ریگنڈ فلی آف لاہور میں ان قیدی
 عورتوں کی تعداد جو بچپانی میں قیدیوں کا بنائی ہے۔ مائیکل سمٹھ نے لکھا ہے کہ پندرہری سے جب
 ان مظلوم عورتوں کے قافلہ کو جوں کی طرف ہانڈا گیا تو سات سو کے قریب راستہ میں ہی مر گئیں۔ ان میں
 سے زندہ بچنے والوں کی تعداد بھی سینکڑوں تک ضرور ہونی چوگی۔

۱۸۳۲ء کا حملہ پونچھ اگرچہ سرزمین پونچھ پر آباد تمام نسلیات کے لئے تباہ کن تھا مگر درحقیقت
 ڈوگروا جہاں جہاں سنگھ کی یہ جنگ زیادہ تر سدوزی قبیلہ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ اسی قبیلہ نے اس
 کے آگے سرنگوں ہونے سے انکار کیا تھا اور اسی قبیلہ کے سرداروں نے اپنے اپنے علاقوں خود مختار
 حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ راجہ گلاب سنگھ نے اس قبیلہ کو نہ صرف سیاسی طور پر تباہ و برباد
 کرنے کی کوشش کی بلکہ معاشی و اقتصادی اور تعلیمی میدان میں بھی اسے مکمل شکست دینے کی
 کوشش کی۔ گلاب سنگھ نے تحصیل سدھوتی پر زمین ان وقت حملہ کیا تھا جب لوگوں کی نفسیوں
 تیار تھیں۔ اس خونریز حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خوفزدہ و نراساں ہو کر جنگوں کی طرف بھاگ گئے
 اور دگرہ سپاہیوں نے نہ صرف مکانات جلانے شروع کئے بلکہ تیار فصل بھی برباد کر دی۔ جب
 یہ دہاؤں کے تو خفا کاوشی مضرت اپنے چنگ پھیلانے لگا تھا۔ بعض عمرسیرہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب بوگی

نالیابی کے باعث ملک میں قحط پڑا تو ابتدا میں لوگوں نے اپنے مال مویشی ذبح کئے مگر جب یہ ختم ہونے لگا
 تو لوگوں نے دختر کے پتے اور چرواں کا چھلکا کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ اور جب اس طرح بھی
 ان کی پریشانی رفع نہ ہوئی تو ہزاروں افراد نے پونچھ سے ہجرت کر کے پونچھوٹا کا رخ کیا۔

کسی قوم یا قبیلہ کو تباہی کے گھاٹ اتارنے کا آسان اور دو تہ ترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی
 معیشت و تجارت کو منقطع کر دیا جائے۔ گلاب سنگھ کے حملے قبل ریاست پونچھ کی تمام تجارت
 یہاں کے مسلمانوں کے پاس تھی مگر جب راجہ گلاب سنگھ نے تحصیل سدھوتی پر اپنا تسلط جایا تو یہاں کی
 تمام تجارت مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کے ہاتھوں میں دے دی۔ اس بات کی وضاحت
 مجز مشتمہ اوراق میں کر دی گئی ہے کہ گلاب سنگھ نے ایک لے شدہ منصوبہ کے تحت پنجاب کے
 مختلف شہروں سے سود خور ہندو تاجر پونچھ لائے تھے اور ان کی باقاعدہ طور پر سرکاری امداد بھی
 لگائی تھی تاکہ یہ ملک کی پوری تجارت و معیشت پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ جب ان سود خوروں نے
 پونچھ کے کھنڈے کھنڈے میں اپنا سودی جال پھیلایا تو تحصیل سدھوتی کی تجارت بھی انہی کے ہاتھوں میں آگئی اور
 پھر جوں جوں وقت گذرتا گیا تحصیل سدھوتی کے لوگ بھی ان کے مقررہ حق ہوتے گئے۔

راجہ گلاب سنگھ نے اپنے تمام اعلیٰ حکام کو پدایت کر دی تھی کہ جب بھی ان کے پاس کوئی اس
 قسم کا مقدمہ پیش ہو جس میں کسی مہاجن کی رقم کسی مسلمان کی طرف واجب الادا ہو تو فوراً مہاجن کی
 مدد کی جائے اور مسلمان کی جائیداد مشغول غیر مسلم تھیں تو تسلیم کر کے مہاجن کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔ سود خور
 ہندوؤں کا یہ عمل پوری سیاست پونچھ میں جاری تھا اور تحصیل سدھوتی کا سدوزی قبیلہ بھی اس سے
 بے حد متاثر تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طویل مدت تک یہ قبیلہ معاشی و اقتصادی پسماندگی کا شکار رہا اور
 اس کا خون چند سو خور ہندو چست رہے۔ تحصیل سدھوتی میں آبادی کے لحاظ سے ۱۰۶ گاؤں ہیں
 مکمل طور پر ان کی اکثریت تھی۔ اس کے باوجود کہ راجہ گلاب سنگھ کے حملہ ۱۸۳۲ء میں تحصیل سدھوتی
 میں اس قبیلہ کے ۳۰ ہزار تک افراد شہید کر دیئے گئے تھے لیکن اس تباہی۔ بربادی اور خونریزی
 کے باوجود ان کی آبادی لاکھوں سے متجاوز تھی۔ سدوزی قبیلہ پونچھ کے اکثریتی دیہات کی جہاں بہت
 موثر میر عالم خان نے اپنی کتاب میں دی ہے اس کی رو سے رام تین موجدہ آزاد ہیں۔ دھنگروں
 کا بھڑی۔ منگ۔ چھاڑ۔ ناٹاڑی۔ اندر دھڑ۔ راتھ۔ بگڑا۔ سون۔ ستیاں میرہ۔ کھرک

پوٹھی مالوالاں - پٹاٹ - کنہہ - راولا کوٹ - نلاڑ - کالا کوٹ - موجودہ حسین کوٹ - نہہاڑی
 ہاڑی - بالواترپی - گورامہ - گڑالہ - تیرڈاموہڑہ - پپہ ناڈ - بالبالہ - نلاڑ کھل - کوٹیرہ دیوان
 پھلجھاڑی زلیولہ - جنڈالی - بن جونسہ - دیک - دھنی - برمنگ خورڈ - چوٹا لگہ - کوہیاں - دھنا
 موٹارین - ناموٹ - کچہر - کہو کوٹ - علی سوچل - پٹر کوٹ - سیراڑی - پٹھی چھریاں - بھیرہ - کھنڈ
 پیر کوٹ - چنگوٹی - بکھیال دھڑہ - پیلہ چیر - رکٹ - جھاڑوہ چھتری خاص - بساڑی ہرودنہ
 جھانسی - کیلٹ - میرہ - اکھنڈین کوٹیلہاں - دھڑا جھانگہ - بھنگو - نہہاڑی کلاں - پھونڈاڑ
 دھمن - کیمر - گنجی - گھامہ میر - نالیاں - ٹاٹیاں - فٹل - گھامہ - بارل - آہن کاٹھہ - جھنڈو لگہ
 انہاڑی - کیورہ - چھری - تھگہ - نرول - نگر - پریوٹ - نالوہ جٹا - نیریاں چوکیاں - قلعہ - تالادھاڑی
 نورسہ - پٹلیاں - سیلہ - برہم پورنم پٹلیاں - پاندی - چھچھن - دھار دھڑوہ - جھانیاہ
 پھمن پٹن موجودہ پٹن شیر خاں - ٹاٹیاں پھوٹ - عین لگہ - بیڑوں - جھڑی وغیرہ وغیرہ ٹوٹے گاؤں
 سدوزئی قبیلہ کی اکثریت آبادی پر مشتمل تھے۔ اور اگلان میں ذیلی دیہات کو بھی شامل کر دیا جانے
 تو ان کی تعداد تقریباً چوٹی ہو جاتی ہے۔ مگر حالات شاہد ہیں کہ ان مراکز میں اکا دکا تجارت بھی مسلمانوں کے
 ہاتھ سے نہ تھی اور اگر کہیں کوئی ٹوٹا پھوٹا مسلمان تاجر تھا بھی تو وہ ہندوہ جنوں کا دست بخدا مقرر تھا
 ہندو تاجروں نے تحصیل سدھوتی پر اس انداز سے تجارت شروع کر رکھی تھی کہ ہر سال مسلمانوں
 کا تمام غلہ بٹو کرے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تحصیل سدھوتی میں نسوار اور تمبرا کو کاروان بھی
 پہلے پہل ہندو سود خوروں نے ہی عام کیا تھا تاکہ مسلمانوں کو اس یعنی نشہ کا عادی بنا کر ان سے
 غلہ اکٹھا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے حضور کے مشہور سود خور تحصیل سدھوتی میں داخل
 ہوئے اور انہوں نے نہایت عیاری و بدعاشی سے مسلمانوں میں نسوار کا رواج عام کر دیا اور
 یہاں کے مسلمان اس دبا کے شکار ہو گئے۔

اگر حالات کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ پیداوار کے لحاظ سے تحصیل سدھوتی کا بیشتر رقبہ
 ناقص ہے اس کا سبب علاقہ تو تقریباً بالکل ہی بے کاس ہے جہاں کے عوام کو دو عہد کا غلہ بھی مشکل
 جوتل ہے۔ بالائی حصہ کی ارضیات نسبتاً زرخیز ہیں لیکن اس زرخیزی اور پیداوار کا تمام تر
 مفاد اس دور میں ہندو تاجروں کے ہاتھ میں تھا اور یہاں کے دیہہ اور بادشاہ کی شہادت کے

نوجوان پنجاب کے مختلف مشہوروں میں محنت مزدوری کرنے چلے جایا کرتے تھے اور جب وہ واپس
 آتے تو ان کی کچھ بچ بچ نواریاں ست پڑھ کر کھڑے ہوتے تھے اور باقی جو کچھ بچتا تھا خرمن
 سود خوروں کی نذر ہو جاتا۔

۱۸۳۲ء کے قیامت خیز دور سے لے کر ۱۸۹۹ء تک سدوزئی قبیلہ کی نشاۃ ثانیہ
 اقتصادی اور تجارتی زبوں حالی کا شکار ہے۔ اس طویل دور پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے
 کہ ڈوگہ محنت نے ان کو زندہ و دگر کر کے رکھ دیا تھا۔

اس میں تنگ نہیں کہ یہاں کے پوٹھوئیں بسنے والے تمام دھڑوں میں بھی مصائب و آلام کا
 شکار تھے اور پوٹھوئیں چاروں تحصیلوں ہندو - جوتی - بانہ اور سدھوتی پر ڈوگہ حکام و سرکار
 کا عتاب یکساں نازل ہوا تھا مگر بالخصوص سدھوتی قبیلہ کو اس لئے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا
 کہ ان کی یہ قبیلہ پھر تھی جو کہ ڈوگہ سرکار کے خلاف بغاوت کا پوٹھوئیں لہرائے اور اپنا گھوڑا اور
 حاصل کرنے کے لئے پھر میدان جنگ میں اتر آئے۔ ۱۸۳۲ء میں جب پوٹھوئیں کا پورا علاقہ راجہ ہر سنگھ
 کی جاگیر قرار پایا تھا تو راجہ گلاب سنگھ نے بذات خود اس ملک پر تسلط جانے کے لئے سدوزئی قبیلہ
 پر لشکر کشی کی تھی ۱۸۳۶ء میں جب گلاب سنگھ نے انگریزوں سے مل کر کشمیر کا سودا بھی کر لیا
 تو پوٹھوئیں کا علاقہ کشمیر کے ساتھ منسلک رکھا گیا اور یہاں کی انتظامیہ میں سدوزئی قبیلہ کے کسی فرد
 کو شامل نہیں کیا گیا۔ راجہ گلاب سنگھ نے ایک اقرار نامہ کی رو سے راجہ موتی سنگھ کو پوٹھوئیں کا
 راجہ تسلیم کر لیا اور اسے پوٹھوئیں کے مرکزی مقام پر سکونت رکھنے کی ہدایت کی تاکہ یہ اپنی ریاست کا
 انتظام و انصرام خود کر سکے ۱۸۳۹ء کی راجہ موتی سنگھ نے پوٹھوئیں حکومت کی مگر اس
 دوران بھی پوٹھوئیں کے سرکاری مشینری میں سدوزئی قبیلہ کے افراد کو بہت کم شامل کیا گیا۔ ۱۸۴۵ء کی
 میں جب موتی سنگھ گیارہ سال کی عمر میں گلاب سنگھ نے ان کی حکومت سنبھالی مگر راجہ گلاب سنگھ نے
 بھی ریاست پوٹھوئیں کے مقامی مسلمانوں بالخصوص سدھوتی قبیلہ سے کسی فرد کو کوئی معقول عہدہ نہ دیا۔
 ان حالات سے صاف ظاہر ہے کہ ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود ڈوگہ خاندان سدھوتی قبیلہ
 سے خود فرد اور چکر نہا تھا اور ڈوگہ خاندان کے راجاؤں کو رات دن بہ فکر دامن گیر

رہتی تھی کسی طرح پونچھ کے مقتدر قبائل بالخصوص سدوزئی دوبارہ متحدہ نہ ہو جائیں۔

بہاراج گلاب سنگھ نے اپنے زمانے میں پونچھ کا اقتدار اعلیٰ جوں کے چند ڈوگڑوں کو دے رکھا تھا اور ان ہی کی موابید سے دوسرے تمام سرکاری محکموں کی اساسیاں چڑکی جاتی تھیں۔ گلاب سنگھ کے بعد موتی سنگھ نے بھی یہی طریق کار اختیار کئے رکھا بلکہ موتی سنگھ کے زمانے میں پنجاب سے کئی اور سو خردمند تاجر پونچھ آئے اور انہوں نے تمام مرکزی مقامات پر سود کا کاروبار شروع کر دیا تھا تاکہ یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی تیار کی جاسکے اور غلبہ ہو جائے۔

موتی سنگھ کے بعد جب بلدیو سنگھ حکمران ہوا تو اس نے علاوہ اور ستم رایتوں کے ایک یہ بھی کرنے کی کوشش کی کہ پونچھ کے تمام مسلمانوں کو راضیات کے مالکانہ حقوق سے محروم کر کے انہیں صرف ڈوگرہ سرکار کا کاشتکار کر رکھا جائے۔ راجہ بلدیو سنگھ کے عہد ۱۸۹۹ء میں راجہ پرتاپ سنگھ کشمیر میں راضیات کا بندوبست کر لیا تھا اور اس نے ایک ماہر انگریز سربراہ رانس کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں جس نے بعد میں دی آف کشمیر کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ راجہ بلدیو سنگھ نے بھی پرتاپ سنگھ کی دیکھا دیکھی ریاست پونچھ کی مزدور راضیات کا بندوبست شروع کر لیا اور اس کام کے لئے نہ صرف بندوبست کا علم برقی کیا بلکہ راضیات کے ماہر انگریزوں کی بھی خدمات حاصل کیں۔

راجہ بلدیو سنگھ نے سب سے پہلے ریاست پونچھ کی الگ عہد بندی کرانی تاکہ اس علاقہ کی باقاعدہ الگ سرحدیں قائم کی جائیں۔ اس بارے میں مولوی میر عالم خان اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ جب بلدیو سنگھ نے ریاست پونچھ کو کشمیر سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا تو حکومت ہند کی طرف سے ایک انگریز نائنٹھ گڈنٹ نامی آیا جس نے عوام ریاست پونچھ سے چند سرکردہ افراد کو اپنے پاس بلایا تاکہ ان کی موجودگی میں ریاست کی باقاعدہ عہد بندی کی جائے۔ جب وزیر پونچھ دیو سنگھ نے فیصلہ پایا تو سرنوتی کے سرداروں کا وفد بلایا تو اس میں سردار بہادر علی خان سنگھ کھرک، انجیل خان سنگھ ٹائیں اور فضل خان ڈھونڈ سنگھ جیانی شامل ہوئے اور ان سرداروں کی موجودگی میں انگریز نائنٹھ نے ریاست پونچھ کو کشمیر سے الگ کیا۔ اور اس کے بعد تحصیل، ہنڈراد اور جلی میں بندوبست کے عمل نے اپنا کام شروع کر دیا جو دو سال تک جاری رہا۔

تحریک حقوق ملکیت کے ضمن میں پوری تفصیل اس کتاب میں لکھی ہے جب ڈوگرہ راجہ بلدیو سنگھ

کی اس پالیسی کا علم سدوزئی قبیلہ کے سرداروں کو ہوا تو سب سے پہلے جس بہادر مجاہد نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کیا وہ سدوزئی قبیلہ کا مایا ناز فرزند سردار بہادر علی خان تھا جو کھرک کا رہنے والا تھا سردار بہادر علی خان نے ڈوگرہ راجہ بلدیو سنگھ کی پالیسی کے خلاف یہ مؤقف اختیار کیا کہ راضیات کاشتکاروں کی اپنی ملکیت ہیں۔ ڈوگرہ راجہ عزت نگان وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ڈوگرہ ان کا راس بات پر متعصب تھے کہ پونچھ کی تمام راضیات مزدور و غیر مزدور کا مالک ڈوگرہ راجہ بلدیو سنگھ ہے اور بندوبست راضیات اس کی منشا کے مطابق ہوگا۔

اس تنازعہ نے جب نازک صورت اختیار کی تو سردار بہادر علی خان نے اپنے قبیلہ سدوزئی کے معززین کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ ڈوگرہ سکوار کی اس جارحانہ پالیسی کے خلاف کوئی مضبوط قدم اٹھایا جاسکے۔ اس وقت ریاست پونچھ کی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ ڈوگرہ سرکار کے خلاف ایک لفظ ادا کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ سارے ملک میں جہاں اور افلاس کا دور دورہ تھا اور ریاست پونچھ کے تمام لوگ اس قدر زبون حال اور بے پناہ تھے کہ تحفیل کا ایک ادنیٰ چڑیا اگر پورے گاؤں کے افراد کو ایک ہی رسی سے باندھ کر بیکار پڑے جائے تو کوئی شخص انکار نہ کر سکتا تھا ڈوگرہ مشینری میں کام کرنے والے تمام ہندو تھے اور وہ معمولی معمولی جرم پر مسافروں کو سخت سے سخت سزا دیتے تھے۔ ملک کی معیشت، سیاست اور تجارت پر کھینچا ڈوگروں اور پنجاب سے منصوبہ کے تحت بلائے گئے ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ ان حالات میں ڈوگرہ سرکار کے خلاف کسی قسم کی کانفرنس بلا ناگیا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر سردار بہادر علی خان نے ان تمام باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ڈوگرہ سامراج کو ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جب اپنی ہلاوری کے سرکردہ لوگ بلائے اور انہیں ڈوگرہ راجہ بلدیو سنگھ کے سزا میں لگا دیا تو ہر فرد دھڑلے سے سردار بہادر علی خان کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا۔

اپنے قبیلہ سدوزئی سے ملحق ہو کر سردار بہادر علی خان نے تحصیل بانہ کے قبائل مندرال، سہید، نامہ، دھونڈ، تیرہال، جوتیل، کھکھ، منہا سس، گھگر، دغیرہ کے سرکردہ افراد سے مشورہ کیا سردار بہادر علی خان کی سرگرمی کو کچھ تردد سے قبائل کے بعض سرکردہ لوگوں نے بھی اس تحریک میں شامل ہونے کا وعدہ کیا۔ مگر زیادہ تر سدوزئی قبیلہ ہی اس تحریک میں شامل تھا کیونکہ حقوق ملکیت کی

تحریک کی بنیاد ہی اس قبیلہ کے ایک غیور سپہ سالار نے رکھی تھی۔ مولوی میر محمد عالم خان نے اپنی کتاب میں سدوزی قبیلہ کے اُن نمایاں سرداروں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے گاؤں دار سردار بہادر علی خان کے ساتھ اس مجاہدانہ تحریک میں حصہ لینے کا اعلان کیا تھا۔ مولوی میر محمد عالم خان کی روایت کے مطابق مندرجہ ذیل سردار اس تحریک کے روح رواں تھے۔

نائب سے سردار تحمیل خان۔ سردار احمد خان۔ سردار سلطان خان۔ سردار فرمان علی خان۔ سردار مختار خان۔ سردار حیدر خان۔ سردار مصباح خان اور سردار نواب خان وغیرہ۔

نڑ سے سردار سجاد خان۔ سردار بہاول خان۔ سردار حیدر خان۔ سردار ناصر خان۔

تھڑ سے سردار زعلی خان۔ سردار امیر علی خان۔ سردار کالو خان اول۔ سردار کالو خان دوم

سنگ سے سردار خان محمد خان۔ سردار فیض خان۔ سردار درود خان وغیرہ

دھنگڑوں سے سردار پنجم خان وغیرہ

راڑ سے سردار فتح خان۔ سردار طالع خان اور مولوی رستم علی خان۔

رام پتن سے سردار پنجم خان۔ سردار بڑی دی خان۔ سردار باقر خان اور سردار رحمت علی خان وغیرہ

ہرنہ میرہ سے سردار سید خان۔ سردار محمد عالم خان۔ سردار عالم شیر خان۔ سردار مددی خان

سردار شہر خان۔ سردار گنیا خان۔ سردار محبت خان۔ سردار محمد خان۔ سردار رستم علی خان اور سردار

دیوان علی خان۔

پاچھوٹ سے سردار خان محمد خان۔ سردار علی خان۔ سردار شیر دل خان۔ سردار سید خان۔

سردار محمد بخش خان۔ اور سردار شہر علی خان وغیرہ۔

گھگرک سے سردار محبت خان۔ سردار محمد سید خان۔ سردار بیات بخش خان۔ سردار بہادر

خان۔ سردار نواب خان۔ سردار بوڑھا خان۔ سردار بہا خان۔ سردار سنگر خان۔ سردار رستم خان۔

سردار بلوچ خان۔ سردار رحمت علی خان۔ سردار محمد قاسم خان۔ سردار حسن علی خان۔ سردار یحییٰ خان

سردار فتح شیر خان۔ سردار عمران خان۔ سردار بلوچ علی خان۔ سردار زبیر خان۔ سردار محمد شیر خان۔

سردار دست خان۔ سردار رحمت علی خان ثانی۔ سردار زولفی خان۔ سردار ولی خان۔ سردار شیر علی خان

پوٹھی ماگوالہ سے سردار دست خان۔ سردار محمد عالم خان۔ سردار کالو خان اور محمد خان وغیرہ۔

ٹوپی سے سردار شاہ ولی خان۔ سردار عمران خان اور سردار حیدر خان۔

سون سے سردار ملا خان۔ سردار سنگر خان وغیرہ

مٹیال میرہ سے سردار محمد شیر خان۔ سردار محمد سید خان اور سردار عالم شیر خان وغیرہ۔

تھڑ سے سردار نواب خان۔ سردار شیر خان۔ سردار افضل خان اور سردار مصباح دین وغیرہ

راڈ کوٹ سے سردار منیر علی خان۔ سردار محمد شیر خان۔ سردار شیر خان۔ سردار عطا محمد خان

سردار کالو خان۔ سردار ناصر علی خان۔ سردار ملک خان۔ سردار ملا خان۔ سردار علی گوہر

خان اور سردار کالو خان۔

دھنی سے سردار موہتا خان۔ سردار نیکا خان اور سردار ملا خان وغیرہ۔

بن جوہر سے سردار مدافان۔ سردار کالو خان اور سردار رستم خان وغیرہ

کانا کوٹ سے اشرف علی خان وغیرہ۔

دریک سے سردار بلوچ خان۔ سردار شادمان خان اور سردار کالو خان وغیرہ

دھار دھرج سے سردار بہنڈا خان۔ سردار قائم علی خان۔ سردار زار علی خان وغیرہ

جھنڈا بجک سے سردار فخر بخش علی خان۔ سردار رحمت علی خان وغیرہ

بارل سے سردار فتح محمد خان۔ سردار اقبال خان۔ سردار برسان علی خان وغیرہ

کھالہ سے سردار فتح محمد خان وغیرہ

ٹاہیاں سے سردار قائم محمد خان وغیرہ

سپر سے سردار عطا محمد خان اور نواب خان وغیرہ۔

متنہ بالا افراد کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ایسے تھے جنہوں نے دیر درہ سردار بہادر علی

خان سے پورا پورا تعاون کرتے کا وعدہ کیا۔ مولوی میر محمد عالم خان لکھتے ہیں کہ ان دنوں سردار بنانا خان

سکھ گورو پنڈی اور عمری میں وسیع پیمانہ پر پکارتے ہوئے تھے اور پورے سدوزی قبیلہ میں

تمہیل تصور رکھتے جاتے تھے۔ انہوں نے سردار بہادر علی خان کی اس تحریک میں نہ صرف بڑے چڑھ کر

حصہ لینے کا وعدہ کیا بلکہ تحریک کے تمام معارف بھی اپنے ذمہ لے لے۔ اس کے علاوہ سردار بہادر

علی خان کے اپنے لکھے چھ بھائی سردار گوہر علی خان۔ سردار ناصر علی خان۔ سردار کالو خان۔

سردار نیاز بخش علی خان - سردار میر علی خان اور سردار محمد سید خان سردار بہادر علی خان کے خصوصی معاون تھے اور ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔

سردار بہادر علی خان نے اپنی پوری سددوزئی بلاری کا تعداد حاصل کرنے کے بعد جوہی راجہ بلدیو سنگھ کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا تو پونچھ کی تمام ڈگریڈ فینری حرکت میں آگئی اور ڈگریہ راجہ نے سردار بہادر علی خان کے خلاف اندری اندر سازشوں کے جال بچھا دیئے تاکہ انہیں کسی طرح مرعوب کیا جاسکے۔ ڈگریہ سرکار نے اس علاقہ سے چند آدمیوں کو اپنا حامی و معاون بنانے کی کوشش کی تاکہ اس تحریک کو نقصان پہنچایا جائے مگر تزاروں کی تعدادیں بڑھ کر اور دوسرے مختلف قبائل کے لوگ سردار بہادر علی خان کے معاون تھے یہی وجہ تھی کہ سردار بہادر علی خان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور وہ سددوزئی قبیلہ کے چند معززین کا ایک وفد کے کہ پیپرینڈیٹ کشمیر کے پاس گئے تاکہ اس کے ذریعہ راجہ بلدیو سنگھ سے مطالبہ تسلیم کر لیا جائے۔ سردار بہادر علی خان نے ریڈیٹ کشمیر کو حضور تعالیٰ سے آگاہ کیا۔ مگر ریڈیٹ کشمیر نے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ مایوس ہو کر سردار بہادر علی خان وفد کے کمرسید سے کوہری ڈپٹی کمشنر راپنڈی کے پاس چلے گئے جب راجہ بلدیو سنگھ کے طرز عمل کے خلاف ڈپٹی کمشنر راپنڈی کے سامنے وفد پیش ہوا تو تمام سرداروں نے متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ راجہ پونچھ زمین کا عرف مالیدہ مل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو یہ حق ہرگز نہیں کراواضیات کے حقوق کا مالک نہ ہی وہ اپنے پاس رکھے اور ریاستی مسلمان اس سے کاش شکایت نہ ہوں۔

سردار بہادر علی خان نے بے حد کوشش کی کہ راجہ بلدیو سنگھ اراضیات کے معاملہ میں معقول رویہ اختیار کرتے ہوئے ریاستی مسلمانوں کے مالکانہ حقوق تسلیم کر لے مگر کسی قسم کی معاہدہ نہ ہوئی۔ راجہ بلدیو سنگھ سردار بہادر علی خان کو گرفتار بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ آگ اور خون سے کھیلنے والے اس بہادر قبیلہ کی گذشتہ روایات سے آگاہ تھا۔ اسے علم تھا کہ اگر سردار بہادر علی خان ایران کے چند سرگرم ساقیوں پر ماتھے ڈالا گیا تو سب سے پہلے لاکھوں کی تعداد میں سددوزئی قبیلہ کے لوگ بغاوت کریں گے اور جہان کی حمایت میں ریاست پونچھ کے دیگر قبائل بھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس طرح ڈگریہ کا تختہ ہی اٹ جائے گا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے

اپنے خصوصی شیرازن ہری پرست دیشن نچ - میان فیروزالین - راجہ کمزور سنگھ اور ایک سہوین سردار نادر خان کو یہ کہہ کر سردار بہادر علی خان کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے مجبورہ ڈاپے سے ڈیڑھ دو چائیں تو انہیں پچھ گاؤں تحصیل سہوینی سے بطور جاگیر عطا کر دیئے جائیں گے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سردار بہادر علی خان کو یہ پیشکش بھی گئی تھی کہ اگر وہ حقوق ملکیت کا مطالبہ ترک کر دیں تو ان کے ایک بھائی کو ریاستی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدہ پر مقرر کر دیا جائے گا مگر سردار بہادر علی خان نے راجہ پونچھ کی تمام پیش کشیں مسترد کر دیں اور وہ اپنے ساتھ سردار محمد اسماعیل خان سکنہ ٹاٹیں - سردار محمد سید خان سکنہ کھڑک - سردار محمد زمان خان سکنہ رٹاڑہ اور سردار فتح خان سکنہ رٹاڑہ کو لے کر لاہور چلے گئے اور وہاں پوٹن نامی ایک انگریز ڈپٹی کے ذریعہ راجہ بلدیو سنگھ کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔

سددوزئی قبیلہ پونچھ کو اس لحاظ سے یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس قبیلہ کے ایک بہادر اور باہمت سردار نے اپنے حکمران کے جاہانہ عزائم کے خلاف ہائی کورٹ میں دعویٰ دائر کیا اگر انہیں یہ کہہ کر تحریک خاطر خواہ انداز میں آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ جب سردار بہادر علی خان لاہور سے اپنے گھر روانہ ہوئے تو راستہ میں اچانک اہل کے قریب جو راپنڈی کے درمیان واقع ہے غارت پانگے۔ ان کی وفات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ راجہ نے زہر دلوایا تھا۔

سردار بہادر علی خان کی اچانک وفات ایک قومی المیہ تھی کیونکہ تحصیل سہوین کا تمام مذہبی قبیلہ اور تحصیل بانگ کے دوسرے قبائل انہیں اپنا قائد تسلیم کر چکے تھے اور اب ان کے پاس سردار بہادر علی خان کا جانشین نہ تھا۔ اس وجہ سے تحصیل بانگ اور سہوین میں ہف مائٹم پچھ گئی۔ سردار بہادر علی خان کو ان کی وصیت کے مطابق موضع ٹاٹیں میں دفن کیا گیا تھا۔

سید امیر شاہ صاحب سکنہ ڈسری تحصیل ہڑی گول بندوبست سکنہ ۱۸۹۹ء میں بطور پٹاری ملازم ہوئے تھے وہ داماد حمید بقید حیات ہیں اور ان کے بالکل بڑی بیوی ہیں۔ شاہ صاحب کو سردار بہادر علی خان کی تحریک حقوق ملکیت کے بارے میں تمام باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے یہ کل کی باتیں ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سردار بہادر علی خان کے ساتھ ساتھ راجہ بلدیو سنگھ نے اپنے خاص آدمی لگا رکھے تھے اور انہیں نمبرداروں وغیرہ کالالچ دے کر یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ کسی طرح

سردار بہادر علی خان کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ان ہی لوگوں نے سردار بہادر علی خان کی جوتی میں نہر ڈال دیا تھا جس کے اثر سے سردار بہادر علی خان راولپنڈی کے قریب وفات پا گئے تھے۔ یہ ایسا شرمناک واقعہ ہے جس زمانے میں سردار بہادر علی خان نے ڈوگرہ راجہ بدایہ سنگھ کے خلاف یہ تحریک شروع کی تھی۔ تبھی مہنڈو اور جوتی کی اراضیات کا بندوبست کر چکے تھے اور ان اطراف کے مسلمانوں کو قطعاً یہ علم نہیں تھا کہ بندوبست کے دوران راجہ پرچہ نے اراضیات کے حقوق اپنے نام منتقل کر لئے ہیں۔ جب سردار بہادر علی خان نے آواز بلند کی تو تحصیل مہنڈو اور جوتی کے لوگوں کو بھی اس بات کا علم ہوا اور ان میں سے بھی بعض باشندوں نے سردار بہادر علی خان کے ساتھ تعاون کیا مگر جب سردار بہادر علی خان وفات پا گئے تو ڈوگرہ سرکار نے ان تمام لوگوں سے سخت انتقام لیا جو اس تحریک سے منسلک تھے۔

سید امیر شاہ صاحب بندوبست کی جوتی جاگتی اور بلوچی چالنی تاریخ میں ہے۔ وہ اکثر لکھتے ہیں کہ سردار بہادر علی خان کی تحریک سے پہلے ملک میں ڈوگرہوں کے خلاف بولنا خود کو طاقت میں ڈالنے کے مترادف تھا اور وہی وہ تحریک تھی جس نے ریاست پرچہ کے لوگوں میں جرات، مہاکی اور سیاسی شعور پیدا کیا تھا۔

شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ڈوگرہ راجہ نے اگرچہ سدوزئی قبیلہ کے کسی سردار پر ہاتھ نہیں ڈالا مگر جو نہی سردار بہادر علی خان نے رحلت کی دوسرے تمام قبائل کے وہ لوگ تعزیری سزائیں میں جکڑ لئے گئے جو اس طریقہ کار کے پٹیا گیا اور بعض کو جیل میں بھی رکھ دیا۔ لیکن ان تمام آلام و مصائب کے باوجود بعض اہمیت مسلمان ضعیف طور پر اس تحریک سے وابستہ رہے کیونکہ سردار بہادر علی خان کی وفات کے بعد ان کے چھ بھائیوں اور سردار مستان خان آف مہنگو اور بعض مسلمان سرداروں نے باقاعدہ طور پر تحریک کو جاری رکھا اور ان کی کوششوں سے ہی مقدر مزید ممانعت رہا جہاں راجہ کے دکھاؤ پیشیان جھگڑتے رہے۔ اور بالآخر راجہ کو مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنے پڑے۔

اس وقت کشمیر میں بہادر راجہ نے اپنے سنگھ کا جہد تھا۔ یہاں بھی سیاسی طور پر سکون طاری تھا اور کشمیر کے لوگ اپنی اپنی انسانی حقوق کے بارے میں جانتے بھی نہ تھے۔ سدوزئی قبیلہ

کے قابل فخر فرزند سردار بہادر علی خان کی اس تحریک کے مختلف پہلوؤں پر نگاہ ڈالتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تحریک ایک طرف تو سدوزئی قبیلہ کی نشاۃ ثانیہ کی حیثیت رکھتی ہے مگر دوسری طرف کشمیر کی جہد جہاد آزادی میں بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس تحریک کے بعد ریاست جوں و کشمیر کے مسلمانوں نے اپنے انسانی حقوق کے لئے بولنا سیکھا اور اس تحریک نے ملک میں سیاسی بیداری کی لہر پیدا کی۔ ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۱۲ء تک کے درمیانی وقفہ میں سدوزئی قبیلہ نے پھر کسی قسم کی تحریک نہیں شروع کی اور نہ ہی اس دور کے سرکردہ حضرات کی سیاسی، معاشی، اقتصادی اور تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو اس قبیلہ کے نوجوان کثرت سے برطانوی فوج میں جانے شروع ہوئے اور یہیں سے اس بنگلہ اور بہادر قبیلہ کے فطری جوہر آشکارا ہوتے گئے۔ اس دوران سدوزئی قبیلہ کی جس واجب الاعزاز اور مدبر شخصیت نے قبیلہ کی رہنمائی کی وہ خلیفہ صاحب مرحوم تھے جنہیں پونچھ میں بللہ قوم کے نام سے پکارا جاتے ہیں۔ سردار خان محمد خان ۱۸۹۸ء میں برطانوی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ تعلیم یافتہ اور پیرزادہ جنہوں نے وہ سب آپ ترقی کرتے گئے۔ یہاں تک ۱۹۱۲ء میں آپ صوبیدار ہو گئے۔ اس دوران جب جنگ شروع ہوئی تو سردار خان محمد خان نے اپنے قبیلہ کے نوجوانوں کو برطانوی فوج میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔ سرزمین پونچھ کی زبانوں والی۔ اخلاص اور پساندگی کے درجہ نماظر سردار خان محمد خان کی آنکھوں کے سامنے تھے انہیں اس بات کا علم تھا کہ ان کا علاقہ معاشی اور زرعی لحاظ سے بہت پساندہ ہے۔ ملک کی تباہی پر ہندو دہا جن قابض ہیں اور ان کے قبیلہ کے نوجوان پنجاب ہندوستان میں مسمیٰ مسمیٰ قسم کی مزدوری کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ سردار خان محمد خان بلایا قوم کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ ان کے قبیلہ کے نوجوان فطری طور پر دیہات اور بہادر ہیں اور ان میں پساندہ جوہر ہے۔ ان کو برطانوی فوج میں جانے کے مواقع میسر ہوں تو یہ نہ صرف اپنے اخلاص اور ملک سخی کو دور کر سکتے ہیں بلکہ ملک میں ڈوگرہ سرکار کی بیگ سے بھی نجات حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں پونچھ کے مسلمانوں کو ڈوگرہ سرکار کی بیگ سے بچھڑ کر ان کی طرح بانا جاتا تھا۔ سردار خان محمد خان کے دل میں ملک و قوم کی ترقی کے لئے ایک بھی گھٹن اور توبہ موجود تھی۔ انہیں اس بات کا

علم تھا کہ اگر ان کے قبیلہ کے لوجان برطانوی فوج میں کثرت سے بھرتی ہو جائیں تو انہیں بہت سی بہتیاں
میں آجائیں گی جو دوسرے ذرائع سے ناممکن ہیں۔

سردار خان محمد خان نے جب اپنے قبیلہ کے لوجانوں کو فروغ میں جانے کی ترغیب دی تو وہ جوق
درجہ فوج میں بھرتی ہونے لگے یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء کی جنگ میں سدوزئی قبیلہ کے بہادر سپوتوں
کی تعداد ۳۶ ہزار تک پہنچ گئی اور ایک بالکل ناکام ریاست کا راجہ جویا کے معمولی جاگیردار کے رتبے
زیادہ نہ تھا برطانوی سرکار میں بے حد عزت تصور کیا جاتے دکا۔ بے سدوزئی قبیلہ کے جوانوں کی بہادری
اور سپاہیانہ عظمت کا نتیجہ تھا کہ راجہ پوتھوہار پورسٹنگھ کو نہ صرف بھوکا عہدہ عطا ہوا بلکہ برطانوی راجہ
میں اس کے لئے ۹ توپوں کی سلامتی بھی مقرر کی گئی۔ پہلی جنگ عظیم میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے سردار
خان محمد خان صوبیداری کے عہدہ تک پہنچے تھے۔ اُس زمانے کے صوبیدار کی حیثیت بڑی باوقار
اور باعزت تھی۔ جس گاؤں کا کوئی بہادر فرد صوبیداری کے عہدہ تک ترقی کرتا تھا دوسرے تمام
دیہات کے لوگ اس پر رشک کرتے تھے اور وہ گاؤں ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا۔

صوبیدار خان محمد خان جب رخصت ہو گئے اپنے پورے علاقہ کا دورہ کر کے لوگوں کے دکھ اور
تکالیف معلوم کرتے اور تمام جوانوں کو فوجی ملازمت اختیار کرنے کی ہدایت کرتے تاکہ ان کی معاشی
حالت سدھر سکے۔ اس وقت ملک میں نسواریا استعمال عام تھا اور یہاں کے تمام مرکزی مقامات
پر حضرت وادریہ کے دیگر اضلاع کے ہندوؤں نے نسواریا کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ مسلمان ہندوؤں
نے نسواریا دار لیا کرتے تھے اور جب مسلمانوں کی فصل مکئی وغیرہ تیار ہوتی تھی تو ہندو دکاندار وہ اپنے
قرض میں بٹورے جایا کرتے تھے۔ سردار خان محمد خان کی نگاہ معاشی سے کے جزئیات پر تھی وہ دیکھتے
تھے کہ مسلمان ریاست کی معاشی و اقتصادی زبوں حالی کا اصل سبب یہ ہندو راجہ ہیں جو یہاں کے مسلمانوں کا
خون چوس رہے ہیں۔ ریاست پوتھوہار کے مسلمانوں کا تمام تر دار و مدار ارضیات کی کاشت اور پیداوار پر
پر ہے مگر اس پر ہندوؤں نے اس طرح اجارہ داری قائم کر رکھی ہے کہ وہ مسلمانوں کو سود و سود کے چکر
میں چسپاں کرنا علاوہ سنبھال لیتے ہیں اور مسلمان ان سے اپنا دیا ہوا جملہ دوبارہ سود پر لیتے ہیں۔

اس تباہی سے بچنے کے لئے سردار خان محمد خان نے ریاست پوتھوہار کے تمام مسلمانوں کو ہدایت
کی کہ وہ نسواریا کا استعمال ترک کر دیں اور ہندوؤں سے کسی قسم کا لین دین نہ کریں۔ سردار خان محمد خان

کی ان قیمتی باتوں پر ان کے اپنے قبیلہ کے لوگوں نے پوری ذمہ داری سے عمل کرنا شروع کر لیا جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ تحصیل سدوزئی کی معاشی حالت بتدریج سدھرنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ سردار خان محمد خان
یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ ان کے قبیلہ کے لوجان کثرت سے فوج میں بھرتی ہو جائیں تاکہ ان کے پاس
کڑا کی تشکیل ہو سکے ان کے اندر سونے جوئے بہادری کے جہر پیدا ہوں اور یہاں تک منظم و متضابطہ
ہو سکے۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی اور اس دوران سدوزئی قبیلہ کے
لوجان کثرت سے فوج میں بھرتی ہو کر ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ ۱۹۱۸ء میں جبکہ پہلی جنگ عظیم
کا خاتمہ ہوا تو فوراً ہی فرنیٹر کی جنگ شروع ہو گئی اور اس دوران بھی سدوزئی قبیلہ کے لوگ ہزاروں کی
تعداد میں برطانوی فوج میں شامل ہوتے رہے۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک جن بہادر فوجیوں نے
اپنی سپاہیانہ شجاعت اور فائدہ دیاات کے سبب برطانوی فوج میں قابل قدر مقام حاصل کیا
ان کی فہرست کافی طویل ہے البتہ جن خاص افراد کا ذکر فرنیٹر کی جنگ میں ہوا ہے ان کی کتاب تاریخ اقوام پنجاب
کے صفحہ ۷ پر کیا ہے ان کے نام، رینگ اور اعزازات ۱۹۳۶ء تک یعنی تاریخ اقوام پنجاب شائع ہونے
کے وقت تک جمع ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات نے بعد میں کافی ترقی کی ہے۔ فوج نے ان اعزازیات
افراد کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے۔

آئری کی کپٹن جعفر علی خان سکھ بھائیہ کو آئی۔ او۔ ایم کا خطاب ملا تھا حکومت برطانیہ
نے انہیں ساڑھے تین ہزار روپیہ راضی عطا کی اور حکومت پوتھوہار نے انہیں دو سو کھال سے زائد راضی
دی۔ انہیں بہادر کا خطاب بھی ملا۔ اور یہ برطانوی فوج سے سکھ دش ہونے کے بعد پلندری کی ترقی
محشریٹ بھی رہے تھے۔ سابق وٹھی کشر پوتھوہار اسید حسین خان اور میر نور حسین خان (مزاری)
انہی آئری کی کپٹن جعفر علی خان کے بیٹے ہیں۔

آئری کی لیفٹنٹ سردار برہان علی خان بہادر سکھ پلندری، یہ برطانوی فوج میں اپنی
بہادری و شجاعت کے باعث ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ انہیں آرڈر آف برٹش انڈیا کا خطاب
حاصل تھا۔ چھ سو روپے سالانہ جائگہ بھی برطانوی حکومت سے ملی تھی۔

جعفر علی محمد حسین خان۔ ریٹائرڈ کے رہنے والے تھے انہیں آئی۔ او۔ ایم کا خطاب ملا تھا۔
صوبیدار و جرنل فاضل خان بھارہ ڈاکٹر کے رہنے والے تھے انہیں نان بہادر کا خطاب حاصل ہوا۔

صوبیدار محمد سید محمد خان بھی رماڑہ کے رہنے والے تھے، انہیں خان بہادر کا خطاب ملا تھا، یہ کافی عرصہ تک دادلکوٹ میں آئری جبریل میں رہے، حکومت برطانیہ نے انہیں چارمربع زمینیں اراضی دی تھی۔ حکومت ڈوگرہ پونچھ کی طرف سے انہیں پانچ گھاؤں زمین ملی تھی جو ان کی پشتی جاگرتھی۔

صوبیدار سید محمد خان پندری کے رہنے والے تھے، انہیں بہادری کی وجہ سے خان بہادر کا خطاب آئی۔ ڈی کا اعزاز اور برطانوی حکومت کی طرف سے ایک مربع زمین ملی تھی، ڈوگرہ حکومت پونچھ نے بھی انہیں سولہ کمال زمین بطور انعام دی تھی۔

صوبیدار خان محمد خان بابائے قوم، پندر سکھ جے جمن کے رہنے والے تھے، انہیں طائی حکومت کی طرف سے احسن کارکردگی پر ایس۔ ایم اور آئی۔ ڈی کے اعزازات ملے تھے۔ برطانوی حکومت نے انہیں دومربع اراضی اور حکومت ڈوگرہ نے انہیں چھ گھاؤں اراضی دی تھی، سردار خان محمد خان بابائے قوم جو کثیر اعلیٰ کے رکن بھی رہے۔ ابتداء میں آپ سو پور ڈپنڈری کے سیکرٹری بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے ہی درحقیقت سردوزنی قبیلہ کو فوجی ترقی کی طرف گامزن کیا تھا ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں سینکڑوں مرتبہ آچکا ہے۔

صوبیدار شان خان، صوبیدار شان خان بھی پندری سکھ جے جمن کے رہنے والے تھے، انہیں خان بہادر کا خطاب ملا تھا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈومربع اراضی بھی ملی تھی، انہیں آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم کے اعزازات بھی ملے تھے۔

نائب صوبیدار سیف علی خان المعروف سہنوں خان۔ پہلی جنگ عظیم میں انہیں بھی جنگی انعام ملا تھا جو تین پشت تک جاری رہے گا۔

نائب صوبیدار جعفر علی خان دھار دھر چھ کے باشندے تھے، انہیں آئی و ایم اور سردار بہادر وغیرہ کے خطابات ملے تھے۔

نائب صوبیدار فتح حیدر خان بھی دھار دھر چھ کے باشندے تھے اور انہیں بھی آئی و ایم کا خطاب حاصل تھا۔

سردار تاج خان بھی دھار دھر چھ کے رہنے والے تھے اور انہیں بھی آئی و ایم کا خطاب

سردار متولی خان بادل، سکھ پندری کے رہنے والے تھے انہیں ۲۴۵ روپے سالانہ کی جگہ ملی تھی۔

مذکور بالا عہدیدان فاعل اعزازات کے مالک تھے اور انہوں نے بالکل غیر بگھڑوں سے اٹھ کر صرف اپنی ذاتی ایات کے سبب طائی فوج میں ماتب و اعزازات حاصل کئے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بہادر قبیلہ میں شجاعت اور بہادری کی فطری جوہر پشت در پشت چلے آ رہے ہیں اور ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے بارخانہ تسلط کے بعد ایک مہوئی مہر کے لئے اگرچہ یہ جوہر دب گئے تھے مگر سردار بہادر علی خان کی تحریک ترقی ملکیت کے بعد اس قبیلہ کے جوہر پھر آشکارا ہونے لگے تھے اور ان کی پیش سرور خان محمد خان نے جہاں کیا تھا یہاں گویا سونے پر سونا گر گیا تھا۔

فوج نے اپنی آیتاب کے صفحہ ۵۲، چند عام فوجی افمن کے نام بھی درج کئے ہیں جن میں سے بیشتر حضرات نے ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی تک بہت ترقی کی تھی، فوج کی فہرست کے مطابق نام مندرجہ ذیل ہیں۔

صوبیدار فرخ خان سکھ تالادڑی، یہ ۱۹۴۸ء میں کرنل بھی رہے ہیں اور انہوں نے ایک مجاہد پیش کی کمانڈ بھی کی تھی۔ صوبیدار محمد خان سکھ پٹھی ماگوالا، یہ بھی ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں

کرنل رہے ہیں۔ صوبیدار بہادر علی خان سکھ ہرنہ میر، انہوں نے بھی ترقی کی۔ صوبیدار حسین خان سکھ ہرنہ میر، انہوں نے ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں مجری تک ترقی کی نائب صوبیدار محمد نواز خان سکھ

منگ، نائب صوبیدار مصاحب خان سکھ منگ۔ نائب صوبیدار عبداللہ خان سکھ منگ۔ نائب صوبیدار سردار علی خان سکھ منگ۔ نائب صوبیدار غلام محمد خان سکھ بھاتیاہ۔ نائب صوبیدار فرماں علی خان

سکھ بھاتیاہ۔ نائب صوبیدار جیون خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار شیر محمد خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار خان محمد خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار شغاف علی خان سکھ دھار دھر چھ۔

نائب صوبیدار پاجری خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار محمد ارب خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار سیف علی خان سکھ بادل۔ نائب صوبیدار جلال خان سکھ دھار دھر چھ۔ نائب صوبیدار

فقیر خان سکھ سہر۔ نائب صوبیدار مری خان سکھ سہر۔ نائب صوبیدار شیر محمد خان سکھ کہار۔ نائب صوبیدار نجم خان سکھ چکیان۔ نائب صوبیدار دیوان علی خان سکھ کہار، نائب صوبیدار فرخ خان

سکھ تالادڑی۔ نائب صوبیدار محمد خان سکھ قلندران۔ نائب صوبیدار محمد عالم خان سکھ بساڑی

نائب صوبیدار دواخان مسکنہ رکڑ پورہ۔ نائب صوبیدار دواخان مسکنہ سہرگودہ۔ نائب صوبیدار قلم
محمد خان مسکنہ چمپاہٹی۔ نائب صوبیدار محمد خان مسکنہ تنھاگہ۔ نائب صوبیدار عبداللہ خان مسکنہ تنھاگہ۔
نائب صوبیدار پورستان خان مسکنہ چیمپن۔ نائب صوبیدار ولایت خان مسکنہ ہرنہ میر۔ نائب صوبیدار
شیر خان مسکنہ پلندری۔ نائب صوبیدار عبدالقادر خان مسکنہ پلندری۔ نائب صوبیدار اعلیٰ خان مسکنہ دھارم
نائب صوبیدار سربان علی خان مسکنہ چیمپن۔

منشی محمد رفیع فرق نے تاریخ اقلام پورچ ۱۹۳۸ء میں عرب کی قیاس سے اندازہ چوکا کہ نائب صوبیدار
موجود تھے اردو سری جنگ عظیم میں ان کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر کے ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔

سدوزی قبیلہ کی فوجی رتنی کا یہ پہلا مرحلہ تھا جو سنہ ۱۹۲۷ء سے شروع ہوا تھا۔ اس دوران اگرچہ سدوزی قبیلہ کے بہادر فرماؤں نے برطانوی فوج میں رہ کر شائد رتنی کی تھی اور سینکڑوں کی تعداد میں اعزازات و سلامیات - مرععات اولیاء مات حاصل کئے مگر اندرون ملک یعنی ریاست پونچھ میں ایسی کوئی تحریک نہ اٹھی تھی جس سے تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے اور بالآخر اس کا سہو بھی اسی قبیلہ کے مابین ناز و فرزند مشر خان محمد خان کے سر پر ہو گیا کہ برطانوی فوج سے خارج ہونے کے بعد جب انہوں نے اپنی اصلاحی تحریک کو عملی شکل دی تو انہوں نے اپنی توہم اس طرف مبذول کرنی کہ اب سدوزی قبیلہ کو تعلیمی اور دعاشی میدان میں آگے بڑھایا جائے اس وقت ریاست پونچھ میں صرف دو یا تین بانی سکول اور عدد دسے چند مکمل سکول تھے۔ غرار خان محمد خان نے برطانوی فوج میں ملازمت کے دوران کو کشش کی جی ٹی کان کے گاؤں پنڈری کے سکول کو مائی سکول کا درجہ دیا جلے چنا چپان ہی کی مساعی سے اس سکول کو ترقی دی گئی تھی۔ جب سرداران محفل اپنے گاؤں میں روپ لائے تو انہوں نے کو کشش کی کریاست پونچھ کے تمام مرکزی مقامات پر مائی سکول منظور کئے جا جن عروڑ و گڑگاڑا و سراجمی پونچھ کے مسلمانوں کو سپاہ دار نیم خوانہ رکھنے کی پاسپی پر کامزن تھی کیونکہ گڑگاڑا والوں تعلیم یافتہ عنصر پیدا ہو جاتا تو ان نیم خوانہ اور باخوانہ دو گروں و ہندوؤں کے لئے کوئی جگہ نہ تھی جو ریاست پونچھ کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے اور ریاست پونچھ کی تقریباً ۹۹ فی صد مسلمان آبادی کو بیچارگیوں کی ایک طرح سے سمیتھے تھے۔

سردار خان محمد خان نے ریاست پنجوہ کے کونے کونے میں اصلاحی تحریکیں جاری کر دیں اور ۱۹۳۷ء میں عوام پنجوہ کے انتخابات کی ایک طویل فہرست مرتب کر کے دہاک شیر کوٹیش کی کانگریس کے کامیابی کے اعتراف سے

درجہ پنجم کو درجہ دہم سے ملایا جائے کہ اس وقت سرور اغان محمد خان بابا نے قوم نے علوم پر پنجم کی جن بنیادیں رکھیں
 کو عیسوی کیا تھا اس کا تفسیلی درجہ اس کتاب کے دیگر مشتمل صفحات پر آچکا ہے یہاں صرف ان باتوں کا احاطہ
 مطلوب ہے جن پر سرور ذی قبیلہ کا مشہور اذہنی و معاشی ترقی کا تیسرا مرحلہ شروع کیا۔

سدرن ایجوکیشنل کانفرنس

سردار محمد خان محمد خان باغ کے قتل کے بعد
جس کا پہلے تاجا باچکا ہے سردار خان محمد خان باغ کے قتل کے بعد
مجلس اور انسان دوستی کے باعث ریاست پونچھ کے تمام قبائل
برہمنوں نے اس کے لئے اپنی عقیدت کو قوی کیا کہ اس کے لئے وقف کر دی گئی۔ سردار خان محمد خان نے جب
ریاست پونچھ کی تعلیمی پس ماندگی کا جائزہ لیا تو اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ ریاستی مسلمانوں کو تعلیمی میدان
میں آگے لانے کے لئے ایک مشترکہ عوامی ادارہ چونا چاہیے۔ سردار خان محمد خان دراصل ہندوستان میں
مسیحیت کی تعلیمی تحریک کے بے حد متاثر تھے اور اس بات سے خواہشمند تھے کہ نیا دہلی پریس سوسائٹی کے
ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے اور جن قواعد و ضوابط کے تحت انہوں نے
مڈل ایجوکیشنل کالج کراچی بنایا ہے اس پر پونچھ میں بھی ایک مسلم ایجوکیشنل کالج کراچی قائم کی
جائے جس کے ذریعہ چند کرسمس مسلمان طلباء کو اعلیٰ تعلیم دلائی جائے۔ سردار خان محمد خان محسوس کر رہے تھے
کہ مسلمان طلباء میں تعلیمی حوصلہ جو بڑے گھٹا ہے اس کو فروغ دینا اس کے لئے بہت کم ہیں اور اس وجہ
سے بعض ذہین طلباء کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک میں کوئی فہر زہدہ نہیں حاصل کر
سکتے۔ اس اہم ضرورت کے پیش نظر سردار خان محمد خان نے تعلیم باغ۔ ہند راج اور جونی کے سرکار و درہ لوگوں سے
سلسلہ مشاورت شروع کیا تاکہ ریاست پونچھ میں مسلم ایجوکیشنل کالج کی داغ بیل ڈالی جائے تاکہ انہیں دوسرے قبائل
کے سرداروں کی تعلیمی ماہیروں کی مدد سے سردار خان محمد خان نے مسلم ایجوکیشنل کالج کی بنیادی خاکہ دو لوگوں کے زیرِ مشورہ کرنے
کی کوشش کی اور اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی کہ مسلم ایجوکیشنل کالج کراچی کے قیام کے لئے ریاست
پونچھ کے تمام قبائل معاونت کریں، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، بعض پس ماندہ قبائل کے سرداروں میں ابھی یہ شعور
نہ تھا اور بعض جو شعور رکھتے تھے انہوں نے غالباً اس وجہ سے پہلو تہی شروع کر دی کہ شاید سردار خان محمد
خان ہمارے تعاون اور مدد سے چندہ کے ذریعہ اپنے قیام کے طلباء کو پڑھانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں
جب سردار خان محمد خان ہر طرف سے مایوس ہوئے تو انہوں نے اپنے قبیلہ سڈوڑی کے سردار درہ سے مشورہ کیا اور

لے یا اگر صرف سڈوزنی قبیلہ کی ایک ایسی ٹیم ہی انجن فاکٹری کے سامنے کھڑی ہو اس کاغز نس کے ذریعہ تمام سڈوزنی قبیلہ سے چند لیا جائے اور اس چندہ سے اُن طلباء کی مدد کی جائے جو بی ایس سی بی۔ اے۔ یا ایم اے میں ہیں اور ریاست سے باہر پنجاب (ہندوستان) کے شہروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس انجن کے قیام کے لئے سڈوزنی قبیلہ کے سرداروں نے باقاعدہ قلمد و خواب و مرتب کئے اور اس کا پہلا سالانہ اجلاس پوٹھی میر خان کے پیرجی میں ۱۳۳۹ء میں بلایا گیا جس کی صدارت چوہدری نیاز احمد خان چیت نچ پونچھ نے کی۔

سڈوزن کونسل کاغز نس کے پہلے سالانہ اجلاس کے بارے میں مولوی میر عالم خان ایسی کتاب کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں کہ پوٹھی میر خان کے وسیع جنگل میں ہفتہ عشرہ پہلے جلسہ کے لئے تیاریاں ہونے لگیں۔ خوبصورت شیخ بنا کر بیٹا لیا۔ گاؤں کاؤں سے جتوں کی صورت میں آنے والے حضرات کے لئے الگ الگ گاہیں بنائی گئیں۔ باجماعت ناز پھرنے کے لئے جگہ مقرر کی گئی۔ کھانے پینے کے لئے چوٹوں کا انتظام کیا گیا۔ لوگوں کے اژدام، شور و شغب اور جیل پہلے سے یہاں ایک بہت بڑے شہرہ سالگان چوتنا تھا۔ زمین دہلے جب باقاعدہ جلسہ کا آغاز ہوا تو شران کریم کی قیادت سے جلسہ کی کارروائی شروع کی گئی۔ جلسہ کی صدارت کے لئے چوہدری نیاز احمد صاحب پونچھ سے بلائے گئے تھے ان کے علاوہ دردور سے معزز بہانوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ تین دن تک جلسہ جاری رہا۔ جب سردار خان محمد خان نے چندہ کی اپیل کی تو حاضرین جلسہ نے دل کھول کر چندہ دیا اور ہزاروں روپے چندہ جمع ہو گیا۔

مولوی میر عالم خان نے سڈوزن کونسل کاغز نس کے پہلے سالانہ اجلاس کی کارروائی کافی تفصیل سے لکھی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس اجلاس میں سڈوزن قبیلہ کے علاوہ دوسرے قبائل کے اسکاہیں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد متواتر ۹ سال تک اس انجن کے سالانہ اجلاس دریک کے قریب عید گاہ کے میدان میں ہوتے رہے۔

مولوی صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے قبائل کے چیدہ چیدہ لوگ اس انجن کے جلسوں میں شرکت کو ضرور کرتے رہے لیکن اُن کی یہ شرکت برائے نام ہی رہی کیونکہ عملی طور پر قانون صرف سڈوزنی قبیلہ ہی کو تیار رہا۔ بہر حال سڈوزن کونسل کاغز نس کا قیام ایک انتہائی دانشانداز اقدام تھا کیونکہ اس کے مندرجہ ذیل ہمارا طلباء کی خاطر تھا۔ امداد کی جانے لگی اور سیکرٹریوں طلباء کو معقول وظائف دینے لگے جن میں غازی بیٹت سردار محمد بابا ہم جیسی شخصیتیں بھی تھیں۔

سڈوزن کونسل کاغز نس کے قیام سے سڈوزنی قبیلہ کو ایک دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس تنظیم کے ذریعہ سڈوزنی قبیلہ کی مضبوط مرکزیت قائم ہو گئی اور قبیلہ کو ایک معقول بیٹ فاکٹری مل گیا جہاں سے ہر گز وہ ہمیشہ بگڑی سیاسی جدوجہد کو بھی جاری رکھ سکتے تھے۔ سردار خان محمد خان نے اگرچہ سڈوزنی قبیلہ کی شیرازہ بندی کرنے کے لئے دوسرے مؤثر ذرائع بھی استعمال کئے تھے مگر جو مرحلہ سڈوزن کونسل کاغز نس نے اگلے دو سال میں طے کیا یہ شاید دوسرے ذرائع سے پچاس سال میں بھی طے نہ ہوتا۔ سڈوزن کونسل کاغز نس کی اس تنظیم کی بنیاد پر سڈوزنی قبیلہ کو دیگر گروہوں کا بھی بولکھلا اعلیٰ گلاس تنظیم کو متاثر کرنا دیگر حکام کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ ہمارے بالکل غیر سیاسی تنظیم تھی جو ملک کی آئندہ سیاست کے لئے عوامل و عناصر مرتب دے رہی تھی۔

۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک کا دورانی دور قحطی منوں میں سڈوزنی قبیلہ کے لئے ترقی کا دور تھا ۱۹۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو سڈوزنی قبیلہ کے فوجان پھر ایک مرتبہ پورے جوش و خروش کے ساتھ برطانوی فوج میں شامل ہونے لگے۔ جن جن جنگ کا پسلاؤ بڑھتا جاتا تھا قحطی بھر تھی کہ رتنا زخمی تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھی اور ریاست پونچھ کے دوسرے قبائل سے بھی فوجان برطانوی فوج میں داخل ہونے جا رہے تھے مگر جو رفتار سڈوزنی قبیلہ کی قحطی یہ حیران کن انداز میں تھی۔ ایک عام اندازہ کے مطابق جن دنوں دوسری جنگ عظیم اپنے نقطہ عروج پر پہنچی پونچھ کے سڈوزنی قبیلہ کی تعداد اس میں ساٹھ سو ستر ہزار تک جا چکی تھی اور تحصیل سمبھرتی کا کوئی گھرنہ بھی ایسا نہ تھا جس سے دو تین فوجان برطانوی فوج میں نہ ہوں، سڈوزنی قبیلہ کے بہادر اور جماعت چہرے فوجانوں نے برطانوی فوج میں وہ کمر ہار ماذہر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جو قحطی اس قبیلہ کے فوجان برطانوی فوج میں رہ کر بہت جلد ترقی کرتے تھے۔ یعنی فوجان برطانوی فوج میں براہ راست سپاہی بھرتی ہونے لگے مگر ترقی کی منازل طے کر کے کرنل کے عہدہ تک پہنچے۔ اگر اس قبیلہ کے جلالہاں نائب صوبیداروں، صوبیداروں اور انجیری انجمنوں کی فہرست مرتب کی جائے تو ہزاروں صفات بکھر جائیں گی۔ مختصر طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ بہادری جماعت اور جوان رے کے جوہر کسی جنگجو قبیلہ کا خاصہ ہے شروع سے ہی اس قبیلہ کے جوانوں میں موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس قبیلہ کے فوجان جوق در جوق برطانوی فوج میں شامل ہوئے اور ملک بہادر فوجانوں نے ۱۹۳۹ء میں اپنے وطن عزیز کی آزادی کے لئے جس لگن

طے یا ایک طرف سدوزی قبیلہ کی ایک ایسی جمعیۃ انجمن قائم کر دی جائے جس کا نام سمن ایجنٹیشن کانفرنس ہو، اس کانفرنس کے ذریعہ تمام سدوزی قبیلہ سے چندے لیا جائے اور اس چندہ سے ان طلباء کی مدد کی جائے جو بی ایس سی بی اے کے لئے یا انکم لے میں ہیں اور ریاست سے سب سے ہر پنجاب (ہندوستان) کے شہروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس انجمن کے قیام کے لئے سدوزی قبیلہ کے سرداروں نے باقاعدہ قراردادیں کر کے اور اس کا پہلا سالانہ اجلاس پوٹھی بیرخان کے قریب جنگ میں ۱۹۳۳ء میں بلایا گیا جس کی صدارت چوہدری نیاز احمد خان چیت نچ پونچھ نے کی۔

سمن ایجنٹیشن کانفرنس کے پہلے سالانہ اجلاس کے بارے میں مولوی میر عالم خان اپنی کتاب کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں کہ پوٹھی بیرخان کے قریب جنگ میں ہفتہ عشرہ پہلے جلسہ کے لئے تیاریاں ہونے لگیں۔ خوبصورت شیخ بنا کر بھیلا گیا۔ گاؤں گاؤں سے جتوں کی صورت میں آنے والے حضرات کے لئے الگ الگ گھریں بنائی گئیں۔ باجماعت نماز پڑھنے کے لئے عکرمہ ترقی کی گئی۔ کھانے پینے کے لئے چوٹوں کا انتظام کیا گیا۔ لوگوں کے اتردام، شور و شغب اور جھلپیل سے یہاں ایک بہت بڑے شہر کا لگنا جتنا تھا۔ عین دل بوجہ جب باقاعدہ جلسہ کا آغاز ہوا تو قرآن کریم کی تلاوت سے جلسہ کی کارروائی شروع کی گئی۔ جلسہ کی صدارت کے لئے چوہدری نیاز احمد صاحب پونچھ سے بلائے گئے تھے ان کے علاوہ در دور سے معزز بہانوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان دنوں تک جلسہ جاری رہا۔ جب سردار خان محمد خان نے چندہ کی اپیل کی تو حاضرین جلسہ نے دل کھول کر چندہ دیا اور ہزاروں روپے چندہ جمع ہو گیا۔

مولوی میر عالم خان نے سمن ایجنٹیشن کانفرنس کے پہلے سالانہ اجلاس کی کارروائی کافی تفصیل سے لکھی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس اجلاس میں سمن قبیلہ کے علاوہ دوسرے قبائل کے اسکاہین نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد رشتہ ۹ سال تک اس انجمن کے سالانہ اجلاس دریک کے قریب عید گاہ کے میدان میں ہوتے رہے۔

مولوی صاحب کی تحریک سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے قبائل کے چیدہ چیدہ لوگ اس انجمن کے جلسوں میں شرکت کو ضرور کرتے رہے لیکن ان کی یہ شرکت برائے نام ہی رہی کیونکہ علیٰ طورِ عقول صرف سدوزی قبیلہ ہی کنز رہا۔ بہر حال سمن ایجنٹیشن کانفرنس کا قیام ایک انتہائی ناخوشانہ اقدام تھا کیونکہ اس کے فائدے ہر نہاں طلباء کی خاطر خواہ امداد کی جانے لگی اور بدینہ دل طلباء کو معقول وظائف دیئے گئے جن میں غازی بیگم سردار محمد ابراہیم بیگم شخصیتیں بھی تھیں۔

سمن ایجنٹیشن کانفرنس کے قیام سے سدوزی قبیلہ کو ایک دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس تنظیم کے ذریعہ سدوزی قبیلہ کی مضبوط مرکزیت قائم ہو گئی اور قبیلہ کو ایک معقول پلیٹ فام مل گیا جہاں سے ہو کر وہ بحیثیت جمعیۃ سیاسی جدوجہد کو بھی جاری رکھ سکتے تھے۔ سردار خان محمد خان نے اگرچہ سدوزی قبیلہ کی شیرازہ بندی کرنے کے لئے دوسرے نوٹرز ذرائع بھی استعمال کئے تھے مگر جو مرحلہ سمن ایجنٹیشن کانفرنس نے آٹھ نو سال میں طے کیا یہ شاید دوسرے ذرائع سے پچاس سال میں بھی طے نہ ہوتا۔ سمن ایجنٹیشن کانفرنس کی اس عظیم الشان تعلیم و تہذیب کو دیکھ کر دگر دگر سرکاری اہلکار بھی ہلکا سا اٹھی گراں تسلیم ہوئے مگر نواز دگر حکام کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ بظاہر یہ بالکل غیر سیاسی تنظیم تھی جو ملک کی آئندہ سیاست کے لئے عوامل و عناصر تہ تیہ دے رہی تھی۔

سدوزی قبیلہ کا عروج

۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کا دہائی دور حقیقی معنوں میں سدوزی قبیلہ کے لئے ترقی کا دور تھا ۱۹۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو سدوزی قبیلہ کے فوجان پھر ایک مرتبہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ برطانوی فوج میں شامل ہونے لگے۔ جن جن جنگ کا پسلاؤ بڑھتا جاتا تھا فوجی بھرتی کی رفتار بھی تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھی اور ریاست پونچھ کے دوسرے قبائل سے بھی فوجان برطانوی فوج میں داخل ہونے جارہے تھے مگر جو رفتار سدوزی قبیلہ کی تھی یہ حیران کن انداز میں تھی۔ ایک عام اندازہ کے مطابق جن دنوں دوسری جنگ عظیم اپنے نقطہ عروج پر پہنچی پونچھ کے سدوزی قبیلہ کی تعداد اس میں ساٹھ سو تتر ہزار تک جا چکی تھی اور تحصیل سہوئی گاؤں گھرنی ایسا نہ تھا جس سے دو تین فوجان برطانوی فوج میں نہ ہوں، سدوزی قبیلہ کے بہادر اور شجاعت پیشہ فوجانوں نے برطانوی فوج میں رہ کر ہر مآز پر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا یہی وجہ تھی اس قبیلہ کے فوجان برطانوی فوج میں رہ کر بہت جلد ترقی کرتے تھے۔ بعض فوجان برطانوی فوج میں براہ راست سپاہی بھرتی ہوتے مگر ترقی کی منازل طے کر کے کرنل کے عہدہ تک پہنچے۔ اگر اس قبیلہ کے حوالدار نائب صوبیداروں، صوبیداروں اور انجیری انجمنوں کی فہرست مرتب کی جائے تو ہزاروں صفحات کا رہا ہوں گے۔ مختصر طور پر یہ کہنا چاہیے کہ بہادر شجاعت اور جوان روی کے جوہر کسی جنگی قبیلہ کا خاصہ ہے شجاعت سے ہی اس قبیلہ کے جوانوں میں موجود تھے یہی وجہ تھی کہ اس قبیلہ کے فوجان جوت درجوت برطانوی فوج میں شامل ہوئے اور بہادر فوجانوں نے ۱۹۴۶ء میں اپنے وطن عزیز کی آزادی کے لئے جس لگن

سردار علی حسین خان آف پوٹھی ماگوالاں - سردار عثمان خان - سردار محمد اسلم خان آف پورا
 مولانا بیگم - فخان ناظم دارالعلوم تعلیم القرآن پندری - مولانا محمد اسحق خان اور مولانا عبدالعزیز خان
 متذکرہ آزادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگر سمدین ایجوکیشنل کانفرنس کے معاونین و اراکین کے نام
 پورے گزرائے جائیں تو ان کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ ۱۹۶۲ء کے ایجنڈا میں ایجوکیشنل کانفرنس
 نے شاندار ترقی کی ہے اور موجودہ وقت اس تعلیم کے پاس نہ صرف ہزاروں روپے خرچ ہو رہے ہیں بلکہ ہر سال
 سینکڑوں طلباء کو ڈیپنڈنسی دیا جاتا ہے۔ سمدین ایجوکیشنل کانفرنس کی تعلیم کو بھی پوری سہولتیں فراہم کرنے
 میں پورے تعاون کیا ہے۔ گلاس کی تعلیم کو بھی اس حاج بیفٹ کرنل صدیق حسین خان، سردار مختار خان، سید
 غلام سید رفان اور ان کے ساتھیوں کی مالی جملہ قابل داد ہے۔ ۱۹۶۴ء سے پہلے سمدین کی قبیلہ کے
 نوجوانوں کا رجحان زیادہ تر فوج کی طرف ہوتا تھا۔ گریب زندگی کے ہر شعبہ میں اس قبیلہ کی نمائندگی موجود
 ہے۔ سمدین قبیلہ موجودہ وقت میں ایک فوجی قبیلہ ہونے کے باعث امتیازی خصوصیت رکھتا ہے لیکن
 حقیقت یہ ہے کہ اس قبیلہ نے تاریخ کے ہر دور میں نامور فرزند پیدا کئے ہیں۔ دورِ وسطی کے جن بہادر
 فرزندوں کے کارناموں سے ہماری تاریخ مالا مال ہے ان میں سردار علی خان، سبزی علی خان اور ان کے ساتھی
 خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کے زندہ ہیمن سے کھائیں اناری گئیں لیکن اس تشدد کے باوجود انہوں نے
 ڈوگرو غلامی پر موت کو ترجیح دی۔ دوسرے دور میں سردار بہادر علی خان جیسی بلند پایہ سرفروشی شخصیت
 نے حم لیا جس کی حکمرانوں کے در و بام فرما گئے۔ تیسرے دور میں بابائے قبیلہ سمدین جناب
 فاضل صاحب نے ملک کی قیادت سنبھالی اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ سمدین قبیلہ کی اذیتوں کو شیرازہ بندی
 کی بلکہ مسلمانانِ پنجاب کے لئے گراں قدر اصلاحی و تعلیمی خدمات سر انجام دیں۔ چوتھے دور میں غازی بٹ
 سردار محمد ابراہیم خان بیرسٹریٹ لاء سائنس کے جہوں نے نہ صرف کشمیر کی جنگ آزادی کا آغاز
 کر دیا بلکہ آزاد کشمیر کے بانی صدر ہونے کی حیثیت سے مسئلہ کشمیر کا قیام مقدمہ میں
 پیش کیا اور ۶۰ لاکھ فوجی مسلمانوں کے واحد نمائندہ ہونے کی حیثیت اخلاص مقدمہ میں نمائندگی کی۔
 سردار محمد ابراہیم خان نہ صرف سمدین قبیلہ کے مایہ ناز اور قابل فخر فرزند ہیں بلکہ کشمیر کی تاریخ میں
 ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں اور مسلمانانِ جوہ کشمیر کی واحد نمائندہ جماعت آل جموں و کشمیر
 مسلم کانفرنس کے صدر بھی ہیں۔ سمدین قبیلہ کے اس دور سے تعلق رکھنے والے جو شخصیات خاص

طور پر قابل ذکر ہیں ان میں سید جمال حسین خان - سردار عبدالرشید خان گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان
 سردار حبیب خان سابق چیف کنزرویٹر پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علمائے کرام میں
 مولانا محمد یوسف خان فاضل دیوبند ناظم دارالعلوم تعلیم القرآن پندری - مولانا عبدالعزیز خان
 فقور اڑوی - مولانا محمد اسحق خان استاد اہلحدیث پندری اور دیگر کئی علمائے کرام قابل ذکر ہیں
 ان قلم حضرات میں سردار محمد عبدالرشید خان ایم اے - ایل - بی ڈا اور دیگر اطلاعات و خبریات
 آزاد کشمیر - سردار مختار خان اور سردار اسحق خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سردار محمد عبدالرشید خان تحصیل سمدین کی ایک گاؤں علی سولہ کے رہنے والے ہیں
 آپ کی گراں قدر تعانیف کو پی یو یو آر سی کے تعاب میں شامل ہیں۔

قبیلہ ملیال (مغل)

پونچھ کا ملیال قبیلہ جو کہ خاندان مغلیہ ہی کی ایک شاخ ہے سرزمین پونچھ پر گزشتہ مئی سوسال سے ڈی دھار اور بلا تیار و علا آتا ہے اس خاندان کے عمر رسیدہ بزرگوں اور پرانے سرداروں کے پاس جو مصدقہ شجرے موجود ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر میں افغانوں اور سکھوں کے دور حکومت میں بھی اس قبیلہ کے خاندان سردار تحصیل باغ کے حصہ شرقی اور تحصیل حوی کے ایک بہت بڑے حصہ پر نود و نغز رہے ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے باقاعدہ عدالتیں قائم کر رکھی تھیں جنہیں اس زمانے میں کوٹ اور ڈولیاں کہا جاتا تھا، اس قسم کے کوٹوں یعنی قلعہ تمامانات اور ڈپٹیوں کے آثار ملیال قبیلہ کے اکثر شرقی دیہات میں اب تک موجود ہیں جو قبیلہ ملیال کے شاندار ماضی کا دہرہ ثبوت ہیں، ملیال قبیلہ کی بعض خصوصیات سے اس بات کا پتہ یقیناً ہو جاتا ہے کہ اس قبیلہ کے افراد ماضی قریب میں ماضی القادس کے مالک رہے ہیں۔ ان کی تہاں نوری فراخ دلی اور کشادہ دلی سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مغلیہ خاندان کے خواص ان کا دوشہ رہے ہیں اور یہ لوگ گزشتہ زمانے میں اپنے اپنے علاقوں پر حکمران رہے ہیں۔

ملیال قبیلہ کے بارے میں جو حالات دستیاب ہوئے ہیں ان کے مطابق اس قبیلہ کا موطن اصلی مرزاہو لو بگ مغلیہ خاندان کا ایک باقدار سردار تھا اور عبد جہانگیری میں کشمیر میں قیام تھا۔ اس زمانے میں اگرچہ کشمیر ایسا وسیع ملک بھی ایک صوبہ کی حیثیت سے مغلیہ سلطنت میں شامل تھا لیکن اندرون ملک کشمیر کا چوک خاندان کا کافی اثر و نفوذ رکھتا تھا اور یہ لوگ بھی سیاست میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کشمیر کا چوک خاندان دوسرے قبائل مثلاً بانڈے۔ مانگرے۔ پٹار اور لون دھیرہ سے معرکہ پیکار بھی ہو جاتا تھا اور کئی مہینوں تک ان قبائل کے ساتھ معرکے گرم رہتے تھے۔

مرزاہو لو بگ چوک کشمیر میں ایک اہم سیاسی حیثیت کا حامل تھا اور اپنی عداوت و شہادت

اور سیاسی تدبیر کے باعث دوسرے تمام قبائل میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ منشی محمد رفیع خاں اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں لکھتے ہیں۔ مرزاہو لو بگ کے دوستانہ مراسم زیادہ تر کشمیر کے مانگرے قبیلہ سے تھے۔ ہر چند کہ مرزاہو لو بگ ایک امن پسند سردار تھا مگر دوسرے قبائل کے باہمی جھگڑوں نے اسے کشمیر میں ان سے نہ ہونے دیا اور وہ مانگرے قبیلہ کے چند افراد کو ساتھ لے کر باؤستہ بہرام پور پونچھ میں داخل ہوا اور اس میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ منشی محمد رفیع خاں اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ جب مرزاہو لو بگ مانگرے قوم کی ایک جمیعت اور اپنے چند ساتھیوں کو ہمراہ لے کر پونچھ میں داخل ہوا تو اسے یہاں کے چھوٹے چھوٹے سرداروں سے لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں اور آخر وہ چار بھائی چھوٹی بھائیوں کے بعد اس نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ مانگرے قوم نے جس کی شجاعت و کھردہ انہوں سے کشمیر کی تاریخ کے اوراق پھرے پڑے ہیں۔ ان لڑائیوں میں اپنے عسکر مرزاہو لو بگ کا پورا پورا ساتھ دیا اور اب تک پونچھ میں منحل قوم جو خصوصاً مرزاہو لو بگ کی شاخ سے ہے کے ساتھ مانگرے قبیلہ کے لوگوں کی سخت شناسائی کی جا رہی ہے بلکہ جہاں جہاں مرزاہو لو بگ کی اولاد موجود ہے وہاں مانگرے قبیلہ کے بھی اکا اک گھرانے آباد پائے جاتے ہیں۔ فوق صاحب اپنی کتاب کے ۱۱ صفر پر لکھتے ہیں کہ مرزاہو لو بگ دیگر اریں جو تحصیل حوی میں واقع ہے (اور اب دیگر ملیال کے نام سے مشہور ہے) قیام پذیر رہے اور وہیں انہوں نے درہ دلیاں کے ایک سردار کے ہاں سے شادی بھی کر لی۔

موجودہ وقت پونچھ کی ایک تحصیل حوی میں جس کی ایک سرحد بہرام پور تک ہے ملیال قبیلہ کی گنجان آبادی موجود ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ملیال قبیلہ کے مورثا اعلیٰ مرزاہو لو بگ نے اسی علاقہ میں بدو باش اختیار کی تھی اور ملیال قبیلہ کی آبادی کا التلقا تحصیل حوی سے ہی شرقی باغ اور سدھنوتی کی طرف ہوا ہے۔

ملیال قبیلہ کا پرتھی شجرو میں نواح عظمیٰ صاحب مجاہد نشین درگاہ پیر مرزا خان باڑی گیل کے پاس موجود ہے اس کی دوسری مرزاہو لو بگ کا سلسلہ نسب چریشوٹوں بعد نمہ شیخ سے ملتا ہے۔ شجرہ میں عمر شیخ سے دہشتہ باجرا مرزا کی ایک نسل دسقا ہیں۔ باہر سے آگے متلون کی وہ شاخ ہے جی سے نے ۸۵۷ھ تک ہندوستان پر ششے جاہ و جلال سے حکومت کی ہے۔ دوسرے بیٹے مرزا گران کا ایک بیٹا مرزا منصور تھا۔ مرزا منصور

کے بیٹے اصل الدین کا ایک بیٹا سلطان حسین مرزا تھا جس کا ذکر مغلوں کی اکثر تاریخوں میں بکثرت موجود ہے۔ سلطان مرزا کے دو بیٹے جنگو خان اور مرزا مولود بیگ درج ہیں اور اسکا مرزا مولود بیگ کے چار بیٹوں سمندر خان - دثار خان - افرخان اور اکبر خان کی شاخ پونچھ میں مدیال کا علاقہ ہے۔ لفظ مدیال کی وجہ تسمیہ ہے کہ اس شاخ کے لوگ جو مرزا مولود بیگ کے تعلق رکھتے ہیں۔ صوبی لحاظ سے ان علاقہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنی ابتدائی شکل میں مولویا بھی ہوا جو کاجرید میں، تو یوں پر چڑھتے چڑھتے مدیال ہو گیا۔ بہر حال مدیال قبیلہ کاجر شجرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کی رو سے مدیال مغلوں ہی کی ایک شاخ ہیں۔

مرزا مولود بیگ کے چار بیٹوں سمندر خان - دثار خان - اکبر خان اور افرخان کی اولاد تھیں باغ اور حویلی کے علاوہ سرحد صوبی اور ہندوستان تک آباد ہے۔ گمان کی گنج آبادی خلیل حویلی اور تحصیل شری باغ میں ہے۔

مرزا مولود بیگ کا بیٹا سمندر خان جس کا لقب سمندر بیگ تھا اس قبیلہ کا ایک طاقتور اور بادشاہ سرحد کا رہا ہے۔ اس کی شاخ کے افراد حوٹے۔ سمنی - سوانج - سکی - کنگ - ناٹ شیر علی خان - کوشی تھو خان۔ میری کھنٹی کھنٹی مدیالوں اور چتر نگر میں آباد ہے۔

مرزا مولود بیگ کا دوسرا بیٹا دثار خان تھا جو دثار بیگ سوخان کے لقب سے موسوم تھا اس کی شاخ کوٹری جگدلی - سیور - متولی خان - رتنوئی - خواجہ چتر - میرانی - کوشی تھو خان - بنی پاری - نیالی بن گلاں - کوٹلاست خان - پتراٹ - چوڑ - ہڈی گہل - راولی - راولے - پندر محمد علی خان - سکوت کوٹلیاں - ڈوٹی میرہ اور بھوکر میں آباد ہے۔

تیسرے بیٹے افرخان کی شاخ خیر آباد اور صلیب مدیالوں میں آباد ہے اور اس شاخ سے کچھ گھرانے راولی رقبہ دھوکا میں بھی موجود ہیں۔

چوتھے بیٹے اکبر خان کی شاخ ناٹ کھنٹی درمن - پولس - چھاترہ - گھیر - فجر - بیگوان - بٹو چھیلیاں - دیگوار مدیالوں اور عباسپور میں آباد ہے اور غالباً تھیں سرحد صوبی اور ہندوستان کے کچھ دیہات میں بھی اس شاخ کے کچھ افراد آباد ہیں۔

مدیال قبیلہ کی عظمت رفتہ سے جو آج کل کی حالت میں تحصیل باغ - حویلی - ہندو اور سرحد صوبی کے ملنے ہیں ان سے انمازہ ہوتا ہے کہ یہ باوقار قبیلہ گند شہدہ دو میں ایک درختدار و نامور گند

رہا ہے اور پونچھ کے دوسرے معتد رقبا کی طرح مدیال قبیلہ کے سرداروں نے بھی تاریخ سے عظیم الشان منشیہ و خزانہ دیکھے ہیں۔

مدیال قبیلہ کی گنج آبادی کے دیہات میں جھکوٹوں اور جھلوں کے آثار پائے جاتے ہیں ان کے بارے میں سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات شہد ہیں کہ یہاں مدیال قبیلہ کے سردار خود مختار تھے اور وہ اپنے کوٹوں اور دیہوں کو عدالت کے طور پر استعمال کرتے تھے حکمہ مال کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ تحصیل شری باغ کی بیشتر زمینوں پر مدیال قبیلہ ہی کا قبضہ تھا اور دوسرے قبائل کے افراد کے پاس جس قدر اراضیات ہیں ان میں سے بیشتر مندرجہ کے دوران مدیال سرداروں نے ہی دوسرے لوگوں کے نام درج کرائیں۔ گلاب سنگھ کے حوالے پونچھ ۱۸۳۳ء میں ان کا مدیال قبیلہ اس قدر طاقتور تھا کہ تھیں باغ کے حصہ شری پوداشی اور زرعی اعتبار سے اسی قبیلہ کا تصرف تھا اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ تحصیل باغ - سہوٹی اور ہندو حویلی کو پائمال کرنے کے باوجود وہاں جھکوٹا سنگھ نے باغ میں ہزاروں زیادہ تر اسی قبیلہ کے سرداروں کو تقوین کیس جن کی تعداد صرف تحصیل باغ میں ۱۱۵ ایک ہے۔ مدیال قبیلہ کے با اختیار سرداروں نے تاریخ کے مراحل کیسے طے کئے اس بارے میں مدون صورت میں ریکارڈ ملنا دشوار ہے۔ اس کا ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ اپنے اپنی کے دوسرے میں ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے مکانات جلاتے رہے اور ایک دوسرے کے خلاف رات دن کھابریں بے نیام رکھتے رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جن باشعور لوگوں نے تاریخی دستاویزی محفوظ کر رکھی ہیں ان میں وہ ان حوادث کا نشانہ ہو گئے اور اب مدیال قبیلہ کے تاریخی حقائق کا تمام تر انحصار سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات پر ہے، جو روایات کسی ملک کی فنی تاریخ کے طور پر مشہور ہوتی ہیں ۵۰-۴۹ ق صدی درست ہوتی ہیں کیونکہ وہی بات عامۃ الناس کی زبان پر چڑھتی ہے جو جرح و دلایل کے مراحل سے گذر کر مصدقہ ہو چکی ہو۔

قبیلہ مدیال کی تاریخی روایات کو ترتیب دیتے ہوئے انمازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے سرداروں نے تاریخ کے ہر دور میں اپنی داخلی خود مختاری کو برقرار رکھا ہے۔ کشمیر سے غل اقتدار کے بعد جب افغانوں نے اس ملک کو کابل کا ایک صوبہ بنایا تو پونچھ کا مدیال قبیلہ اپنے علاقوں

میں بدستور خود مختار رہا اور انہوں نے کبھی بھی کشمیر کے افغان صوبیداروں کی باندہ دستی لپی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ افغان صوبیداروں نے کبھی مرتبہ پونچھ پر حملے کئے۔ افغانوں کے بعد جب کشمیر پر سکھ قابض ہوئے تو ابتداء میں سکھ سرداروں نے بھی ملایالوں پر یلغاریں کیں مگر انہیں کسی طرح بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۸۳۱ء میں جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے سکھوں کے لاہور دربار میں عروج حاصل کیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پونچھ کا پورا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ایک خوبصورت بیٹے ہیرا سنگھ کو بطور جاگیر دے دیا۔

اس وقت پونچھ میں ملایال قبیلہ کا ایک نامور سردار شمس خان سیاسی اختیار رکھتا تھا، سردار شمس خان اور اس کے ایک بیٹے سردار راجو خان کے بارے میں جو روایات ہیں ملتی ہیں ان کی رد سے ان کا خائن کر اس وقت پونچھ کے مرکزی مقام کے تھے۔ ایک موقع ناگانی تھا اور اس وقت سردار شمس خان پورے ملایال قبیلہ کا سیاسی سربراہ تصور کیا جاتا تھا۔ جب سردار شمس خان اور اس کے چلاں مرد بیٹے راجو خان کو گلاب سنگھ کے عزائم کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے قبیلہ کے تمام سرداروں سے مشورہ کر کے ڈوگرہ راجہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور یہ ڈوگرہوں کے خلاف مردانہ وار جنگ لڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران مہاراجہ گلاب سنگھ نے پونچھ کے ایک بڑے حصہ کو فتح کر لیا تھا۔ سردار شمس خان نے گلاب سنگھ کے خلاف جو تحریک اٹھائی تھی وہ ددس نتائج کی حامل تھی لیکن ادھر چند اخترا پرست لوگ سردار شمس خان کے خلاف مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ ساز باز کر چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ پونچھ کے تیسرے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو گجر قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ چنانچہ عمر زمان نامی ایک تیسرے سردار نے سردار شمس خان اور راجو خان کو دعوت پر بلا کر گلاب سنگھ کی خوشنودی کے لئے انہیں شہید کر دیا۔

اس بارے میں پونچھ کے تمام لوگوں میں ایک روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ جب گھانا گھانے کے بعد سردار شمس خان اور راجو خان ایک کمرے میں سو گئے تو عمر زمان تیسرے نے ان کے ہتھیار اٹھائے اور ڈوگرہ فوج کے ایک خصوصی مخبر ستم نامی کو کہہ دیا کہ وہ ڈوگرہوں کے سپاہیوں کے گردان کا ماحوہ کرے۔ کہا جاتا ہے کہ نصف شب کو راجو خان نے خواب میں دیکھا کہ خون کی بھری ہوئی ایک تھالی اس کے سامنے رکھی ہوئی ہے۔ اس ڈرمانے خواب کے بعد جب راجو خان میدانِ جہاد میں

شمس خان کو بھی میدانِ جہاد کی باتیں کر رہے تھے ایک خطرناک خواب دیکھی ہے ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہو۔ اس غمزدگ کو جب بعد جب دونوں نے دیکھا تو ان کے ہتھیار خائب تھے اتنے میں رستم نامی ڈوگرہ کا مخبر ڈوگرہ سپاہیوں کے دروازے کے سامنے آگیا اور یہ دونوں انتہائی دردناک اندازے شہید کر دیئے گئے۔ سردار شمس خان کی بہادری، شجاعت اور جہاں مردی کی گیت اب ملک وگوں میں مشہور ہیں اور اب بھی بعض مقامات پر یہ گیت گائے جاتے ہیں جو ملایال قبیلہ کی تاریخ کا ایک زریعہ باب ہیں۔

تحصیل بانہ کے انتہائی عرصیدہ فوجوں کے ذریعہ جو روایات مشہور ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سردار شمس خان ملایال قبیلہ کا ایک انتہائی بہادر فرزند تھا جب تیسرے سردار کی سازش سے سردار شمس خان اور اس کے بیٹے راجو خان کو کشمیر کو دیا گیا یہاں مہاراجہ گلاب سنگھ نے بانہ کے مرکز میں مقام پر قیام کر کے قلعہ بنوانا شروع کیا تو ملایال قبیلہ کے سینکڑوں سرداروں کو اپنے پاس بلا کر ان کے علاقہ دار پر غلبہ طلب کئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا پٹا داس وقت بانہ کے سامنے نالہ طوائی کے کنارے تھا۔ اس جگہ کو اب بارہ درہی کہا جاتا ہے۔ مہاراجہ قلعہ تعمیر کرتا رہا اور ملایال قبیلہ کے چند سردار نالہ طوائی کے کنارے قلعہ کی طرف سرنگ کھودنے سے پہلے کہ جو بھی مہاراجہ قلعہ میں داخل ہو سرنگ کے زخروں اندر جا کر مہاراجہ کا کام تمام ہو گیا۔ یہ روایت یہاں عام مشہور ہے لیکن اس کی اصل یہ ہے کہ بانہ کا قلعہ سینکڑوں سال پہلے سے موجود تھا جو کسی ہندو راجہ باغان رائے نے تعمیر کیا تھا کیونکہ اس کا ذکر گلاب نامہ کے معنی دیوانہ کرپا نامہ میں بھی ہے۔ چنانچہ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے بانہ کے قریب پڑاؤ کیا تو اس نے اس وقت قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس قلعہ کی ایک سرنگ پہلے سے طوائی کی طرف تھی جو کھنڈ ہو چکی تھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب گلاب سنگھ کے حکم سے قلعہ مدت ہونا شروع ہوا تو ملایال قبیلہ کے چند سردار موقع پا کر اس سرنگ کو اندر سے صاف کر کے لگے کیونکہ مہاراجہ کے کارندوں کو اس کا حکم تھا کہ قلعہ کی ایک خفیہ سرنگ سے گذر کر مہاراجہ کو قتل کر دیا جائے گا کہ جب وہ پھر سے گئے تو مہاراجہ نے ان کے زہر جھوٹ سے بارہ درہی کے قریب کھائیں انہیں۔ اس سرنگ کے آثار نالہ طوائی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے تحصیل مدھنوتی کے دوران قیام میں درندگی اور وحشت کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر آپ کا بے لوث زبان کے دوران قیام بھی اس نے کم وحشت و مہربانی کا مظاہرہ

نہیں کیا اور اس کا اعتراف اس کا انتہائی مددگار سوانح نگار دیوان گریا نامی اپنی کتاب گلاب نامہ میں کرتا ہے۔ گلاب نامہ کی رودے ہمارا گلاب سنگھ ۲۱ دن تک باغ میں قیام پذیر رہا اور اس نے یہاں کے ملیاں قبیلہ سے یہ غلام طلب کئے تاکہ آئندہ اس طرف بغاوت کا امکان نہ رہے، کہا جاتا ہے کہ گلاب سنگھ جب باغ سے جوں کی طرف روانہ ہوا تو اس نے ملیاں قبیلہ سے تقریباً ۶۰ کے قریب سردار اپنے ساتھ بطور غلام رکھے جو ہمارا گلاب سنگھ کے زمانہ تک جوں میں رہے ان میں سے کئی سردار اس علاقہ میں دفن پائے گئے اور چند سردار مافیہ کے بھاڑے علاقہ میں واپس آئے۔

اس میں شک نہیں کہ تحصیل باغ میں دوسرے قبائل بھی بکثرت آباد ہیں لیکن گلاب سنگھ کے حملے کے وقت بالائی تحصیل باغ میں ملیاں قبیلہ ہی طاقتور تھا اور ڈوگروں کے حملے کے وقت اس حصہ میں زیادہ جنگ لڑی گئی جہاں ملیاں آباد تھے۔

ہمارا گلاب سنگھ کے حملے کے قریبی دور سے تعلق رکھنے والے چند سرداروں کے نام اور قریب نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

موضع کھلی درمن میں زبردست خان - سردار نور خان اور سردار دلی داد خان، افتخار سردار موجود تھے۔ بنقام دیوار ملیاں میں سردار جانی خان اور سردار بکیم جان خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور سردار جانی خان کی لگا دو توں کا حال اکثر تاریخ کشمیر کے مسکھ عہد میں بھی ملتا ہے۔ موصفات ناٹ میں شیر علی خان اور کوٹیرہ میں مست خان طاقتور تھے اور یہ دونوں گاؤں ان ہی کے نام سے موسوم ہیں۔ رتنویش میں سردار اندرود خان، ٹوپی میں سردار فتح شیر خان - سردار امتیاز محمد خان - سردار حسین خان اور کوٹھیاں میں سردار بائی سیو خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کوٹھیاں کا سردار بائی سیو خان بڑا طاقتور اور سخت گیر سردار گذرا ہے اس کی دینی اب تک یہاں گلہ کے مقام پر مشہور ہے۔ سردار اندرود خان نہ صرف رتنویش میں مشہور تھا بلکہ اس کے اقتدار کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نیزہ گی کے مقام پر اس کی گرمائی رہائش گاہ تھی اور گرمیوں کے موسم میں یہ سردار یہاں دوسرے سرداروں کو بھی نیزہ بازی کسے لئے مدعو کیا کرتا تھا۔

موجودہ وقت ملیاں قبیلہ کی آبادی تحصیل باغ اور جونی کے ۸۷ دیہات پر پھیلی

ہوئی ہے جن میں مندرجہ ذیل دیہات میں اس قبیلہ کی بکثرت افراد آباد ہیں۔ مثلاً تحصیل جونی میں دیوار ملیاں - کوسیاں - پور - چھاترہ - نجر - کھلی درمن - لیگل عیا سپور - تھیری نوٹ - سہر - سکوت - کھڑائی - سدھون - علی آباد - پونچھ خاص - دھرمال - کھنیز - گھنیز - کوٹ چٹیاں - منگورہ جناٹ - دڑہ اور کرم ماڈ وغیرہ میں ملیاں قبیلہ کی کچھ آبادی ہے۔ تحصیل سدھون میں علی سوبل - کھنیزہ اور پیر کوٹ میں ملیاں قبیلہ کے لوگ بکثرت آباد ہیں۔ تحصیل باغ میں ساہیاں ملیاں، ناٹویش علی خان - سری منڈ - صلی - سوانج رامی کوٹ - دھڑے - نڈیولہ - کھل ملیاں - چھتر دڑہ - چھتر ملیاں چوکی - کوٹیرہ - رتنویش - خواجہ - سیور - متولی خان - ڈنہ - سیر کا لوان - نندرائی - چھتر - پیری کھنیز - کوٹیرہ - غفلو خان - کوٹیرہ کدیل - پانیانی - بنی پساری - ٹوپی - کمری - ریڑھی - موٹ - بھونٹ - بھنی - پیر پانی بٹول - بھونٹ - پترانہ - ناٹوہ - بھونٹ - میلا - کوٹھیاں - تل کیمبر - اودنہ - چترہ بانڈی - کھردرہ - سوٹ - چک ناڈی - چک سریاں - چوڑ - منگ بھری - ہڈی گھل - پیر محمد علی خان - رادلی - رادے - سکوت - ڈھوکاں اور بنی راجوئی خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ملیاں قبیلہ کے سرداروں کے پاس اگرچہ دس-اراضیات کے علاوہ تحصیل شری باغ کی بیشتر تہذیبوں اور چند جاگیریں بھی تھیں لیکن اس کے باوجود اس قبیلہ کے بااثر سرداروں نے ۱۸۹۹ء کی تحریک حقوق ملکیت میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ یہ تحریک تحصیل سدھون کے ایک نامور سردار بہادر علی خان نے شروع کی تھی۔ جب یہ تحریک تحصیل باغ تک پھیل گئی تو ملیاں قبیلہ کے سرداروں نے بھی سردار بہادر علی خان کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا۔ اس دور سے تعلق رکھنے والے چند سرداروں کے نام خشی محمد دین فوق نے بھی اپنی کتاب تاریخ پونچھ میں لکھے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

سردار شانبو خان - ٹوپی - سردار فضل داد خان - تھب - سردار نور خان - کھل ملیاں - سردار محمد شیر خان - بنی راجوئی خان، سردار کا اٹان - پیری کھنیز، سردار محمد بن خان - بھگول - سردار غلام خان - کوٹیرہ - بھم خان - سردار عطا محمد خان - چوکی - سردار نواب خان - چھتر دڑہ - سردار محمد بن خان - باغ - سردار محمد خان - ناٹ - سردار جاعت علی خان - نندرائی - سردار شیر بگ - خان - سیر کا لوان

سردار سید خان کوٹلیری نعلو خان - سردار محمد یوسف خان چھتر برہان ، سردار فقیر خان کوٹ
 سردار رنولی خان سیور کا لو خان - سردار درانی خان سیور کا لو خان - سردار محمد حسین خان کوٹلی
 سردار نواب خان رنولیس - سردار گل شیر خان خواجہ - سردار شیر داد خان خواجہ - سردار زبردست خان
 چھتر ملکیان - سردار جماعت علی خان مشرود - سردار محمد شیر خان پیر پانی - سردار محمد خان پیر پانی -
 سردار محمد علی خان کوٹلیری کنڈیل - سردار نواب خان بنی راجی خان - سردار داتا خان بنی گران
 سردار میر زمان خان بنی گران - سردار شیر داد خان بنی گران - سردار رحیل خان کوٹلیرو - سردار
 علی بہادر خان چور - سردار امیر خان مری - سردار محمد شیر خان کہنہ - سردار حیدر خان کوٹلیان
 سردار حسین خان کوٹلیان - سردار اقبال خان ساہیان - سردار عظیم خان ٹولہ - سردار محمد شیر خان
 کوٹ - سردار شیر دل خان رادی - سردار دوست محمد خان دھڑے - سردار شیر دل خان مری
 سردار بلوستان خان مری منگ - سردار غلام محمد خان دھڑے - سردار محمد عظیم خان ناٹ - سردار
 محمد قاسم خان خاشیالی - سردار علی بہادر خان مری - سردار شیر امان سوانج - سردار سرفراز
 خان سوانج - سردار غلام بنی خان کھلی دوس - سردار ضرور خان منگوٹہ - سردار منس خان کوٹ
 سردار محمد خان ٹینگراں - سردار شیر امان جٹاٹ - سردار شیر خان نجر - سردار میر محمد خان ٹینگراں
 سردار سلطان محمد خان ٹینگراں - سردار غلام حسین خان ٹینگراں - محمد حسین خان ٹینگراں - سردار
 ہنس خان چھتر - سردار گلاب خان چھتر - سردار دلی محمد خان چھتر - سردار واٹ علی خان
 سہر کوٹہ - سردار محمد شیر خان منگوٹہ - سردار فرید خان لکڑہ - منشی غلام حسین خان منگوٹہ -
 مولوی غلام محمد خان گھمیر - سردار پہلو خان پولس - سردار شیر محمد خان پولس - مولوی محمد حسین
 خان پولس - سردار کالا خان پولس - منشی فتح محمد خان پولس - منشی فروزان جونی - منشی مدد
 خان دیگوار - سردار صلاح محمد خان دیگوار - سردار گلاب خان دیگوار - منشی اللہ دین خان
 راجی خان - سید امجد خان دھیرہ قابل دہریہ - حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ متذکرہ
 سرداروں میں سے بعض سردار ہم عصر نہ تھے لیکن زیادہ طویل زمانہ کا فرق بھی نہیں
 صرف اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ بعض سردار جوان تھے اور بعض عالم پیری میں تھے -
 تاریخ اقوام پونچھ کے علاوہ جو مقامی روایات سینہ پر سینہ ملی آئی ہیں ان سے بھی اندازہ
 ہوتا ہے کہ ملایال قبیلہ کے مقتدر سرداروں نے ڈوگرہ سمرچ کے خلاف اٹھنے والی اس
 تحریک میں زبردست حصہ لیا ہے -

پونچھ کا ملایال قبیلہ بحیثیت مجموعی کشمیر کی تحریک آزادی میں جیتہ سرگرم رہا ہے -
 میں جب مسلمانانِ جوں کشمیر نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے لڑی جوں و نظیر مسلم کانفرنس کا انعقاد
 رکھا تو اس میں ملایال قبیلہ کے سیاسی رہنماؤں نے بھی بھرپور حصہ لیا شروع کیا جن میں سردار
 محمد شیر خان - سردار بڑا بہر خان - سردار محمد یعقوب خان اور سردار دوست محمد خان خاص طور
 پر سرگرم رہے - جوں جوں وقت گزرتا گیا دوسرے قبائل کی طرح ملایال قبیلہ میں بھی سیاسی
 بیداری پیدا ہوتی گئی - چنانچہ ۱۹۳۷ء تک اس قبیلہ میں کئی سیاسی کارکن سامنے آئے
 جن میں سردار محمد حسین خان حاجی محمد افضل خان - سردار محمد اور خان آف ٹی
 سردار محمد اکرم خان آف کوٹلیرو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - حاجی محمد افضل خان اگرچہ جٹان
 تھے لیکن مسلم کانفرنس سے وابستہ رہے - ۱۹۳۷ء کے جہاد آزادی کشمیر میں جہانگیر
 باغ کے دیگر قبائل نے حصہ لیا وہاں ملایال قبیلہ کے سرداروں نے بھی مجاہدانہ حصہ لیا جو ان
 کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے - ۱۹۴۷ء میں جب ڈوگرہ بربریت کے خلاف باغیہ
 تحریک شروع ہوئی تو اس قبیلہ کے سیاسی رہنما بھی گرتا کر لڑنے لگے جن میں سردار جواہر
 خان شہید آف کوٹلیان - سردار محمد اکرم خان آف کوٹلیرو اور سردار محمد حسین خان آف
 دھڑے اور سردار جواہر خان کوڈرہ دوسرے سیاسی قیدیوں کے ہمراہ پونچھ لے جایا گیا
 اور وہیں شہید کر دیئے گئے - سردار محمد اکرم خان آف کوٹلیرو کو پہلے پونچھ اور بعد میں
 سرنگم لے جایا گیا اور کافی عرصہ کے بعد رہا کئے گئے - سردار محمد حسین خان آف دھڑے
 بانگہ کے قلعہ سے عین اس وقت نکلے ہیں کامیاب ہوئے جب مجاہدین باغ کے قلعہ
 کے قریب پہنچ چکے تھے اور وحشی سکھوں نے انہیں بے نیام کر کے قلعہ میں محبوس
 تمام کرے گا - مسلمان قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا - اس قتل عام میں ملایال قبیلہ
 کے کئی بھی افراد شہید کر دیئے گئے تھے جن میں محمد زمان خان آف دھڑے - سردار غلام
 آف بنی پیرا اور دیگر کئی افراد ہیں - برقیہ کا ایک شخص ہزار خان - سرگم کا رنہ ہنگام
 ۱۹۴۷ء میں جب ڈوگرہ دہرنگ انہا کو پہنچ گئی اور اس کے خلاف جہاد آغاز فرمایا
 تو دوسرے قبائل کی طرح ملایال قبیلہ نے بھی جہاد میں زبردست حصہ لیا - اس قبیلہ
 کے ایک نامور سردار محمد اور خان نے نہ صرف اپنی گروہ سے رقم خرچ کر کے ۱۱ ہندوئیں
 منگوائیں بلکہ لیٹننٹ کی حیثیت سے نیلہ بٹ کے مقام پر شہریت اختیار کی اور اس

چوکی مسعود - صوبدار بوستان خان آف سیری کتھی - صوبدار صالح محمد خان آف دھلی
 صوبدار محمد عزیز خان آف دھلی - صوبدار شیر خان آف بیرانی - صوبدار محمد یعقوب خان
 ستارہ جرات پانیالی - صوبدار جمشیر خان آف بیرانی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر
 ہیں۔ میجر محمد سلیم خان نے جہاد آزادی کشمیر ۱۹۴۷ء میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا
 آپ کا شمار کشمیر کی جنگ آزادی کے بہادر ترین فوجی افسروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے جہاد
 آزادی کشمیر میں کئی محاذوں پر خدمات انجام دیں۔ ملدیان قبیلہ نے زندگی کے تقریباً
 سب ہی شعبوں میں شاندار قربانی کی ہے جس طرح اس قبیلہ کے افراد نے فوج میں اعلیٰ عہدے
 حاصل کئے ہیں اسی طرح ملک کے سول نظام میں بھی ان کی نامزدگی بدستور ہی ادراک کافی
 طینان بخش ہے۔

آزاد کشمیر کے تمام سرکاری محکموں مثلاً محکمہ مال - محکمہ پولیس - محکمہ تعلیم - محکمہ زراعت
 و جنگلات میں ملدیان قبیلہ کے افسران کا تعداد میں موجود ہیں۔ محکمہ پولیس میں کیپٹن علی افسرخان
 سپرنٹنڈنٹ پولیس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ پولیس ٹریننگ کالج مشرق پاکستان سے اعلیٰ
 تربیت یافتہ ہیں اور اہتمام میں پولیس پاکستان میں اعلیٰ تربیت حاصل کی تھی۔ کیپٹن علی افسرخان
 محکمہ پولیس میں ہیں لیکن اعلیٰ عہدوں کے مالک ہیں۔ سردار محمد افسرخان آف کوٹلی لے۔ ایس
 پی بھی قابل ذکر ہیں۔ سردار محمد یوسف خان آزاد کشمیر سٹیٹ کونسل کے رکن بھی رہے اور
 اب بجاہدوں سردار محمد عبدالقیوم خان کی کامیابی میں بحیثیت وزیر شامل ہیں۔ آپ نے اپنے دور
 اقتدار میں ملک کی ترقی کے لئے کافی توجہ دی ہے۔ سردار محمد انور خان بی۔ لے۔ ایل۔ ایل۔ جی
 سکھ کوٹھیاں سردار جامہ خان شہید کے فرزند ہیں۔ سردار خواہر خان ملدیان قبیلہ کے ایک
 نامور سیاسی رہنما تھے جو ۱۹۴۷ء میں گرفتار کر لئے گئے اور دو گھر فوج انہیں پونچھ لے گئی تھی۔
 ملدیان قبیلہ سے سیکڑوں ملازم اس وقت مختلف محکموں میں موجود ہیں اور سیکڑوں
 طباع اعلیٰ کلاسوں میں تنظیم حاصل کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ملدیان قبیلہ نے بھی دوسرے قبائل
 کی طرح شاندار ترقی کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس قبیلہ کی شیرازہ بندی میں حاجی محمد افضل خان
 آف عباسپور نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ حاجی صاحب پہلے محکمہ مال میں تحصیلدار رہے لیکن
 ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے اپنی پوری توجہ ملدیان برادری کو متحد کرنے میں صرف کردی۔ آپ نے
 ۱۹۶۵ء میں محفل ایجوکیشنل سوسائٹی کے نام سے ایک تعلیم قائم کی جس کے آپ اب ہمک ہستور

کے بعد تقریباً سب ہی محاذوں پر دوشنباعت دیتے رہے۔ میجر محمد ایوب خان آف
 چوکی مہر آزاد کشمیر اسمبلی نے بھی ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں بے مثال قربانی دی ہے
 اور تقریباً سب ہی محاذوں پر دو گھر بھارتی فوج کے خلاف جنگ لڑتے رہے۔ آپ نے
 ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے یہ تاریخی قرارداد پیش کرنا کوٹھیاں
 میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ آپ کی اس شاندار قرارداد کا نتیجہ یہ
 ہوا کہ آپ کا نام تمام اسلامی دنیا میں روشن ہو گیا اور پاکستان کے لوگ آپ کو
 بے حد احترام کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ یہ سعادتمند و بزرگوار ذہنیت
 تانہ بختر بخشندہ

گزشتہ دنوں پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے جو بہت
 تحریک چلی۔ یہ ایسی تاریخی قرارداد کار دھلی ہے جو میجر محمد ایوب خان نے پیش
 کی تھی اور جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ میجر
 محمد اعظم خان آف دھڑ نے بھی ۱۹۴۷ء کے جہاد آزادی میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ
 کر کے اعزازات حاصل کئے۔ قبیلہ ملدیان میں سے سیکڑوں کی تعداد میں لوگ کشمیر
 کی جنگ آزادی میں شامل رہے جن میں سے چند ایک افسروں کے نام حسب ذیل ہیں۔
 کورنل بقا محمد خان آف تیزی ٹوٹ - میجر محمد عزیز خان آف دھلی خاضیان
 میجر محمد اعظم خان آف بھٹنڈل - میجر محمد قیوم آف چوکی - میجر محمد سلیم خان آف ٹکلیاٹ - میجر نور احمد
 خان آف عباسپور - صوبدار میجر گل بادشاہ آف کوٹہ باغ - صوبدار میجر محمد فروز خان آف سیر
 کتھی - صوبدار میجر شاہ زمان آف کوٹھیری نجم خان - صوبدار میجر سجاد خان آف کوٹھیرہ
 صوبدار میجر غلام حسین خان آف کوٹھیری - صوبدار سلطان محمد خان مجاہد حیدری آف راولے
 صوبدار محمد افسرخان آف کوٹھیاں - صوبدار پہلوان خان آف راولے امتیازی سندھ لیفٹنٹ
 محمد حسین خان آف چھتر ڈھ مجاہد حیدری - میجر مسر فرزا احمد خان آف عباسپور - کیپٹن غلام
 مصطفیٰ آف عباسپور - کیپٹن عبدالحمید آف بیرانی - صوبدار نور محمد خان عباسپور
 صوبدار میجر محمد اشرف خان آف ٹنگراں - صوبدار محمد فروز خان آف ٹنگراں - لیفٹنٹ
 نعل حیدر خان سیکڑی سوہجو بورڈ باغ - صوبدار منیر احمد خان آف بنگو بی - نائب
 صوبدار محمد افسرخان آف بنگو بی - صوبدار محمد اکبر خان آف جنڈار - صوبدار محمد فروز خان آف

صدر چلے آ رہے ہیں۔ منغل ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل میں سردار سلیم خان اور سردار لال جید خان سیکرٹری سوجر بورڈ یاغ کا بھی اہم حصہ ہے۔ مگر حاجی محمد فضل خان کی ساعی میلہ تابہ واد ہیں۔ منغل ایجوکیشن سوسائٹی کا سالانہ اجلاس ہر سال باغ کے مقام پر منعقد کیا جاتا ہے جن میں ہزاروں روپے چندہ جمع ہوتا ہے اور اس چندہ کی رقم ان مددکاروں کو بلور و طیف تقسیم کر دی جاتی ہے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آزاد کشمیر اور پاکستان کے کالجوں میں داخل ہیں۔ اس وقت تک تقریباً ساٹھ طالب علم سوسائٹی کے وٹیفیر تعلیم حاصل کر کے فارغ ہو چکے ہیں۔

پونچھ کا مددکار قلیل ایک امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ اس قلیل نے اپنے ماضی کی تاریخ کے مرحلے شاندار طریقہ سے طے کئے ہیں اور اس وقت ممبر بورڈ انداز سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔

مددکار قلیل کے کئی تعلیم یافتہ نوجوان اس وقت محکمہ تعلیم آزاد کشمیر سے وابستہ ہیں مگر بیرونی اساتذہ میں سردار محمد اکبر دانش پرنسپل گورنمنٹ کالج باغ۔ سردار محمد سلیم خان بی۔ اے بی۔ اے۔ سردار محمد نذیر خان بی۔ اے اور سردار افاق خان بی۔ اے بی۔ اے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سردار محمد نذیر خان مددکار قلیل کے پہلے گریجویٹ ہیں اور ادب ڈیگری ہو چکے ہیں۔ دھلا صاحبان میں سردار محمد رشید چغتائی سردار محمد الودعان۔ سردار نور اکبر خان اور عبد القیم بیگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور یہ تینوں نوجوان مگر ماسکری کارکن ہیں۔

مددکار قلیل کے موجودہ کئی نوجوان ملکی سیاست میں مگرم حصہ لے رہے ہیں جن میں سردار بہرام خان چشتی سردار اشتیاق خان آف کوئٹہ اور دیگر بہت سے ماسکری کارکن ہیں۔ مددکار قلیل کے ملائے دیں ہیں اسے حافظ محمد عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو باغ کے مرکزی مقام پر رہتی فلاحات انجام دے رہے ہیں۔

سادات گردیزیہ

ریاست پونچھ کے طول و عرض میں تقریباً تہہ بکاؤں اور ہر مقام پر سادات قلیل کے لوگ آباد ہیں لیکن زیادہ آبادی سادات گردیزیہ کی ہے۔ سادات گردیزیہ کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ یوسف گردیزی ہیں جن کا شجرہ نسب گیارہ واسلوں کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ سادات گردیزیہ کے مستند شجرہ میں حضرت شاہ یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب حسب ذیل ترتیب سے درج ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ حضرت امام زین العابدین حضرت امام محمد باقرؑ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ۔ حضرت امام علی رضی۔ حضرت امام سید احمد۔ حضرت امام سید احمد شہرقائی۔ حضرت امام ابوحنیفہ۔ حضرت امام سید قعود گردیزی۔ حضرت امام سید ابوبکر عبداللہ۔ حضرت امام سید شاہ یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ۔

بزرگان برصغیر پاک و ہند کے حالات و کوائف پر مشتمل شاید ہی کوئی تذکرہ ایسا ہو جس میں حضرت شاہ یوسف گردیزی کے حالات شرح دہلے سے بیان نہ کئے گئے ہوں۔ مفتی محمد سرور لاہوری کی مشہور آفاق تصنیف خزینۃ الاصفیاء میں جہاں دیگر بزرگان مقام اور مویاتے کرام کے حالات درج ہیں وہاں حضرت شاہ یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی کافی تفصیل سے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ تذکرۃ الاولیاء۔ تاریخ مدائن۔ مرقع ملتان۔ آئینہ ملتان اور اولیائے ملتان وغیرہ کتب میں حضرت شاہ یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات موجود ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ یوسف گردیزی سنی اور سنی مسلک کے پیروکار تھے اور ان کا در و در سمو ملتان کی سر زمین پر اس وقت ہوا جب قراطرہ مکاتیب ملتان سے خاتمہ کیا جا چکا تھا اور آپ نے از سر نو ملتان اور اس کے مضافات میں ماضی مسلک کی تبلیغ کر کے دین اسلام کو فروغ بخشا۔

حضرت شاہ یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ کے باب میں مرقع ملتان کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتا ہے کہ اگرچہ آپ کو فاک ملتان نے جیم نہیں دیا اور آپ سے شیعہ ملائے تاجم ملتان کی بھائی میں جبکہ سلطان محمد غزنوی نے قراطرہ کے خلاف کاروائیوں میں

شہر کو بالکل برباد کر دیا تھا آپ نے قتلایوں سے بھی بڑھ کر کام کیا ۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ یوسف گریزی غزنی سے قلعہ گریز سے ملان صرف اس لئے تشریف لائے تھے تاکہ وہاں مخفی مسلک کی تبلیغ کر کے وہیں فرعیہ اور گریز کا فرقہ ہے جس کا تعلق ہے حضرت شاہ غلام علی محمدت ولد علی بنی مایہ نام تھیں تھیں اثنائے عشریہ سے صفحہ ۳۰ پر کیا ہے اسے تسلط کے باعث ملان میں صحابہ کرام کے خلاف سب و شتم کا بازار گرم تھا ۔ جب سلطان محمود غزنوی نے سبائی گروہ کی اس شاخ کو نیست و نابود کرنے کا عزم کیا تو غزنوی لشکر نے شہر ملان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس سرزمین پر مابین شہر کے عقائد و انکار کو دوبارہ پھیلانے کا کام حضرت شاہ یوسف گریزی نے سنبھالا ۔

مرقع ملان کے محقق نے حضرت شاہ یوسف گریزی رحمۃ اللہ علیہ سے بارہوی لکھا ہے کہ حضرت سید علی قسور گریزی رحمۃ اللہ علیہ باندہ پایہ و درویش تھے اور سلطان محمود غزنوی کے عہد میں بغداد سے گریز تشریف لائے جو غزنی سے ملحقا سے تھا اور یہاں اقامت گزین ہوئے ۔ اس قصہ میں آپ کے فرزند سید ابوجعفر نے غزنیہ میں سید محمد یوسف پیدا ہوئے ۔ آپ کی پرورش اور تعلیم اپنے جدا بچہ کی مرہون محنت و مصائب کی ہدایت پر آپ نے عرفان اور جہان کی منزلیں طے کیں پھر مختلف ممالک میں سفر کر کے دہان کے مشائخ اور کارگردین سے روحانی اور دینی فیض حاصل کیا ۔ سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے باعث ملان اور توابعات تباہ ہو چکے تھے ۔ اگرچہ قراصل کا استعمال بہت حد تک ہو چکا تھا مگر پھر بھی عوامی اعتقادات مسخ اور پریشان تھے ۔ اس لئے آپ ۲۱ سال کی عمر میں اپنے قبلہ گاہ حق آگاہ کی طرف سے ملان میں حالات کی اصلاح پر مامور ہوئے ۔ آپ ^{۱۸۸۱} یا ^{۱۸۸۲} میں ملتان وارد ہوئے اور دریائے رادی کے کنارے جس کی شاخ اس زمانے میں بوہڑ دروازہ کے باہر تھی ڈیرہ لگائی ۔

مرقع ملان کا محقق لکھتا ہے کہ اس مقام پر فروکش کرنے کے بعد آپ نے اس علاقہ کو اپنے روحانی و دینی کمالات سے مستفیض فرمایا ۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ملتان کی اندرون آبادی اور کالی بیتہ ۔ آپ نے ^{۱۸۸۱} میں انتقال فرمایا اور جہاں قیام گزین تھے وہیں مدفون ہیں ۔ اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں سلطان محمود غزنوی قراصلوں کی

سرکوبی میں مصروف تھا اس زمانے میں حضرت شاہ یوسف گریزی کے والد گریزی باندہ پایہ عالم اور صاحب کشف و کمالات بزرگ تھے اور جب ملتان کی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے نامور فرزند حضرت شاہ یوسف کو گریز سے ملان بھیجا تھا تاکہ یہ اجنت الہیات کے عقائد کا پورا کرے اور مسلمانان ملان کو دین اسلام کی صحیح روش سے آگاہ کریں ۔

صفیائے کرام اور بزرگان بن کے تذکروں میں جہاں ذکر اولیاء اللہ کی کمالات درج ہیں وہ حضرت شاہ یوسف گریزی کی بھی کئی کمالات درج ہیں مرقع ملان کے محقق نے ان تمام تذکروں سے کماحقہ استفادہ کیا ہے وہ اس باب میں لکھتے ہیں کہ ایک ہی بار وہاں بلب بوبکا جس کی صحت کی دعا آپ کے والد حضرت شاہ قسور گریزی نے نہ کی تھی مگر کیا تم آپ کی دعا سے بوبکا پھر زندہ ہو گیا ۔ آپ نے تو جہاد و قوت باطنی سے ایک شیر کو مٹی کر رکھا تھا اور ایک سانپ کو بھی مٹھ کر لیا تھا ۔ آپ جب شیر کی سواری کرتے تو سانپ کو مٹھ کر چابک سے اپنے ہاتھ میں لے لیتے آپ کی لوح عزت پر اب تک یہ شعر موجود ہے ۔

دانی سوار شیر کہ در دست مار کرد

مخدوم شاہ یوسف اس جا قرار کرد

تمام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد بھی حضرت شاہ یوسف گریزی کا ہاتھ قریب بیعت کے لئے دو سو سال تک باہر نکلا رہا ایک شخص حضرت شیخ صدیق الدین عارف کے منہ کرنے سے کہ یہ غلط تشریع ہے ہاتھ کھڑے نکلنا بدعت ہو گیا ۔ حضرت شاہ یوسف گریزی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں اہل ملتان کی پیشانی دینی خدائے انجام دیں وہاں وہ طالبان حق کی روحانی خدمت بھی انجام دیتے رہے ۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ارادہ دور و دراز تک پہنچے ہوئے تھے اور حضرت شاہ صاحب اپنے در کے خوش زمانہ تسلیم کئے جاتے کیونکہ پنجاب کی سرزمین پر ان کے رشتہ و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا ، سادات گریزی یہ پوچھ ان ہی بزرگوں کی شاخ سے ہیں ۔ حضرت شاہ یوسف کے ایک بیٹے حضرت سید شاہ احمد تھے ، ان کے بیٹے حضرت سید علی احمد تھے ان کے بیٹے حضرت سید شاہ منور تھے یہاں تک کہ لقب حضرت شاہ سپیار ہے اور ان کا مزار مبارک راولپنڈی میں جہانگاہ کے نزدیک چھل گراں نامی ایک ٹیلے پر ہے ۔

جس طرح حضرت شاہ یوسف گریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ولی اللہ گندے ہیں اسی طرح حضرت شاہ منور عرف شاہ سپیار کا مشہور و دور دور تک تھا ۔ آپ نے

عنان کی سکونت ترک کر کے پٹنہ کا رخ کیا تاکہ اس علاقہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا جائے۔ اُس زمانے میں پٹنہ اور اُس کی سرزمین پر گھبراہٹ کا انداز تھا۔ حضرت شاہ منصف شاہ پیمار نے گنگا پریم میں شاندار دینی خدمات انجام دیں۔ آپ چونکہ صاحب کشت بزرگ تھے اس لیے پٹنہ اور اُس کے عقیدت مندوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اور آپ نے موضع پھل گراں کو اپنا مسکن قرار دیا کیونکہ یہ علاقہ ریاست پونچھ اور کشمیر کے بالکل قریب تھا اور حضرت شاہ صاحب پٹنہ اور اُس کے ساتھ ساتھ کشمیر کے نواحی پہاڑوں میں بھی دین کی خدمات انجام دینا چاہتے تھے، سادات گریز پر پونچھ کے مصنفہ شجرہ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ منور حضرت شاہ پیمار رحمۃ اللہ علیہ کا دائرۂ تبلیغ ایک طرف پورے پٹنہ و اطراف اور دوسری طرف پونچھ اور کشمیر تک پھیلا ہوا تھا۔

جناب حضرت شاہ منور زندہ رہے وہ پٹنہ اور پونچھ کی طرف تبلیغی دورے کرتے رہے اس وقت کشمیر پر غالب شاہ میری خاندان کی حکومت کا ابتدائی دور تھا اور کشمیر میں حضرت سید میٹلی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا دربار موجود رہا ہے ہوا تھا۔ حضرت شاہ پیمار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ نقل مکانی کر کے مستقل طور پر کشمیر میں سکونت اختیار کرنا چاہی اور اس کے لئے بادشاہ کشمیر نے کھانا احوال کے نگراں خانے نے کشمیر کی طرف جانے سے انکار فرمایا۔ وہ جتنا عرصہ زندہ رہے پٹنہ اور پونچھ کے علاقہ میں اگر دین اسلام خصوصاً اہل سنت و الجماعت کے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کی آمد سے پہلے پورے پونچھ میں جہالت کا دور دورہ تھا اور یہاں کے مسلمان بہت حد تک دینی قیامات سے بے بہرہ تھے، حیض حضرت شاہ پیمار کا نکال تھا کہ انہوں نے پونچھ کی اس پہاڑی سرزمین میں شیخ اسلام کو فروزاں کر دیا۔ جب انہوں نے وفات پائی تو سفر آخرت کے وقت اپنے تین بیٹوں حضرت سید نظام شاہ، حضرت سید عین الملک شاہ اور حضرت سید منصور شاہ کو وصیت کی کہ وہ پونچھ کے علاقہ میں شغل طور پر قائم رہیں اور اُن کی دینی خدمات سر انجام دیتے رہیں۔ سادات گریز پر پونچھ کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہوئے اندازہ جوتا ہے کہ ان کے اسلاف اس ملک میں مبلغ اسلام اور متاع دین کی حیثیت سے آئے تھے۔ ان کا کام صرف اور صرف یہاں کے لوگوں کو دینی تعلیمات اور رسوم و عادات سے بہرہ مند کرنا تھا اور دینی وجہ تھی کہ وہ لوگ یہاں کے تمام تہذیبوں میں ممتاز اور سرآمد روزگار تصور کئے جاتے تھے۔ پونچھ میں آپ راجا کا دور انتہائی محسوس ہو رہا تھا۔ اس زمانے میں پونچھ کے قابل اس قدر مرعش اور خود مرعش تھے کہ

بھائی بھائی کا خون بہانے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ اس قتل و غارتگری کے دور میں بھی سادات گریز پریم کے لوگ بزرگ اور صاحب الرائے تصور کئے جاتے تھے کیونکہ یہ پوری ریاست میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر گاؤں میں امامت کے فرائض بھی یہی بزرگ سرانجام دیتے تھے۔ اس زمانے میں اگرچہ تعلیم کا اتنا چرچہ نہ تھا تاہم سادات گریز پریم کے بزرگ جہاں جہاں بھی موجود تھے انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں دینی درس گاہیں قائم کر رکھی تھیں اور یہاں ہی بزرگوں کا فیضان ہے کہ پونچھ کے مسلمان انتہائی راخ العقیدہ ہیں۔

موجودہ وقت پونچھ کی تحصیل سھنوتی اور باغ میں سادات گریز پریم کی آبادی بہت کثرت سے ہے۔ تحصیل باغ میں باغ خاص، ہر سیدان، بڑا، پیرستان، گہل، موہری، ڈھنڈی ڈھنڈ، کیاٹ، داڈیائی، ہرنہ میرہ، سرچہ، کوٹھیری، بھناکھ، ٹائیں، سواوہ، کھیل ٹاہل، کیاٹ، ہل سرنگ، جن کوٹ، کرمی، بن گراں، لون، ہوتوہ، جگ لوی، پوچھل چنٹا، رنگہ، لہر کوٹ، ڈھیری، رادی، سنگا، بساڑہ، باڈیار، ہوتوہ پری، چڑالہ ڈھلی، بیٹوٹ، بھگروں، تروہلہ کہتہ وغیرہ میں سادات گریز پریم کی کثیر آبادی موجود ہے اور اس کے علاوہ تحصیل باغ کا کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں سادات گریز پریم کے دوچار گھر آباد نہ ہوں۔ تحصیل سھنوتی میں بتران، تہہ پانی، چھلاڑ، بڑا، حقوڑا، نیربان اور چوکیاں وغیرہ میں بھی سادات گریز پریم کے کچھ گھر آباد ہیں اور تحصیل باغ میں بعض گاؤں ایسے ہیں جہاں صرف سادات ہی آباد ہیں۔

ریاست پونچھ میں سادات گریز پریم کے لوگ جہاں جہاں آباد ہیں یہ حضرت سید منور شاہ عرف شاہ پیمار کے تین بیٹوں سید نظام شاہ، سید عین الملک شاہ اور سید منصور شاہ کی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے ان کی کئی شاخیں ہو گئی ہیں مثلاً سید منصور شاہ کے ایک بیٹے کا نام سید مالک شاہ تھا اس کی شاخ سے جو سادات ہیں یہ مولائ کہلاتے ہیں۔ سید مالک شاہ کے دو بیٹے سید رتن شاہ اور سنگاری شاہ تھے۔ بڑی شاخ کو طول کہلاتی ہے مگر آگے در بزرگوں کی شاخیں رتنال اور سنگاریال کہلاتی ہیں۔ اسات کا نام گویا ان کا عرف عام ہے۔ سید عین الملک کی شاخ عینال کہلاتی ہے۔ عین الملک شاہ کا ایک بیٹا سید جنید شاہ تھا۔ اس کے بیٹے خواص شاہ فرید شاہ سید شاہ اور لعل شاہ تھے۔ ان چاروں بزرگوں سے جو شاخیں الگ

ہوتی ہیں عرف عام میں انہی کے ناموں سے موسوم ہیں۔ حضرت شاہ پیمارا کا تیسرا بیٹا سید نظام شاہ تھا۔ نظام شاہ کا بیٹا احمد شاہ اور اس کا بیٹا مالک شاہ ہوا ہے۔ مالک شاہ کے چھ بیٹے سید عسکری شاہ، سید جنگ دلی شاہ، سید غازی شاہ، سید منظم شاہ، سید دھیر شاہ اور سید یرم شاہ ہوئے ہیں۔ ان چھ بزرگوں کی شاخیں بھی انہی کے اسماء سے موسوم چلی آتی ہیں۔

سید احمد شاہ گریزی سے مل سکتے ہیں۔ سب سے پہلے تحصیل باغ نے سادات گریزیہ کو پوچھ کر ایک انتہائی مبسوط شجرہ نسب مرتب کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اپنے وقت کے بلند پایہ دینی عالم اور انتہائی مشہرت یافتہ سیاسی راہنما تھے۔ آپ نے تذکرہ سادات گریزیہ کو پوچھ میں گریزی سادات کی تمام شاخوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور اس شجرہ کی روشنی میں منشی حسین خاں نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پوچھ میں بھی سادات گریزیہ کا ذکر کیا ہے۔

سادات گریزیہ کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام ہر دور میں اپنی پوچھ کی دینی اور روحانی خدمات سر انجام دیتے رہے ہیں۔ دربار دلی میں حضرت شاہ پیمارا رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہاڑی سرزمین پر آباد مسلمانوں کو دینی تعلیمات، بالخصوص عقائد اہل سنت والجماعت سے روشناس کرایا اور باقاعدہ جگہ جگہ تبلیغی مراکز قائم کرائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ پیمارا رحمۃ اللہ علیہ کا احترام پوچھ کے تمام قبائل کرتے تھے اور اکثر قبائل جب آپس میں محرم کر آ کر ہوتے تو حضرت شاہ پیمارا رحمۃ اللہ علیہ ثالث کی حیثیت سے ان کے درمیان صلح صفائی کراتے اور حضرت شاہ پیمارا رحمۃ اللہ علیہ تمام قبائل تسلیم کر لیتے۔

حضرت موصوف کی وفات کے بعد ان کے تینوں بیٹے حضرت سید نظام شاہ، حضرت سید عین الملک شاہ اور حضرت سید منصور شاہ پختہ شدہ ہدایت میں معروف رہے۔ سادات گریزیہ کی سب سے بڑی جلی کے والی مقامات سے ثابت ہے کہ سادات گریزیہ کا اہلین مرکز تحصیل باغ کا ایک گاؤں مل تھا جو بعد ازاں کے قریب ہے۔ حضرت شاہ پیمارا کے تینوں بیٹے ابتدا میں کلہیں رہنا پسند کیا کرتے تھے اور اس کے بعد ان کی اولاد دیاست پوچھ کے مختلف دیہات میں پھیل گئی۔ موجودہ وقت تحصیل باغ کے قریب سب ہی بڑے بڑے دیہات میں سادات گریزیہ کی آبادی موجود ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سادات گریزیہ کے بزرگ ہی امامت کسم ذائقہ سرانجام دیتے تھے جس کا اثر انہیں کوئی سید نہ ہوتا تھا۔ دوسرے قبیلہ کے لوگ

سید کو لا کر خود آباد کرتے تھے تاکہ ان کی نماز جنازہ جمعہ، عیدین، یلہا سکے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی ایک صف میں یہ بھی ہوتی تھی کہ ان کے بچوں کو دینی تعلیم دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پوچھ کی گریزیہ سادات قبیلہ کا احترام پشت در پشت چلا آتا ہے اور ہر قبیلہ کے لوگ سادات کسم کا بے حد احترام کرتے ہیں۔

دوسرے دور میں حضرت سید نظام شاہ، سید عین الملک شاہ اور سید منصور شاہ کے بیٹوں نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ڈوگرہ دور کے آغاز میں پوچھ کے قریب سب ہی قبیلوں سے جبراً بیکاری جاتی تھی مگر سادات گریزیہ کے بزرگوں کے لئے نہ صرف بیگانہ معاف کی گئی بلکہ ڈوگرہ سرکار میں جن سید صوفیاء و علمائے گریزیہ ملتی تھی اور ڈوگرہ حکمران ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور بعض بزرگوں کو عزت افزائی کے طور پر جاگیریں عطا کر رکھی تھیں۔

سادات گریزیہ پوچھ نے ہر دور میں ہندو یاہ علماء، صوفیاء اور بزرگان عظام پر اپنے ہیں جن کی زیارات اب تک مرجع خاص دعاء ہیں۔ اس بزرگیدہ قائدانہ کے جن میں مشائخ عظام نے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کی ان میں سرآمد و زکا حضرت پیر سید علی شاہ صاحب سوہاوی ہیں۔ آپ کے والد حضرت پیر سید فیض علی شاہ صاحب ہند پایہ بزرگ تھے۔ حضرت پیر سید علی شاہ صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد گل صاحب کھنویاں ضلع ہزارہ سے تعبیر فقہ اور حدیث کی سند لی۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم فقیہ اور پیرکار بزرگ تھے اور آپ کے فیضان سے سو بارہ شریف سادات گریزیہ کا ایک اہم دینی مرکز بن گیا۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت پیر سید محمد ایوب شاہ صاحب سجادہ نشین قرار پائے اور آپ نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر کوشاں دینی اور روحانی خدمات سر انجام دیں۔ حضرت پیر محبوب علی شاہ، حضرت پیر رفیع شاہ، حضرت پیر حاجی حمید اللہ شاہ اس خاندان کے ورثہ بزرگ گذرے ہیں جن کا احترام اب تک پوچھ کے ہر علاقہ کے لوگ کرتے ہیں۔ مولادہ شریفین کے ان بزرگوں نے اپنے اپنے ادوار میں نہ صرف روحانی اور دینی خدمات سرانجام دیں بلکہ تحریک آزادی کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت مولانا سید ظفر حسین ندوی ناظم امور دینیہ آزاد کشمیر پیر سید صادق حسین شاہ صاحب

اور پیر سید رشاد حسین شاہ صاحب اس خانوادہ کے قابلِ فخر بہت ہیں جنہوں نے جہادِ آزادی کئی گھنٹہ میں شاندار کارنامے سر انجام دیئے۔ موجودہ وقت ساداتِ گدیزیہ سوادہ شریف کی نوجوان ایسے وجود ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ آقاؤں کثیر کے مختلف محکموں میں محضرِ عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں سید عبدالرشید صاحب تحصیلدار اور سید بشیر حسین شاہ صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سید بشیر حسین جعفری ساداتِ گدیزیہ کے بلند پایہ ادیب اور اہلِ قلم ہیں۔ انہوں نے جہادِ آزادی کئی گھنٹہ کے موضوع پر پاکستان کے میڈیا کی اخبارات و رسائل میں سینکڑوں مضامین لکھے ہیں اور جہادِ آزادی کئی گھنٹہ پر ایک متوسط کتاب بھی لکھی ہے جو یہ طبع ہے۔

مولانا سید مظفر حسین ندوی کا منہ ایسی بلند پایہ درس گاہ سے نہ صرف فارغ التحصیل ہیں بلکہ وہ ان دس گیارہ سال تک صرف دہنحو کے استاد بھی رہے ہیں۔ مولانا سید مظفر حسین ندوی اپنے وقت کے جید عالمِ دین اور بلند پایہ اہلِ قلم ہیں اور موجودہ وقت کا عالمِ ادب و نیہ آج دیکھ رہے ہیں۔

سوادہ شریف کے پیر خاندان کے علاوہ سر سیدان کے پیر سید نیاز علی شاہ صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر بزرگ گذر رہے ہیں۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دیوبند میں آپ حضرت پیر مر علی شاہ صاحب گوردی اور حضرت سید نور شاہ صاحب کا شمیری کے ہم کتب رہے ہیں۔ اور یہ ان ہی بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا کہ آپ نے دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زندگی کا بقیہ حصہ اہلِ پونچھ کی دینی اور دھانی خدمت میں صرف کیا۔ حضرت پیر سید نیاز علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اس قدر ہیں کہ ان پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

ساداتِ گدیزیہ پونچھ نے زندگی کے تقریباً سب ہی شعبوں میں نام آوری اور شہرت حاصل کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بات بلاشبہ تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ پونچھ کی سر زمین پر تحریکِ آزادی کے رنگ و بار ساداتِ گدیزیہ کے بزرگوں نے ہی پیدا کئے۔ سیاسی طور پر جس عظیم شخصیت نے پونچھ کے لوگوں کو بیدار کیا وہ حضرت سید احمد شاہ گدیزی کی ذاتِ گمراہ ہے۔ آپ تھیں باغ کے ایک غریب کاؤں ہل سرنگ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی اور مزید دینی تعلیم حاصل کرنے

کے لئے ہندوستان چلے گئے۔ آپ نے ہندوستان کی بلند پایہ دینی درس گاہوں سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خلافتِ عظمیٰ کے عظیم المرتبت راہنماؤں سے بھی مراسم قائم کئے اور کافی عرصہ تک مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے ساتھ رہے اور ان کی صحبت نے آپ کو شعاعِ بیان قرار دیا۔ جب حضرت سید احمد شاہ گدیزی اپنے وطن تشریف لائے تو سر زمینِ پونچھ میں ڈوگرہ خاندان کا اتنا دبدبہ تھا کہ اس کے خلاف لب کشائی کرنے والوں کو قتل و گناہ سزا دی جاتی تھی اور ملک میں مکمل سکوت طاری تھا۔ سید احمد شاہ گدیزی نے اپنی آتش فشانی اور شعلہ فاشی سے ریاستِ پونچھ میں سیاسی بیداری پیدا کی اور یہ انہی کی پرکشش شخصیت تھی جس نے اہلِ پونچھ کو سیاسی زبانِ عطا کی۔ سید احمد شاہ گدیزی جو ان کی سیاسی خدمات اور ان کی مجاہدانہ تحریکوں کا دس کتاب میں اپنے مقام پر آچکا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ ساداتِ گدیزیہ پونچھ کے جہالات ایک کتاب کی صورت میں مرتب کئے ہیں یہ ان کی ایک بے مثال علمی خدمت ہے اور ان کا مرتب کردہ شجرہ نسب ساداتِ گدیزیہ میں مستند خیال کیا جاتا ہے۔

حضرت سید احمد شاہ گدیزی ساداتِ گدیزیہ پونچھ کے عظیم سیاسی راہنما تھے۔ جب انہوں نے ملک میں سیاسی تحریکیں شروع کیں تو ساداتِ قید کے سنی اور بزرگوں نے ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا جس میں مولانا سید عتیق اللہ شاہ صاحب فاضلِ دیوبند، سید حسن شاہ گدیزی سید خاد حسین شہید سید کرامت شاہ سید نور شاہ اور سید عادیق حسین شاہ عادل گدیزی سید پیر کبیر شاہ سید مظفر حسین شاہ ندوی سید شمشاد حسین شاہ مرحوم اور سید علی اصغر شاہ مشہور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سیاسی راہنماؤں نے جہادِ آزادی کئی گھنٹہ میں بھی بے مثال قربانی دی ہے جس کا ذکر اپنے مقام پر آچکا ہے۔ تذکرہ واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ساداتِ گدیزیہ نے پونچھ کی سر زمین پر سرور و کار لائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں۔ اور یہ ہر دور میں ملکی اور دینی خدمات میں مصروف رہے ہیں۔ موجودہ وقت دوسرے قبائل کی طرح ساداتِ گدیزیہ کے بزرگ بھی ملک کے تمام محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور ان میں بہت سے حضرات تعلیم یافتہ بزرگوں

لارگرہوٹ اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر بھی موجود ہیں۔

سادات گروزیہ میں جن شخص نے سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم حاصل کی وہ سید نور محمد شاہ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق نچ اور لیٹرنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ آپ نے بھی اعلیٰ لکھ سے ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کیا تھا۔ ڈاکٹر دود میں آپ پبلک پرائیکٹس رہے اور ۱۹۳۷ء میں کچھ عرصہ باغ بینج بھی رہے۔ اس سے بعد آپ لائچ میں بحیثیت سپرنٹنڈنٹ پولیس تعین ہوئے اور اس عہدہ سے نیشنل پریشاں ہوئے۔ آپ کا شمار پونچھ کے اولین تعلیم یافتہ حضرات میں ہوتا ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے پاکستان بحریہ میں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کی اور انہیں امریکہ کی ایک یونیورسٹی نے مزید تعلیم کے لئے وٹاں بلایا ہے۔

سادات گروزیہ کے بہادر اور مجاہد ہمیشہ نوجوانوں نے جہاد کی کشتی میں بھی بے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور یہ تقریباً سب ہی محاذوں پر سرخرو دکھانے والے رہے ان میں جن حضرات نے ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں بحیثیت عہدیدار شمولیت اختیار کی ان میں میر سید محمد بابا بیگ شاہ۔ لیفٹنٹ سید نور شاہ نور۔ لیفٹنٹ سید اکبر شاہ۔ سولیدر سید لوب شاہ آف انڈر وٹ۔ اور عائدہ بھر سید میر احمد شاہ مجاہد دل سوار محمد عبد القیوم خان کے اولین ساتھیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں سرخرو دش مجاہد اس وقت مجاہدوں کے ساتھ شامل ہوئے جب مجاہدوں نے دھیر کر کے قحطی پر حملہ کر کے جہاد کا آغاز کیا تھا۔ سید میر شاہ تحصیل باغ سے غریب محاذوں سے لے کر پونچھ کے محاذوں تک جہاد میں شریک رہے اور ان مرتبہ فوجی ہوئے۔ آپ نے کشمیر کی جنگ آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا اور اس سال تک متواتر مجاہدین کو جنگی تربیت بھی دیتے رہے۔ لیفٹنٹ سید نور شاہ نور اور لیفٹنٹ سید سید اکبر شاہ کی جنگی فرائض سمجھا قابل واد ہیں۔ ان کے علاوہ سادات گروزیہ کے نوجوان مجاہد سینکڑوں کی تعداد میں جہاد آزادی کشمیر میں شریک رہے ہیں۔ جہاد آزادی کشمیر شروع ہونے سے پہلے تحصیل غازی باغ کے مسلمانوں کو ڈاکو فوج کے مظالم سے بچانے کے لئے سادات گروزیہ کے نامور فرزند سید محمد صدیق شاہ مرحوم نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ آپ ۱۹۴۷ء کے بعد محکمہ مال میں انٹیلی

بھی رہے ہیں۔

سادات گروزیہ پونچھ نے ۱۹۴۷ء کے بعد دوسرے قبائل کے دوش بدوش شاندار ترقی کی ہے۔ اس وقت آزاد کشمیر کا کوئی بھی سرکاری محکمہ ایسا نہیں ہے جس میں سادات گروزیہ کی نمائندگی نہ ہو۔ محکمہ تعلیم آزاد کشمیر میں پروفیسر سید فیض حسین شاہ ایم۔ اے معاشیات پر پروفیسر مولوی صادق حسین شاہ ایم۔ اے اسلامیات۔ ایم۔ اے اردو۔ ایم۔ اے عربی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محکمہ مال میں سید محمد سعید شاہ۔ سید خلیل حسین شاہ۔ سید فیض شاہ سید الطاف حسین شاہ۔ سید کرمات حسین شاہ اور سید اقبال حسین شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محکمہ مال میں سید محمد سعید شاہ۔ سید عبدالرشید اور سید شوکت شاہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح محکمہ زراعت۔ محکمہ جنگلات۔ محکمہ پولیس۔ محکمہ صحت۔ محکمہ ٹرانسپورٹ وغیرہ آزاد کشمیر کے تقریباً سب ہی سرکاری شعبوں میں سادات گروزیہ کی نمائندگی موجود ہے۔ سادات گروزیہ میں جن نوجوانوں نے ایل۔ ایل۔ بی کیا ہے ان میں سید فیض حسین شاہ بارایت۔ لار سید فیض حسین شاہ اور سید محمد سعید شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سادات گروزیہ میں اس وقت قرآن مجید کے حافظ۔ قاری اور پنداریہ علماء کرام موجود ہیں اور بیسویں نوجوان دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

عقائد کے لحاظ سے پونچھ کے تمام سادات گروزیہ اہل سنت والجماعت کے تعلق رکھتے ہیں البتہ تین چار افراد شیعہ ہیں لیکن وہ بھی سنی شنائی شیعہ کہلاتے ہیں۔

سادات گروزیہ پونچھ کے جن بزرگوں نے ملک کی روحانی خدمت کی ان میں حضرت پیر زار شاہ صاحب کٹر سیرت بلبل۔ حضرت پیر سید علی شاہ صاحب مولانا شریفین۔ حضرت پیر عبد شامیہ صاحب اور حضرت پیر سید شاد حسین شاہ صاحب مولانا شریفین قابل ذکر ہیں۔ ان اولیاء اللہ کے کلمات اب تک راج خاص و عام ہیں۔

نارمہ راجپوت

نارمہ راجپوت قبیلہ پونچھ کے ستریز ترین قبائل میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی دینداری کے باعث ریاست پونچھ میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اس قبیلہ میں کئی ذی وقار علمائے دین۔ حفاظِ قرآنِ کریم اور قاری حضرات موجود ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ماضی میں بھی شاندار دینی روایات کا حامل رہا ہوگا اور پچھلے زمانے میں بھی اس قبیلہ میں علمائے دین گزرے ہوں گے۔ اس قبیلہ کے شجروں میں جو روایات سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں ان سے ثابت ہے کہ اس کے اکابرین ساڑھے آٹھ سو سال سے تحصیل باغ کے وسطی حصہ میں آباد چلے آتے ہیں اور جب ان کا مورث اعلیٰ اس علاقہ میں وارد ہوا تو وہ مسلمان ہی تھا۔

نارمہ قبیلہ کے بارے میں منشی محمد دین فونی نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں انتہائی مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں اور اس سلسلہ میں تاریخ راجپوتانہ پنجاب۔ تاریخ راجگان جنوں شفیق اور تاریخ شاہان گجر کے حوالے دیئے ہیں۔ مگر واقعات کتبے وقت فوق صاحب نے اس میں ربط برقرار رکھنے کی طرف کم توجہ دی ہے۔

جہاں تک لفظ نارمہ کا تعلق ہے یہ مسئلہ بات ہے کہ نارمہ راجپوت قوم ہی کی ایک شاخ ہے کیوں کہ نارمہوں میں اب تک چند نارمہ بھی موجود ہیں اور جن اکابرین نے دین اسلام قبول کیا ان کی شاخ کے افراد بھی لقب نارمہ سے ہی موسوم ہیں اور اس کا ثبوت راجپوتوں کی کئی تاریخ بھی ایسی نہیں جس میں موجود نہ ہو لیکن اصل سوال جو اس دقت ہمارے سامنے ہے یہ ہے کہ نارمہ قبیلہ کا سب سے پہلے کون بزرگ مسلمان ہوا اور اس قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا رد و پونچھ میں کب ہوا؟

مذکورہ سوالات پر غور کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ہی ذرائع ہیں۔ اول نارمہ قبیلہ کی وہ موروثی روایات جو اس قبیلہ میں تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال سے سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں اور دوم وہ مطبوعہ شجرہ جس میں نارمہ قبیلہ کی موجودہ شاخوں تک نام درج ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم ان دو ذرائع پر غور کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راجپوتوں کی اس شاخ پر روشنی ڈالیں جس سے نارمہ قبیلہ الگ ہوتا ہے اور جس کا تعلق میر پور کوٹھی، جھمر برادر پونچھ سے ہے۔

معصفت تاریخ راجپوتانہ پنجاب اور راجگان جنوں دشمیر نے نارمہ اقوام کو راجگان انہ۔ رایان کی ایک شاخ ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہ رایان راجہ جگدیو والے اکسور کی شاخ سے ہیں اور راجہ جگدیو راجہ بھوج سوم کی پانچویں اور راجہ بھوج دوم کی چودھویں اور ہمارا بھوج اول کی سولہویں پشت سے تھا اور راجہ جگدیو کے عہد کو تقریباً سات سو اور راجہ بھوج دوم کے عہد کو تقریباً نو سو سال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ راجہ بھوج تین چار گز رے ہیں۔ نارمہ قبیلہ کا خیال ہے مہسا کہ فوق صاحب نے تصریح کی ہے کہ نارمہ مسلمان پہنچنے کا مورث اعلیٰ راجہ بھوج ہی ہے اور غالباً یہ بھوج سوم ہی جو سکتا ہے مگر ان واقعات کے ساتھ یہ پہلو سامنے آجاتا ہے کہ نارمہ مسلمانوں کا وہ کون سا بزرگ تھا جو پونچھ کی طرف آیا کیا بھوج سوم کے علاوہ بھی کوئی بھوج گزرے۔ اس کے لئے جب ہم نارمہ خاندان کے مطبوعہ شجرہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نارمہ خاندان پونچھ کے مورث اعلیٰ دہلی خان کی دسویں پشت میں بھی ایک بھوج خان ملتا ہے جس کا شجرہ اس طرح ہے۔ دہلی خان، بن نارمہ خان، بن جگدیش خان، بن حسین شیر خان، بن سلیمان خان، بن جام خان، بن کلیم خان، بن سلیم خان، بن ابوالخان بن بھوج خان۔ بھوج خان کے آگے دو بیٹے برخان اور بھدی خان ہوئے۔ بن جن کی شافیں اس وقت تحصیل بانہ کے دہلی دیہات کفل گڑھ۔ لور۔ ادلیہ۔ رحمنو نہار۔ جھڑ۔ مندی۔ بھی سارمنڈل۔ جھڑ۔ پس جھولہ۔ نکیر۔ مخدوم کوٹ۔ مری۔ پور وغیرہ میں آباد ہیں۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بھوج خان پہلے مسلمان ہوا ہے تو یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ شجرہ کے لحاظ سے یہ قرب العہد ہے اور اس کے عہد کو موجودہ وقت تک ساڑھے آٹھ سو سال نہیں ہوئے اس کے علاوہ یہ بھوج خان دہلی خان کی دسویں پشت سے ہے اور دہلی خان کے بارے میں نارمہ قبیلہ کی روایات میں ہے کہ یہ سب سے پہلے علاقہ دہلیہ میں آباد ہوا تھا اور اس علاقہ کا نام بھی اسی وجہ سے دہلیہ شہور ہے۔ نارمہ قبیلہ کے مطبوعہ شجروں میں دہلی خان کے بعد نارمہ خان

کانام آتا ہے اور تارخان کی توہین پشت میں بھوج خان درج ہے۔ اگرچہ کچھ کے نارمہ قبیلہ کو نارمہ خان سے مناسبت دے کر یہ تسلیم کیا جائے کہ چونکہ دولہی خان کے بیٹے کانام نارمہ خان تھا اس لئے تحصیل بانا میں جو نارمہ قبیلہ آباد ہے ان کے نام سے موسوم ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس طرح تو نارمہ قبیلہ اسی قبیلہ کا ہونا چاہیے تھا جو تحصیل باغ میں ہے حالانکہ نارمہ میں اب تک ہندو بھی موجود ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے اور میر لپر کوٹی۔ جھمبر اور کھاریاں وغیرہ میں بھی مسلمان نارمہ آباد ہیں۔ اس سلسلہ میں انہم نے وہ کتابیں دوبارہ دیکھی ہیں جو حالہ فوق صاحب نے دیہا ہے ان کے ساتھ ساتھ تمام قلم نے ٹاڈ راجستان، دق راجستان، تارنخ گرجہ تارنخ پنجاب، رسیان پنجاب، پنجاب راجا، تارنخ اکنور، تارنخ جہلم، سٹینٹ رپورٹ۔ نارو ال ایلینٹ ایراکٹ پنجاب۔ تارنخ لاہور وغیرہ کی ورق گردانی کی ہے۔ ان کتب میں جا بجا نارمہ راجپوتوں کا ذکر ملتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نارمہ نام بہت پرانا ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب کے راجپوتوں کے حالات پر روشنی ڈالنے والی درستی کتابوں کا مطالعہ کیا اگر نارمہ خاندان کے مزید حالات مل سکیں، لیکن اس تحقیقات کے بعد یہ بات واضح ہو چکے کہ نارمہ راجپوتوں کی ایک شاخ کانام ہے، راجپوتوں کی تقریباً چھوشا فیس ہیں جن میں ایک نارمہ بھی ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ نارمہ راجپوت راجگان انہریاں سے تعلق رکھتے ہیں، خاندان انہریاں کی وجہ سے اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ انہریاں اکنور ضلع جوں میں ایک گاؤں تھا اور اس کے باشندے انہریاں کہلاتے تھے۔ اس خاندان کا ایک رئیس راجہ پال راجہ رنجیت سنگھ دیو والے جہوں کے عہد میں موجود تھا، اس نے اپنا گاؤں انہریاں اپنے پاس رکھ کر باقی تمام علاقہ راجہ رنجیت دیو کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ خاندان اکنور میں آباد ہونے کے باعث اکنور میں بھی کہلاتا تھا، نارمہ کی وجہ سے یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ انہریاں کے کچھ لوگ کوٹلی کے علاقہ نزہہ میں بستے تھے اس لئے ان کا نام نزہہ کے سبب سے نارمہ پڑ گیا ہے، لیکن یہ قیاس بھی درست نہیں اس لئے کہ غلط نارمہ اس سے بہت پرانا ہے اور یہ راجپوتوں کی ایک شاخ کے لئے استدعا ہوا ہے، ان تمام میں پر روشنی ڈالنے سے جنتیہ پرکھ جلا ہے یہ کہ نارمہ بہت قدیم نام ہے اور یہ راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ہے، اس کے بارے میں ازخود یہ طے کرنا کہ یہ کسی بزرگ کام تھا کسی لیے مقام کا نام تھا یا جو راجپوتوں کا یہ خاندان آباد تھا اور اس وجہ سے یہ نارمہ مشہور ہوا غلط ہے البتہ یہ مسئلہ امر ہے کہ نارمہ خاندان کے لوگ راجپوت ہیں اور یہ ہندو بھی

ہیں اور مسلمان بھی، شذ کوہ واقعات کے ساتھ ہم اس پہلو پر بھی توجہ دیں گے کہ نارمہ خاندان پر کچھ کتب سے آگاہی اور ان کے پاس جو روایت ہیں سب سے پہلی آگاہی ان کی تاریخی حیثیت و نوعیت کیا ہے، جہاں تک نارمہ قبیلہ کی اپنی دیہات کا تعلق ہے جیسا کہ فرق صاحب نے بھی وضاحت کی ہے کہ وہ گذشتہ ساڑھے آٹھ سو سال سے یہاں ہیں آباد ہیں اور جب ان کا مورثا علی اس علاقہ میں آباد ہوا تو وہ مسلمان ہی تھا۔ اس روایت سے یہ قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ نارمہ قبیلہ کو یہ پور کوٹی وغیرہ کے مورثا علی نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں دین اسلام قبول کیا اور نارمہ قبیلہ کی جو شاخ تحصیل باغ میں آباد ہے ان کا مورثا علی سلطان شہا بد الدین غوری کے عہد میں اس علاقہ میں آکر آباد ہوا اور اس کا پہلا وطن پنجاب الائیجا تھا ہے۔ اس بات کا تائید سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہا بد الدین غوری کے احوال پر روشنی ڈالنے سے یہی ہوتی ہے کہ وہ اس زمانے میں ہزاروں راجپوتوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ نارمہ راجپوت خاندان سے جو کچھ ہندو گھس لیا اس لئے ہیں دین اسلام قبول کیا اور مسلمان ہوئے گئے باوجود اس کی شاخ پنجاب کہلاتی رہی جیسے کہ کچھ مل، منہاس وغیرہ تو گرجہ جہاں ان اور منہاسوں میں بھی اب تک ہندو راجپوت جو ان خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں منہاس اور جہاں ان کی کہلاتے ہیں اور جو مسلمان ہو گئے ان کا لقب بھی یہی ہے۔

خشئی محمد دین فوق نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پر کچھ نارمہ قبیلہ پر کچھ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن وہ واقعات میں ربط و ربط پر غور نہیں رکھ سکے، انہوں نے حوالے بھی دیئے ہیں لیکن وہ بتا نہیں سکے کہ ان خاندان کے ذریعہ کیا کیا بچا ہے جس پر یہ وجہ ہے کہ فرق صاحب کی تحریر سے نارمہ بلوری کے حالات پر کچھ روشنی نہیں پڑ سکتی بلکہ انہوں نے واقعات کو عبارت آرائی میں الجھا دیا ہے، تاہم قبیلہ کچھ کے حالات پر سرگز قبیلہ پر کچھ کے تاریخی واقعات بھی کافی روشنی پڑتی ہے مولوی عزیز ماحسن سکس ہرن میر نے سرگز قبیلہ کے حالات پر کافی تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے اندازہ چلتا ہے کہ قبیلہ سرگز میں سرگز قبیلہ کے مروج سے پہلے نارمہ قبیلہ آباد تھا لیکن اس قبیلہ کی آبادی میں ہلائی تھان دیکھی بلکہ یہ سمجھئے جوئے سے مولوی عظیم عالم خان کے بیان کردہ واقعات سے لحاظ اندازہ ہوتا ہے کہ کوٹی جھمبر اور میر پور تک اس وقت نارمہ قبیلہ کی آبادی تھی اور اس قبیلہ کی ایک شاخ تحصیل سرگز میں منتقل دیہات میں آباد ہو کر اس شاخ کے بزرگ تحصیل سرگز کی حکومت ترک کر کے باغ میں دھکی میں آباد ہوئے ہیں۔

نارمہ قبیلہ کا جو ملوہ شجر ہوائے ساہنے سے اس میں ایک نام رکھی ہوئی ہے، وہی خان کاٹل بھگت شیر خان ہے جو کہ کہیں سے کہیں کہا جاتا ہے کہ اس نے قبیلہ باغ میں اقامت اختیار کی تھی، سرگز قبیلہ کی ذیابات سے اس بات

کا ثبوت بھی مل جاتا ہے کہ بھاگ شیرخان نے تحصیل سمنوئی کی سکونت ترک کر کے اجنبیاں بھاگیاں کی سکونت اختیار کی چونکہ دیہات
 سے اس نے کٹھن کھار کا رخ اختیار کیا ہوگا مگر حال قبیلہ باغ کی نام نہ برداری واضح ہے بھاگ شیرخان کی نسبت سے بھاگل پور
 کہلاتی تھی لیکن ان کا اصل نام نارمہ ہی ہے جو صدیوں پہلے ان کے اور قبیلہ اسی نام سے مشہور ہے۔

سمنوئی روایات کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جس زمانے میں تحصیل سمنوئی میں سمنو قبیلہ نے
 عروج حاصل کیا وہ تقریباً سلطان محمود غزنوی کا عہد تھا اور جب بھاگ شیرخان نے تحصیل سمنوئی کی ترک کی
 تقریباً شہنشاہ الین غوری کا عہد ہو سکتا ہے دو ملی تھانہ سے لے کر نارمہ قبیلہ کی موجودہ شاخوں تک اگر حساب کیا جائے
 تو تقریباً پندرہ پشتیں ہوتی ہیں اور شجرہ کی رو سے پر پشت ساٹھ سال تک شمار ہوتی ہے اس طرح بھی ان کے باغ کی
 طرف کا زمانہ بھی بتا ہے، بہر کیف نارمہ برداری کا موجودہ طور پر پتہ اور دینی اسلام سے کچھ ہمن دیکھ کر گھڑا جتنا
 ہے کہ اس قبیلہ کے چورنگ مشرق بہ اسلام ہوئے انہیں دینی اسلام سے گہرا لگاؤ تھا اور یہ جذبہ پرشت پرشت
 اسی طرح ہی میں منتقل ہوتا رہا ہے۔

پونچھ کی سرزمین کے محبوب و غریب نارمہ کی ادارہ دیکھتے ہیں، ماضی میں اس ملک پر ہندو راجے تھے مگر جب
 سکھوں نے ہندو اقتدار کا خاتمہ ہوا تو شیہر و اسلامی حکومت قائم ہو گئی اور ایک طویل مدت تک شاہ میری خاندان
 کا پرہم ہندو راجہ اس کے بعد چک خاندان پر سارا اقتدار آیا بالآخر ۱۵۸۶ء کے قریب اکبر بادشاہ نے پونچھ کے علاقہ سمیت پورے
 کشمیر کو مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ قرار دیا، مغلوں کے بعد غیر اور پونچھ پر افغانوں کا دور آیا اور بالآخر سکھوں نے
 کشمیر و پونچھ پر لیا، اس طویل دور میں سرزمین پونچھ کی سیاسی، اقتصادی، معاشی اور مذہبی صورت حال کیلئے اس پر
 روشنی ڈالنا مشکل ہے البتہ سکھوں کے زمانہ میں پونچھ میں جو آپ راجہ قائم رہی اس کی دورنگ داستانیں اب تک
 زبان زد عام ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ اس اخراجی کے دور میں دوسرے قبائل کی طرح نارمہ قبیلہ بھی متاثر ہوتا
 رہا ہے۔ آپ راجہ میں اس قدر بدلتی اور طوائف الملکی پیدا ہو چکی تھی کہ ہر قبیلہ کا طاقتور سردار اپنے گاؤں میں
 خود مختار حکمران کہلاتا تھا اور وہ اپنے گاؤں کے سپاہ و سفیر کا مالک ہوتا تھا، بعض حریت قبیلے آپس میں ایک
 دوسرے کو زیر کرنے کے لئے جنگ بھی شروع کر دیتے تھے اور ہر ایک آتش زنی اور غریزی جاری رہتی تھی
 اس تباہ کاری میں پیشہ لوگوں کے مکانات جلتے رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ پونچھ کے اکثر قبیلوں کی خاندانی تحریک
 اس دور میں تلف ہو گئیں اور بعض قبائل اس سبب سے اپنے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں کر سکتے۔

نارمہ قبیلہ کی آبادی والے دیہات ہیں بعض پہلے کوٹوں یعنی قلعوں اور دیہوں کے آسپاں تک پہنچ جاتے ہیں

جسے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے سردار بھی اپنے اپنے اقدار میں بکھرا گئے اور وہ دیہوں اور قلعوں میں رہائش
 رکھتے تھے اور جب ان کے حلقوں پر کوئی دوسرا قبیلہ حملہ کرتا تھا تو یہ سردار اپنے تحفظ کے لئے یہاں سے ہٹ کر پڑتے تھے۔
 نارمہ قبیلہ کے مغربیہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ ۱۵۷۶ء کے قریب جب ہمایوں غلاب سنگھ نے پونچھ پر حملہ کر کے اپنے داخلہ جانے کی
 کوشش کی اور پونچھ کے طاقتور قبیلوں نے ڈوگرہ شکر کاٹھ بھاگیا تو نارمہ قبیلہ کے سردار بھی اپنے اپنے اقدار سے جتنے بڑے ڈوگرہ
 کے خلاف متحکم ہوئے۔

۱۸۹۹ء میں جب راجہ راجا خان سمنوئی نے ہمایوں کے خلاف حقوق ملکیت کی تحریک شروع کی تو دوسرے قبیلوں کی
 طرح نارمہ قبیلہ کے صاحب اولے کے سردار بھی ہمدردانہ طور پر خان کے معاون رہے، اس کے بعد جب ۱۹۳۱ء کے قریب سکھ
 سرزمین پچاسی کی تحریک کا آغاز ہوا اور ان تحریکوں کے اثرات پونچھ تک پہنچے تو ڈوگرہ و مغلام کے خلاف دوسرے
 قبیلوں کی طرح نارمہ قبیلہ نے بھی ہمدردی کا اعلان کیا اور اس دور میں مولانا محمد عبداللہ خان غل غل کی مدد سے
 امیر عالم خان قاضی دیوبند نے نہ صرف اپنے قبیلہ کو سیاسی طور پر مدد کر کے شلم کیا بلکہ پونچھ کے طول عرض میں ایک
 تحریک پیدا کر دی، اسی دور سے تعلق رکھنے والے اس قبیلہ کے ایک بزرگ مولانا عالم دین بھی خاص طور پر قابل ذکر
 ہیں جنہوں نے شاملہ دینی خدمات سر انجام دیں۔

۱۹۳۱ء کے کوئلہ تک نارمہ قبیلہ تحصیل باغ نے تحریک کے اوج پر پہنچنے کے لئے گراں قدر خدمات انجام
 دی ہیں اور اس قبیلہ کے ماہر نامہ سیاسی رہنماؤں مولانا محمد عبداللہ خان غل غل کی مدد سے مولانا امیر عالم خان غل غل
 دیوبند اور سردار عبداللہ خان نے اپنی پونچھ کو اختیار کیے لئے تیار کر کے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۴۷ء میں جب ہمایوں پر سکھوں نے پونچھ کو دوبارہ قبیلوں باغ اور سمنوئی کو اپنا امان کرنے کے لئے اپنی فوج
 بھیجی اور اس فوج نے قبیلہ دونوں کے خلاف ہرے شورشیں کیں تو دوسرے تمام قبائل کی طرح نارمہ قبیلہ بھی بے حد متاثر ہوا بلکہ
 ڈوگرہ سپاہیوں کے ایک دستے نے باغ کی طرف جلتے ہوئے گاؤں گیل کے قریب نارمہ قبیلہ کے دوا فرادیشی منیجنگ
 دوا فرام خان کو گولیوں سے شہید کر کے سردار عبداللہ خان کو گھیر کر بھیج دیا اس لحاظ سے شہر کی جنگ گراماں میں ناگزیر
 کی قربانی کا دلالت کا دورہ حاصل ہے۔

اسی دوران نارمہ قبیلہ کے اپنے نافرور مولانا امیر عالم خان نے ڈوگرہ فوج اور سکھوں کے خلاف باغ میں باقاعدہ جہاد
 کا اعلان کیا اور اس طرح باغ کی تحصیل میں ڈوگرہوں کے مخالف کے خلاف مسلمان اتحادیوں نے شروع ہو گئے جنگ ۱۹۴۸ء میں
 گورنری کے مطالبہ پر جہاد آزادی کشمیر کے لئے جہاد کا وہ ایک فارغ نسل بنائی گئی اس میں بھی نارمہ قبیلہ کی طرف سے

مولوی نور حسین خان۔ محمد اشرف خان بی۔ اے۔ سی۔ ٹی۔ محمد حیات خان۔ محمد اسرار خان اور محمد شمس خان خاص طور پر تاج، دیکرین تحصیل بانگے نامہ قبیلہ کی طرح نامہ قبیلہ ضلع میر پور۔ کوٹلی اور جھمبر نے بھی ہریان میں شاند ترقی کی ہے۔ تحصیل بانگے نامہ قبیلہ وری میں اس وقت کئی سیاسی رہنما موجود ہیں جن میں مولانا فتح عالم خان۔ سردار بشیر خان سکسٹھ گنگوہ۔ راجہ سہیل خان بی۔ اے۔ ایل۔ بی۔ ڈیول اور مولانا امیران خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اور کئی تعلیم یافتہ نوجوان بھی سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں جن میں راجہ محمد اسلم خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تحصیل بانگے نامہ قبیلہ اس وقت ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ اس قبیلہ کے تعلیم یافتہ بزرگوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و رتوں کے پیش نظر ایک راجہ ایجوکیشن سوسائٹی بھی قائم کی ہے تاکہ زیر تعلیم نامہ طلباء کی مالی مدد کی جاسکے۔ نامہ ایجوکیشن سوسائٹی نے نامہ قبیلہ کو متحد کر رکھا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کا مستقبل تابناک ہو گا۔

نامہ قبیلہ کے کئی نوجوان اس وقت فوج میں بھی اعلیٰ عہدوں پر ہیں جن میں سید محمد علی خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ بنگال کی لڑائی میں ہندوستان کے قیدی بھی رہے ہیں۔ پاکستان کے مختلف محکموں میں نامہ قبیلہ کے کئی حضرات موجود ہیں جن میں راجہ عقیق احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محکمہ مال میں راجہ محمد ارخان اور راجہ محمد زین خان خاص طور پر تاج، دیکرین۔ محکمہ جنگلات میں راجہ عبداللہ خان ایک نہایت مخلص اور نوجوان ہیں جو دینی رجحان رکھتے ہیں۔ راجہ عبدالجبار خان بھی اس قبیلہ کے جو نہار نوجوان ہیں جو سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

(ڈھونڈ) عباسی قریشی

ریاست پونچھ کا نامہ قبیلہ ڈھونڈ عباسی قریشی تحصیل بانگے نامہ غریبہ میں آباد ہے اور اس قبیلہ کی جو آبادی راولپنڈی کی تحصیل میں رہی کبوتر اور ضلع ہزارہ میں ہے اس کی تعداد تقریباً ۱۰۰ لاکھ تک شمار کی جاتی ہے۔

آزاد خیبر کے موجودہ صدر حکومت جناب مجاہد مل سردار محمد عبدالقیوم خان کا سحرنا در بلوچا قبیلہ کے قابل فخر خاندان میں جنہوں نے پاکستان میں دو دفعہ حکومت کے خلاف جہاد آزادی کا آغاز کر کے مجاہدوں کا لازوال خطاب حاصل کیا۔

جہاد آزادی کے انگریزوں کی ریاست پونچھ تحصیل بانگے نامہ غریبہ میں قبیلہ کے چند شاخہ کا نام ہے سرانجام دیئے اور اس قبیلہ کے بہادر فرزندوں نے بے سرو سامانی کے عالم میں جہاد شروع کر دیا اور جنگ شروع کی اس کی مثال دنیا کی جنگی تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔

عباسی قبیلہ پونچھ اور عباسی قبیلہ کوہری ہزارہ کے اسلاف کب اور کس زمانے میں ملا سحرنا آئے اور انہوں نے امرتسر کے کیا گیا انشعبہ دھارونیکے اس بارے میں فوق صاحب نے ایک کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں کافی تحقیقی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ بعض انگریز معنفوں مثلاً ٹیپن گریفن اور جی جی ڈی وغیرہ نے ان کے بارے میں جو حقائق کا اعلیٰ تائید کیے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ فوق صاحب نے انگریز اور بعض دوسرے معنفوں پر جو جائز اعتراضات کیے ہیں ان کی صفوں پر منتقل ہیں۔ وہاں آئندہ قریشی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

پونچھ اور راولپنڈی کے عباسی قریشیوں کا جو ڈھونڈ کہلاتے ہیں یہ قلعین صاحب آئندہ قریشی نے عامل کی ساتویں پشت کے ایک نامہ قریشی خزانہ سے لایا ہے۔ عامل کا نسب نامہ اس طرح ہے، عامل بن تاخت بن سید مرید عبداللہ بن محمد بن حضرت عباس۔ صاحب آئندہ قریشی کہتے ہیں کہ خزانہ بن ہرات سے کھیرائے۔ وہاں کچھ غرض قیام کرنے کے بعد ملازمت لہری کے ایک موضع دلوٹ میں جو کہ ہوش کے قریب ہے آباد ہو گئے۔ عباسی قبیلہ کی روایات میں ہے کہ جب خزانہ تحصیل کوٹ سے اس گاؤں میں آئے تو ان کا بیڑا لایا ہی خان بھی ان کے ساتھ تھا جب انہوں نے اس دیوان میں کو صاف کر کے یہاں رہائش رکھی تو یہاں اپنی مخالفت کے لئے ایک محمد نامہ کان تعمیر کرایا جسے اس زمانے میں کوٹ کہتے تھے۔ یہ جگہ کافی عرصے تک خزانہ کوٹ کے نام سے مشہور رہی مگر بالآخر بانوں پر چڑھتے چڑھتے اس کا نام راب کوٹ ہو گیا۔ اور بعد از وقت اس کوٹ کو دلوٹ بھی سمجھتے ہیں، لیکن ایک دوسرا روایت

میں ہے کہ جب خراب خان اس مقام پر آدھونے کو اس مقام پرلن سے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام کاہی تھا
 رکھا گیا اور اس کے شیردادا ہونے کی بشارت ایک بزرگ نے دی، صاحب آئینہ مرآۃ کہتے ہیں کہ کاہی خان کے
 ہاں کھنڈر خان، تنزی خان، سرازہ، ہس، دہوس، باران ہزارا، ہجر کمال، سالال، کول، آگرہ حاکم موسم
 نامی بارہ فرزند پیدا ہوئے اور انہی بارہ فرزندوں کی شائیں راولپنڈی کی تحصیل مری، شعل ہزارہ، تحصیل بارہ کے فری
 حصہ میں آباد ہیں۔ آئینہ مرآۃ میں کھنڈر خان کا شجرہ نسب، پشتون بدھ حضرت عباس سے ملایا ہے، کھنڈر
 خان کی چھٹی پشت سے ڈھونڈر خان نامی ایک سردار پیدا ہوا جس کی شاخ کے تمام افراد اس وقت پونچھ کی تحصیل
 باغ اور راولپنڈی کے علاقہ کوہری اور ضلع ہزارہ کے کئی دیہات میں آباد ہیں۔ ڈھونڈر قبیلے نے بڑے بڑے
 نامور فرزند پیدا کئے ہیں اسی ڈھونڈر خان کے نام سے موسوم ہے اور اس کے باوجود ڈھونڈر خان قریبی اصل تھا
 اس کی شائیں غریباولی کے باوث اپنے اصل حالات تحقیق کر سکیں۔ غنوی خان جس کے نام سے ہزارہ کی تنزی بلوکی
 موسوم ہے اور سرازہ خان جس کے نام سے اسی علاقہ میں لاکوں لوگ موسوم ہیں کاہی خان کے فرزند بتائے جاتے ہیں۔ ڈھونڈر
 خان کی آٹھویں پشت سے کوہک خان نامی ایک بزرگ گذرے ہیں جن کے دو فرزند رتن خان اور چند خان تھے۔ ان
 دونوں بزرگوں کے مزارات چمن کوٹ میں مڑکے متصل واقع ہیں۔ ان دو بزرگوں کی شاخ تحصیل باغ کے مریہ
 میں آباد ہے اور انہی کے ناموں سے موسوم ہو کر چنڈل اور نال بکھاتی ہے۔ رتن خان کی شاخ زیادہ تمدنی ہے جہلم
 کے ساحلی علاقہ میں آباد ہے اور اس شاخ کے کچھ افراد تحصیل مری، کوہری اور ضلع ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔ چند خان جو کہ
 بڑا تھا اور جس کے نام چمن کوٹ آباد ہے اس کی شاخ تحصیل باغ کے کئی دیہات میں آباد ہے۔ اس قبیلہ میں ایک
 سوہن خان اور ڈھونڈر خان دو ولی اللہ گذرے ہیں جن کے مزارات مرجع خاص دوام ہیں اور سورما کی کشتی
 تحصیل کوہ مری کے کئی دیہات میں آباد ہے۔

چند خان کے بیٹے جگن خان، ادب خان اور چندر خان ہوتے ہیں۔ جگن خان کی اولاد چنڈل، نازکھوٹ،
 ہولہ ہار، سیسر، گھٹل، ریلہ، ہس اور سورماہ شریف زینہ شہر آباد ہے۔ کچھ چندر خان کے بیٹے اجڑی، جہو
 خان اور چندر خان ہوتے ہیں۔ اجڑی خان کی شاخ چمن کوٹ، ہل سڑک، چھائی، ڈھیر، سیگڑ، بھڑا اور قبلہ شاہ
 وغیرہ میں آباد ہے اور فاضل صاحب سردار کے حکم خان رئیسہ علی چھائی، سردار فضل اور خان اور محمد علی خان کی
 شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ جہو خان کی شاخ باڈی اور ڈھیرہ میں آباد ہے۔ چندر خان کے فرزند چندر خان کی شاخ
 گنہی وغیرہ میں آباد ہے۔

غنوی محمد دین فرق نے اپنی کتاب تاریخ اقوام میں عباسی قبیلہ کو چھ کے حالات کئی صفحات پر لکھے ہیں اور علاوہ
 ان قابل ذکر لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جو اس زمانے میں واقع قابل ذکر تھے اور ان میں سے بعض حضرات اہل بقیدیت
 ہیں فرق صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے آئینہ مرآۃ کی تائید اپنی کتاب میں پیش کی ہے اور
 عباسی قبیلہ کے تسلیم یافتہ اور باخبر حضرات کے ہاں بھی لکھے ہیں جو میں سردار محمد اکرم خان رحمانی پرنسپل پرنسپل
 سکڑ چھائی، سردار محمد علی خان سب ٹی پی، خان بہادر سردار عطاء محمد خان سکڑ چھالہ، سردار شاہ داؤد خان، سردار
 فضل داؤد خان اور سردار محمد علی خان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ فرق صاحب نے عباسی قبیلہ کا شجرہ
 ویشیک سے اس وقت کے لحاظ سے ایک خاصہ اہمیت رکھتا ہے لیکن اس پہلو سے ہٹ کر دیکھا جائے تو شجرہ کے علاوہ کچھ
 کام عباسی قبیلہ میں ایک شاندار تازہ کاری کا ہے۔ یہ مسئلہ کیا مشکل ہے کہ عباسی قبیلہ تحصیل باغ کے اس غریب حصہ میں کب
 سے آباد ہے اور اس کے مورث اعلیٰ کے اس طرف آنے کا اصل زمانہ کون سا ہے تاہم قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلہ
 کی آبار کی ان مقامات پر آٹھ سو سال سے ہے اور جب سے اس قبیلہ کے بزرگوں نے یہاں پر دو خان اختیار کی ہیں اس
 علاقہ میں باغ اور لاہور انتہائی معزز رہے ہیں۔ سرزمین پونچھ کے تاریخی حالات پر تاریخی کے دین بڑے بڑے جوتے ہیں
 لیکن جس حد تک قدیم تاریخ کے حالات روایات کی صورت میں دستیاب ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ پونچھ کے عباسی
 قبیلہ کے سردار بھی ماضی میں اپنے اپنے علاقوں پر خود مختار و حکمران کی حیثیت سے رہے ہیں اور انہوں نے بھی اپنی خود مختاری
 بجا رکھنے کے لئے کئی جنگیں لڑی ہیں۔

قابل پونچھ کے حالات پر روشنی ڈالنے والی دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلی اولاد انتہائی اہم کتاب ہے لیکن قد
 لکھا ہے ریگن کی کتاب تاں تاں ہے جس میں سمجھنے پر پونچھ پر راجوں کے حکمرانوں کا تفصیل ذکر کیا ہے اور درود میں کتاب ہالہ
 گلاب سنگھ کے ایک مذہبی لکھنوالا کو پلازم کی ناریس نے تصنیف کتاب نامہ ہے جس میں دیوان کا نام ہے اور یہاں گلاب سنگھ کی فتوحات و
 مقبوعات کا احاطہ کیا ہے۔ انیسویں صدی کی کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ گلاب سنگھ کے حملہ پونچھ کے وقت تحصیل باغ کے مریہ حصہ پر
 ڈھونڈر عباسی قبیلہ کے سرداروں کا مکمل قبضہ تھا اور دوسرے قبائل کی طرح یہ قبیلہ بھی ڈھونڈر خان کی اجارہ داری قبول
 کرنے کے لئے تیار تھا۔

انیسویں صدی کے روایت کے مطابق یہ بات سترہ کے ۱۸۷۸ء میں جب اپنا خزانہ نکال کر بھارہا جگہ گیا تو نے پونچھ میں
 اور ان کا علاقہ پر ان کے لئے بدھ بارے کے تاجر پر پونچھ اس وقت عباسی قبیلہ کے سرداروں کے لئے کوٹوں اور پونچھ میں خود مختار تھے اور
 اس قبیلہ کے سرداروں نے بھی اس وقت جنگ میں حصہ لیا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں گلاب سنگھ کے دور کی خوش کامیابیوں کے بزرگوں

تعلو جاپس ہزار تک تھی گے اور اولینڈی کے قریب ٹرکی کے مقام پر غیرین ہوا اور یہاں سے جو کہ پچھڑ کو ہفت آپ کے گئے پہلے شہر کا گئے
تو اس وقت ریاست تو چنگ کے اس سامعی علاقہ پر قبیلہ دھن دھن لکھی کثرت آباد تھے اور یہ ہمارا ملک چنگ کے اطاعت کے لئے تیار نہ تھے
اس کے صاف اعجاز ہوتا ہے کہ کشتہ میں چنگ کا اھونہ عباسی قبیلہ لایا یہ سیاسی دھندلے میں خلافت رکھتا تھا اور اس قبیلہ کے سوار
اس نے رواتر تھے کہ انہوں نے اپنے خاصا حقہ نامہ نوٹ سنمال رکھا تھا اور چنگ کا راجہ ملک چنگھ نے محلہ کو چنگھ کو تیرے کوئی کوٹش کی تو
عزیز ہزار میں نہ رہے قبیلہ کے دوش ہزار چنگ میں کوٹ پڑا۔

خاندان نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے اہل کارانین کو بھیجے تھے لیکن اس کے باوجود دو دفعہ قسطنطنیہ عباسیہ کے کچھ باغی سرداروں سے مشاورت کر دکر اسے تھے ۳۲۴ھ سے ۳۳۹ھ تک قبیلہ عباسی بھی یا سی طور پر مشغور تھا ۳۹۱ھ میں جب سمرقند قبیلہ کے ایک نامور خاندان سرور باہر خان نے ڈوگونوں کے خلاف حقوق کیلئے تحریک چلائی تو دوسرے قبیلوں کی طرح قبیلہ عباسیہ نے بھی اس تحریک میں ہرگز حصہ لیا اور اس قبیلہ نے کئی بار شہر اور انصاف و حقوق کیلئے تحریک میں شامل رہے اس وقت اگرچہ عباسی قبیلہ کے دہقان سرور اور دیگر حکومتی اعلیٰ اقتدار رکھتے تھے لیکن بحیثیت مجموعی عباسی قبیلہ کے تمام افراد نے سرور باہر خان کی تحریک کا ساتھ دیا اور باہر عباسی سرور اور دیگر حکومت میں مغلوب ہو گئے۔

سردار مشتاق احمد خان لے ڈی۔ ایک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر تعلیم میں اس وقت عباسی قبیلہ کے کئی
 پہلے اسٹارڈ جرنیل تھے جن میں پرویسر سرد عباسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے شیر کی تحریک آزادی
 پر ایک مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی کیا ہے۔ مشہور صحافی اور پاک شیعہ کے ایڈیٹر سردار
 محمد فیاض عباسی بھی اسی قبیلہ کے قابل فخر فرزند ہیں اور انہوں نے ایک صحافی اور اہل قلم کی حیثیت سے
 گران قدر خدمت سر انجام دی ہے۔

سیاسی کارکنوں میں موجودہ وقت سردار منیر اسرف خان، سردار عبدالغفار خان، سردار محمد امین خان
 سردار معروف اختر عباسی، سردار علی اکبر خان، سردار منظم خان، سردار آزاد خان آف خاڑی آباد، سردار رحمت
 علی خان، حافظ عبدالوہاب خان، سردار محمد آزاد خان عباسی سکسٹھ پی ایچ ڈی، سردار غلام احمد خان عباسی، سردار ممتاز
 عباسی، قازی محمد منیل خان، سردار شیر افضل خان، سردار محمد لطافت خان آف سیسر اور سردار محمد شہ
 خان نمایاں سیاسی کارکن ہیں۔ دیے اس قبیلہ میں سیاست سے گہرے طور پر وابستہ ہونے والے نوجوانوں کی تعداد
 سینکڑوں تک ہے۔

عباسی قبیلہ کی آبادی تخمیناً غریبانہ کے علاوہ تحصیل دہلی بان میں بھی کافی ہے اور یہاں کا ایک پورا علاقہ
 محمل عباسی مشہور ہے جہاں تقریباً سبھی قبیلہ آباد ہے۔ آج کے قریباً تین سو برس قبل عباسی قبیلہ کے گنگی
 خان نامی بزرگ جو کہ گاؤں خان کی شاخ سے تھے ان کا بتدوین عثمانی آکر یہاں آباد ہوا۔ اس کی شاخ یہاں آباد
 گاؤں خان کی نسبت سے یہ لوگ یہاں کا یہاں کہلاتے تھے مگر غریبانہ کی طرح یہی عباسی ہیں۔ یہاں اس
 قبیلہ کی آبادی اس وقت دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس شاخ کے کچھ افراد لاہور، گڑھی دوپٹہ، علاقہ مظفر آباد
 میں بھی آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس شاخ سے کچھ افراد بارہ مولا، کھلا پٹنہ، کھمیاں اور بھائی بیگ میں بھی
 آباد ہیں۔ موجودہ وقت محمل عباسیوں تحصیل دہلی بان میں محمل خان عباسی ہی۔ لے۔ این۔ این۔ بی۔ کیل اس قبیلہ
 کے قابضوں کے سیاسی کاربانوں جو محمد اہل دل سردار محمد علی خان، خان، سردار محمد آغا شیعہ کے دست راست
 اور دیگر رہنما تھے ہیں، محمل عباسی کی سیاسی زندگی کا آغاز کسے۔ این۔ ایم سے ہوتا ہے۔ آپ نے بانے کے مرکز میں
 تمام اہل قلم کو مجتمع کرنے کے لیے مسلم پریکٹیشن کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا ہے جو لوگوں میں مقبول ہو
 رہا ہے۔ محمل عباسی قبیلہ پرستہ کے خاندان ہیں۔ ان مانفر ہے کہ کچھ حیثیت قوم مسلمان ایک ہی قبیلہ ہے
 اور کس ایک دور جاوید کی رو سے یہ قسم کھاتے ہیں

گنگھڑ (کیانی)

مضفر پاک و ہند کی سیاسی تاریخ میں جو عظمت و رفعت گنگھڑ قبیلہ کو حاصل رہی اس کی مثال
 بہت کم ملتی ہے اور اس کا اثر صرف تقریباً سب ہی یورپی مصنفین نے کیا ہے جن میں الفنسٹن۔ سنگھم
 کرنل ٹاڈ اور جارج کرسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گنگھڑوں کی عظمت، رفتہ سے جو آثار و باقیات
 پوشوا کی صفحہ پر بکھرے ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بہادر اور سرفروزش قوم نے تاریخ
 کے ہر کڑے اور ناک و دہریں میں اپنی انفرادیت اور قیادت و عظمت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی
 تاریخ کا سرا یہ جو یہی ہے ہمہ نشان کن بلکہ یہ محفوظ پلا آتا ہے ان میں تاریخ بیستی، تار و التاریخ، وچیز التاریخ
 معاصر الاملا، تاریخ فیروز شاہی، طبقات نامری، میر التاریخ، توڑک باہری، توڑک جہاگیر علی، اکبر نامہ
 منتخب الیاب، منتخب التاریخ، تاریخ فرشتہ اور علامہ التاریخ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مندر
 تواریخ کی کتب کے علاوہ گنگھڑوں کے حالات پر روشنی ڈالنے والی اور سینکڑوں کتابیں موجود ہیں جن میں گنگھڑ
 راجاؤں اور ملوک شہادت کی داستانیں درج ہیں۔ ان نامہ کی کتب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گنگھڑوں نے اپنے
 عظیم المرتبت سلطان گنگھڑ شاہ شہسوار سے لے کر اپنے آخری حکمران سلطان مقرب خان تاہم خان کے عظیم
 ملک پر طواریخ پر سات سو ساٹھ سال تک حکومت کی اور اس دوران پوشوا کی سرزمین پر کسی بھی قوم کو اتنا
 سیاسی اثر نہ ملا اور استحکام نصیب نہیں ہوا جتنا گنگھڑوں کو حاصل رہا ہے۔

تاریخ کشمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزنویوں اور غوریوں کے زمانے میں بھی گنگھڑ پوشوا پر مشہور و ممتاز حکمران
 رہے اور بعض واقعات ان کی گوروں کا سلسلہ کشمیر تک بھی پہنچتا رہا ہے۔ گنگھڑ قوم کے حالات و کوائف بڑے
 واضح اور روشن ہیں لیکن ہمارا موضوع وہ گنگھڑ قبیلہ ہے جو ریاست پرنچ میں آباد ہے اور ان کی زیادہ آبادی
 اس وقت تحصیل بانڈا تحصیل ستونہ میں ہے۔ ان گنگھڑوں کے پاس جو آثار و باقیات ہیں ان سے
 ثابت ہے کہ پرنچ کا گنگھڑ قبیلہ پوشوا کے گنگھڑوں کی آواہل شاخ سے تعلق رکھتا ہے اور سلطان اکرم خان کا
 شجرہ نسب ایوان کے کہانی خاندان سے ملتا ہے اور اس میں سمیت سے پوشوا اور پرنچ کے گنگھڑ
 کیانی بھی کہلاتے ہیں۔

ہیں۔ اس کے علاوہ نائٹنگیل خان، ٹیڈیولہ، گھگر، بھجڑا، جیاٹی اور ڈکولہ میں بھی لاکھروں کی آبادی ہے۔
۱۹۲۷ء کی جنگ آزادی میں دوسرے قبائل کی طرح لاکھڑوں نے بھی مجبوراً حصہ لیا اور اس قبیلہ کے بھگائی
بھاء جنگ آزادی میں لڑتے رہے۔ ۱۹۴۸ء کے بعد سرکاری شعبوں میں لاکھڑوں کے افراد نے نہایت معزز
عہدے حاصل کئے اور اب تک لاکھڑ قبیلہ سے افراد ہریماں میں شاندار ترقی حاصل کر چکے ہیں۔

تحصیل پانچ کے علاوہ تحصیل سدرنٹی، حویلی اور مہندر میں بھی لاکھڑوں کی آبادی موجود ہے۔ تحصیل
سدرنٹی اور حویلی میں گھیلاڑ، بھیرہ، سنہر، گوٹھ، برہمک، مہلان، بان شالی، پلان لکھڑوں، پنجپڑ
ریگڑی، لبایں، اٹالی، چونچہ تھر، گیال درہ، مارپورا درچار دیو میں لاکھڑوں کی آبادی موجود ہے
جنابوں میں مصالح شامہ کے لاکھڑ آباد ہیں۔ یہاں کے لاکھڑ کافی ترقی یافتہ اور متمول ہیں۔ تحصیل مہندر میں
بھی لاکھڑوں کی آبادی ہے۔ اس تحصیل میں بلٹی، بیٹیاڑ، ناڑفرو لان، کوہو پڑہ، ڈھوبیان، کھوتہ،
چمرٹ اور مڑیں لاکھڑ قبیلہ کے افراد شاستہ طور طریقوں کے ایک جس اور ان میں معاشرے میں ترقی کرنے
کی صلاحیت بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد کشمیر کی سرکاری مشینری میں اعلیٰ عہدے ان کے پاس
رہے ہیں۔ راجہ محمد آفرغان کیاٹی چونچہ کے لاکھڑ قبیلہ کے سپہ سالار ہیں۔ آپ نے ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ پولیس
کے میدان میں بھی شاندار ترقی کی۔ آپ نے فوج کے بعد سری پاپ کا سربگزینی وزارت کی اور ۱۹۶۵ء
کے جہاد آزادی میں آپ نے جاہلین کے ساتھ خصوصی تعاون کیا۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے آزاد کشمیر پولیس گزٹنگیل
میں شاندار کامیابی حاصل کی اور آپ آزاد کشمیر کے تینوں شعبوں کے سینئر سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ محکمہ پولیس
میں سرورس پوری کرنے کے بعد آپ بحیثیت سربراہ تحفظ جنگلات پولیس پارٹی مقرر ہوئے۔ عین بہشت
جلد آپ فیڈرل سیکیورٹی پولیس پاکستان کے ڈائریکٹر مقرر ہو گئے۔ راجہ محمد اکبر بے حدرفین، حاضر زمانہ
اور دل نہ فہم انسان ہیں جو لاکھڑ قبیلہ چونچہ میں ایک اتیار شیطان رکھتے ہیں۔ راجہ محمد یوسف خان کیاٹی بھی لکھڑ
پولیس میں سپرنٹنڈنٹ رہ کر ریٹائر ہوئے ہیں۔ میجر عثمان کیاٹی فوج میں بھروسہ آپ نے ۱۹۳۶ء تا ۱۹۹۹ء
کی جنگوں میں شاندار خدمات انجام دیں اور اب پنشن پر ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ نے ریاست چونچہ کے لاکھڑ قبیلہ
کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے جو زیر طبع ہے اور لاٹم نے بھی لاکھڑوں کے شجرہ کے مسئلہ میں ان سے استفادہ کیا ہے
راجہ محمد افضل خان کیاٹی تحصیل راہرہ کریٹا رہتے ہوئے ہیں۔ موجودہ وقت لاکھڑ قبیلہ سے جو حضرات سرتو سکوا
خود سرپرستی ان میں راجہ محمد یوسف کیاٹی مسٹ کزن، راجہ محمد خورشید یادو، کپٹ جنرل ڈلی محدث آزاد کشمیر

راجہ محمد غفر شیرازیں۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ جرنل ہائی کورٹ آف انڈیا شیرازیں۔ راجہ محمد شرف کیانی مجسٹریٹ محکمہ عدالت
 بارہ۔ راجہ محمد مسلم خان کیانی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور کرنل محمد شاکر کیانی خاص طور پر مقابلہ دیکر ہیں۔ گنگوہر قبیلہ
 کے سرداری ملازمین تعمر علی صاحب ہی محکوم ہیں موجود ہیں۔ گنگوہر مال میں راجہ محمد یوسف خان کیانی حاضر
 مردوس ہیں۔ ان کے علاوہ چوتھے ملازمہ راجہ محمد سردور مرحوم گروادر۔ خشی محمد شرف خان پٹواری
 خشی محمد اکبر خان پٹواری، خان محمد خان امیدوار گروادر، مشتاق احمد خان امیدوار گروادر اور مفتی محمد شرف
 خان پٹواری قابل دیکر ہیں۔ گنگوہر میں محمد اسلم خان سپرنٹنڈنٹ۔ محمد شفیع ایس۔ ایک۔ اوادر
 خشی باقر خان حاضر مردوس ہیں۔ گنگوہر تعلیم میں راجہ فیروز علی احمد کیانی۔ راجہ نواز احمد خان کیانی بی اے
 بی ایڈ۔ راجہ محمد انور خان کیانی بی اے۔ بی۔ ایڈ خاص طور پر مقابلہ دیکر ہیں۔ راجہ خان محمد خان کیانی۔ راجہ
 محمد ارفان کیانی۔ راجہ نصر اللہ خان کیانی اور راجہ علی اکبر کیانی بھی تعلیم میں پڑھتی ہیں۔ مدرسہ میں گنگوہر قبیلہ میں
 وقت ڈاکٹر، انجینئر اور دیکھائی دی ہیں۔ دلا ماحبان میں راجہ ممتاز خان کیانی بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
 اور راجہ محمد اکرم خان کیانی بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ خاص طور
 پر مقابلہ دیکر ہیں۔ راجہ ممتاز خان کیانی ملکی سیاست میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ انجینئروں میں راجہ محمد اسلم
 کیانی بی اے۔ ایس۔ سی انجینئرنگ اور راجہ ناز احمد بی۔ ایس۔ سی الیکٹریکل خاص طور پر مقابلہ دیکر ہیں۔
 راجہ محمد اسلم کیانی انجینئر ہونے کے باوجود اعلیٰ اور ادنیٰ ذوق بھی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹروں میں راجہ
 شیر کربا بی اے۔ بی۔ ایس۔ خاص طور پر مقابلہ دیکر ہیں۔ آپ ایک ذہین اور اعلیٰ طالب علم لیڈنگ رہے
 ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائی راجہ محمد ارشد شاہ کیانی اعلیٰ سیاسی مذاق رکھتے ہیں۔ گنگوہر ڈاک میں راجہ علی اکبر
 خان اور ان کے بھائی راجہ محمد جواد علی خان حاضر مردوس ہیں۔ راجہ نور احمد خان کیانی کے دوسرے
 دوں بھائی راجہ سید احمد خان ایم۔ ایس۔ سی اور راجہ سید حسین خان ایم۔ اے بھی خاص طور پر مقابلہ دیکر
 ہیں۔ راجہ محمد شریف خان کیانی پیشکش بنک برائے شہر جی اور خاص طور پر مقابلہ دیکر ہیں۔ گنگوہر قبیلہ
 پوچھنے کے چوتھے حصے میں کارای ملازموں اور تعلیم یافتہ حضرات کے ان نام لکھے جائیں تو یہ فہرست
 کافی طویل ہوگی۔ مختصر یہ کہ گنگوہر قبیلہ پوچھنے کے ۱۹۵۰ء کے بعد ہر شعبہ زندگی میں نمایاں ترقی کی ہے
 اور ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ گنگوہر قبیلہ کے بعض
 حضرات نے تجارت اور صنعتکاری میں بھی خوب کامیابی حاصل کی ہے۔ ٹھیکیداروں اور تاجروں
 میں محمد ارشد کیانی۔ محمد خان کیانی، ڈاکٹر شریف شمس کنہر کنہر پیمانی، انصاری نور حسین خان خاص طور پر مقابلہ
 ہیں۔ موہی الدین شیر خان سکنتہ جٹاں۔ راجہ راجہ دلیپ قابل دیکر ہیں۔ صاحب افراد گئے جاتے ہیں۔ اس کے

علاوہ گھنڈ قبیلہ سے بعض حضرات بیرون ملک کویت - مسقط - البلیحی اور انگلینڈ وغیرہ میں بھی ملازمت اور تجارت سے سلسلہ میں چلے گئے ہیں۔ اس قبیلہ سے بہت سے طالب علم اس وقت اعلیٰ مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن میں راجہ سعید احمد خان کیانی ایم۔ ایس۔ سی اور راجہ خادیم حسین کیانی ولد بھوادر محمد یعقوب خان کیانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گھنڈ قبیلہ کے سیاسی رہنماؤں میں حاجی راجہ محمد یعقوب خان کیانی اور راجہ محمد لطافت کیانی ایم۔ ای۔ این۔ بی۔ وکیل خاص اہمیت سے حامل ہیں۔ راجہ محمد لطافت کیانی بلاشبہ پونچھ کے گھنڈ قبیلہ کے مایہ ناز فرزند ہیں کیونکہ موجودہ وقت کیانی صاحب بھادر اول سردار محمد عبدالقیوم خان صاحب حشر حکومت آزاد کشمیر کے مشیر خصوصی اور دست راست ہیں۔ لطافت کیانی شروع سے ہی مسلم کانفرنس میں رہے اور وہی وہ ہے کہ آپ کا شمار موجودہ وقت مسلم کانفرنس سے چند گنے چنے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار اور سیاسی اہمیت کے باعث بھادر اول سردار محمد عبدالقیوم خان نے کیانی صاحب کو آزاد کشمیر کا پریس سیکریٹری مقرر کیا ہے۔ چیروٹی کے گھنڈ قبیلہ میں راجہ محمد یعقوب کیانی پرانے سیاسی رہنما ہیں۔ ان کے علاوہ اس علاقہ میں راجہ محمد فائق کیانی بی۔ اے۔ ایم۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ۔ راجہ محمد عنایت خان کیانی مدرس۔ راجہ اللہ دتہ خان کیانی مدرس۔ راجہ اکبر حسین خان، حوالدار محمد شفیع خان، حاجی راجہ محمد زمان خان کیانی۔ راجہ نصیر احمد کیانی۔ راجہ محمد ارشد کیانی۔ راجہ محمد عزیز کیانی راجہ محمد زراق کیانی قابل ذکر ہیں۔ جھنگھر میں راجہ محمد یعقوب خان پوشتل اور بیڑ۔ راجہ محمد اکبر خان پوشتل اور بیڑ اور راجہ محمد باقر خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ راجہ محمد صغیر کیانی اور سویدار محمد حسین کیانی پشتر۔ سویدار غلام حسین کیانی۔ حوالدار محمد رفیع کیانی۔ سویدار علی شیخ خان حیدرآلہ۔ رسالدار شیخ محمد فیض کیانی۔ سویدار بیچر محمد شفیع کیانی۔ سویدار زید احمد کیانی۔ راجہ محمد شفیع سب انسپٹر پولیس۔ راجہ محمد محمد اعظم کیانی۔ راجہ محمد اکبر کیانی پوشتل اور بیڑ۔ راجہ محمد حسین خان کیانی قابل ذکر افراد شمار کئے جاتے ہیں۔ علاقہ گھڑی میں راجہ محمد اکبر خان کیانی اور راجہ محمد اسلم خان کیانی کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔ ان کے علاوہ راجہ محمد عنایت کیانی۔ راجہ محمد یعقوب کیانی۔ محمد امیر خان کیانی۔ راجہ محمد خوش سید کیانی انڈیکٹ جرنل آزاد کشمیر۔ راجہ محمد نذیر کیانی۔ راجہ علی گزیر خان کیانی۔ سویدار امیر حسین خان کیانی۔ راجہ محمد اکبر خان حیدر سلطان خان کیانی۔ راجہ علی گزیر خان کیانی۔ راجہ میرا محمد خان کیانی مدرس اور راجہ محمد اسلم خان کیانی قابل ذکر ہیں۔ باجو خان ک شاخ رینا کھنڈ۔ حیدرآلہ۔ باٹلی اور ٹلہ میں آباد ہے۔ اس شاخ سے محمد صلی خان کیانی قابل ذکر ہیں۔

کھنڈ مہر پر باغ خاص میں راجہ محمد خان کیانی مدرس۔ راجہ محمد صیب خان کیانی مدرس اور راجہ کرم داد خان کیانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ راجہ محمد شرف خان کیانی فارسٹ مجسٹریٹ باغ بھی اس علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اعلیٰ علمی اور ادبی ذوق کے مالک ہیں۔

قبیلہ باغ کے علاوہ قبیلہ سونوئی میں بھی گھنڈ قبیلہ کے کئی افراد قابل ذکر ہیں۔ مثلاً کوٹا دین محمد راجہ محمد یوسف خان کیانی۔ چیروٹی میں راجہ محمد اکبر خان کیانی پشتر انسپٹر پولیس۔ گھنڈاڑہ میں نائب سویدار محمد اکبر خان کیانی۔ جناڈ میں میر محمد خان کیانی اور کھنڈ خان کیانی۔ بالن شمال میں راجہ شمسو خان کیانی بی۔ ایس۔ سی۔ رنگیٹی میں راجہ مرزا خان کیانی اور راجہ شیر خان کیانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں حضرات گھنڈوں کی شاخ سارنگال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پنج پور اور پونچھ خاص کے گھنڈوں میں بھی کئی باشندہ حضرات موجود ہیں۔

گھنڈ قبیلہ کا موجودہ تعلیمی رفتار نہایت اچھا ہے۔ یہ قبیلہ انتہائی شائستہ، غنہ سارا اور جہان نما ہے۔ ان میں اندرونی طور پر سیکڑوں قسم کے اختلاف ہوتے ہیں مگر دوسرے قبائل کے مقابلہ میں گھنڈ قبیلہ ثقافت رائے اور فخر ہے۔ ان کا رشتہ نامہ عموماً آپس میں ہی ہوتا ہے۔ ان کی موجودہ شاخوں میں نسبتاً تعلیمی قدر زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بعض بوکیاں بھی معقول تعلیم یافتہ ہیں۔

دولی (منغل)

کشمیر کے چھاؤ آبادی میں پونچھ کے دُولی قبیلہ کا بھی ایک اہم حصہ ہے۔ اس بہادر اور باوقار قبیلہ نے تاریخ سے ہر دور میں نامور شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ تاریخ کے قدیم حوالوں سے ثابت ہے کہ پونچھ کا دُولی قبیلہ ماضی میں کافی اقبال مند رہا ہے۔ اور جہاں جہاں بھی اس قبیلہ کے سردار آباد رہے ہیں محکوم کی حیثیت سے اپنے اپنے علاقوں میں سیاہ سفید کے مالک رہے ہیں۔ ان کے ماضی کے بارے میں منشی محمد لہریں فرق نے بھی اپنا کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں کافی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مگر ہمارے پیش نظر اس وقت وہ کتاب ہے جو دُولی قبیلہ کے ایک تعلیمی فتنہ خوان جناب بشیر احمد صدیقی نے لکھی ہے۔ یہ کتاب تاریخ منگل قبائل ریاست جموں کشمیر کے نام سے موصوف نے شائع کی ہے اور اس میں ان قبائل کا ذکر ہے جو منگولوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بشیر احمد صدیقی نے اپنی تحقیق کا کوشش سے اہتمام تاحی کو یوں کیا کہ ہر منگول قبیلہ کو منگول خاندان سے ملاتی ہیں۔ انہوں نے پونچھ کے دُولی قبیلہ کو شجرہ نسب مرتب کیا ہے اس کا ابتدائی حصہ تقریباً منگل سلاطین کا ہی وہ شجرہ ہے جو منگولوں ہے۔ اس شجرہ میں انہوں نے مرزا عمر شیخ کو گھان کا ایک بیٹا مرزا سید احمد لکھلے اور بتایا ہے کہ پونچھ کے دُولی قبیلہ کا یہی مورث اعلا ہے۔ مرزا سید احمد کے ایک بیٹا کا نام ذوال الدولہ خان تھا اس کا ایک بیٹا شامت خان تھا اور درجہ اولی کے لقب سے مشہور ہے۔ سردار بلا خان ایک بہادر اور نامور سردار گذر رہے وہ سب سے پہلے گجرات کے راستے موضع گولڈی خیل تحصیل کوٹلی ضلع میرپور میں قادیان پہنچا۔ جب اکبر نے ۱۵۸۶ء میں دوبارہ کشمیر پر حملہ کر کے اسے غلبہ سلطنت میں منگول کیا تو اس وقت سردار بلا خان اکبری لشکر میں تھا اور بعض روایات کے مطابق اس نے کشمیر پر لشکر کشی کے دوران دایہ دست بھی دی تھی۔ دایہ دست بلا خان نے گجرات میں قیام کر لیا۔ گجرات سے اپنے والد شامت خان اور دو چھوٹے بچوں یوسف خان و لشکر خان کو ساتھ لے کر خیرپور کا رخ کیا اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی، ان واقعات کا ذکر فوقی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے، سردار بلا خان کے دو فرزند یوسف خان اور لشکر خان تھے۔ سردار یوسف خان کی شہ رخ اس وقت اوڑی، گمناہ، جھوڑا سہڑہ، چنڈک، ہنڈلہ، سوتری اور منوہ میں آباد ہے۔ سردار لشکر خان کی شہ رخ آبادی موضع چنڈک، درہ دولیاں، درہ شیر خان اور تحصیل بانگ کے کچھ دیہات غالباً گیارہ اور پچاسی

آباد ہے۔ سردار یوسف خان کے ایک بیٹے کا نام سردار مال بیگ خان تھا۔ اس کے تین بیٹے منگل خان، شیر خان، اور تخت گنی خان ہوئے ہیں۔ منگل خان کا بیٹا سلطان خان تھا اور اس کا بیٹا سال بیگ خان ہوا ہے۔ اسی سال بیگ خان کی شہ رخ منڈیپول اور دوسرے بیٹے تخت گنی خان کی شہ رخ موضع سیراڑی، منکوٹ، پوٹلی چھریاں، تہتری لوٹ اور چنڈی میں آباد ہے۔ شیر خان کے ایک بیٹے کا نام غازی خان تھا، چھوڑ میں غازی خان کا بیٹا امین خان ہے۔ غازی خان کی شہ رخ موضع سہڑہ، ہنڈلہ، سوتری اور درہ شیر خان میں آباد رہے اور درہ شیر خان اسی شیر خان کا سوتلی بہنوئی ہے۔ غازی کے بیٹے امین خان کی شہ رخ موضع درہ شیر خان اور غازی خان کی شہ رخ موضع پلہرا میں ہے۔ غازی خان کا بیٹا شہید خان اور شہید خان کا بیٹا رسول خان ہوئے ہیں۔ رسول خان کا بیٹا سید خان ہوا ہے۔ اور سید خان کے بیٹے کا نام شہرہ میں داد خان لکھا ہے۔ داد خان کے تین بیٹے خان ملک خان، باز خان، اور میں خان ہوئے ہیں۔ خان ملک خان کا بیٹا سرفراز خان اور اس کا بیٹا سکندر خان ہوا ہے۔ اس کی شہ رخ شہرہ کی رو سے موضع سہڑہ اور بلوچی میں آباد ہے۔ داد خان کے دوسرے بیٹے باز خان کی شہ رخ چنڈک اور درہ دولیاں میں آباد ہے۔ داد خان کے چھ بچے میں غنم کا بیٹا کا خان تھا۔ اس کا بیٹا جانی خان اور اس کا سلام خان ہوا ہے۔ سلاموں خان کی شہ رخ نیوٹا اور کبند میں آباد ہے۔

سردار بلا خان کے دو بیٹوں یوسف خان اور لشکر خان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ سردار لشکر خان کے بیٹے کا نام سردار مست خان تھا۔ اس کے بیٹے کا نام سردار کنیز خان اور اس کا بیٹا سردار محمد خان ہوا ہے۔ سردار مست خان کی شہ رخ موضع جانی اور بارل میں آباد ہے۔ کنیز خان کی شہ رخ درہ دولیاں اور سردار محمد خان کی شہ رخ موضع جانی میں آباد ہے۔ سردار محمد خان کے دو بیٹے ہمدان بیگ خان اور جہاں خان ہوئے ہیں جن کی شہ رخ انہی علاقوں میں آباد ہیں اور انہوں نے کافی ترقی کی ہے۔

جہاں ملک دُولی قبیلہ کے قدیم لیڈر کا تعلق ہے اس کا تادم تیر انھما اس جلوہ غوبرہ پمپہ جو بشیر احمد صدیقی نے تحقیق دیا ہے۔ اس قبیلہ کے عہد بہ عہد حالات کو مٹی پڑی دستاویزوں اور سیدہ بی بی سہیل کے آئے دانی روایات سے عیاں ہے۔ ریاست جوں کشمیر اور پونچھ میں دُولی قبیلہ کا نام آباد کیا ہے اور ان کے پٹنجان آباد دیہات میں ان کے سلاطین کے کوٹوں اور دیہیوں کے آثار موجود ہیں جو اس قبیلہ کے تاج ماضی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پونچھ کے زمانہ آج میں دُولی قبیلہ کے کئی سوا بیٹے اپنے علاقہ موجود ہیں اور سیاسی حالات کی حالت میں وہ ہیں۔ سوا بیٹے کے بعد جب پونچھ پر دروہہ خاندان نے اپنی حکمرانی قائم کر لی تو درہ

کے ایک سردار صاحبزخان جو کہ درہ و گلیان کے رہنے والے تھے اپنے دو بھائیوں کے یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان کے بیٹے نصرت خان نے یہاں کافی شہرت حاصل کی۔ نصرت خان کی پانچویں پشت سے علیا خان نامی ایک دہلی سردار تھا جس کے واسطے سنگی خان۔ بہادر علی خان اور قلوب خان تھے۔ سنگی خان اور قلوب خان لاہور و فاطمہ پور اور بہادر علی خان کاشیہ سردار محمد عالم خان موجود ہے۔ نصرت خان کے دو بیٹے ناصر خان اور شہناز خان ہوئے ہیں۔ ناصر خان کی شاخ کو ٹیڑھی میں آباد ہیں اور یہاں ان کے کافی گھر موجود ہیں۔ دہلی قبیلہ کے کچھ گھر تحصیل بارہ کے قریبی گاؤں پڑوس بھی ہیں، اس کے علاوہ اس قبیلہ کی آبادی موضع سنگولہ۔ میرہ۔ دودا دانکی۔ پورٹھی۔ چھریاں وغیرہ میں بھی ہے۔ تحصیل کوٹلی کے گاؤں جھوڑہ اور گرنی فنجیوٹ میں بھی دہلی آباد ہیں۔ اس کے علاوہ تحصیل اوڑی اور کٹیاہ وغیرہ میں بھی دہلیوں کی آبادی ہے۔

آخوان

پونچھ کی مہاراجہ صاحبزادے کی بیویوں کی طرف سے آخوان قبیلہ بھی باوقار و سرآمد و بزرگوار چلا آتا ہے اور حالات شاہجہاں کی پونچھ کے آخوان قبیلہ نے اپنی تاریخ کے گزشتہ دور میں کئی نامور اور صاحب علم شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ قبیلہ آخوان کے حسب و نسب پر کئی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن میں بطبعاً نسب آخوان اور تاریخ آخوان خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ان کے علاوہ اور کئی کتابیں ہیں۔ مذکورہ بالا مصنفین کی تحریروں سے ثابت ہے آخوان قبیلہ کے افراد حضرت علامہ اکرم اللہ وجہہ کے فرزند شہید گربا حضرت عباس علیہ السلام کی شاخ سے ہیں۔ آخوان مورخوں نے سینکڑوں مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام شہید گربا کے فرزند عبداللہ یا عبید اللہ تھے اور ان کی نویں پشت میں حضرت عرو بن قاسم یعنی سے اعران قوم کا شجرہ ملتا ہے اور چونکہ اعرانوں کا نسب تعلق حضرت عباس علیہ السلام سے ہے اس لئے اس سے یہ عباسی بھی ہیں اور حضرت عباس چونکہ حضرت علی کے فرزند تھے اس لئے یہ ملکی کہلاتے ہیں۔ باب آخوان کے مصنف نے میزان باشمی نامی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عون کا لقب قطب شاہ تھا جن کی پیدائش ۱۱۱۱ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اپنے آباء و اجداد کی طرح یہ بھی شیعہ تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خالہ بی ماثران کے گھر تھیں۔ اس قرابت قریبہ کی وجہ سے ان کے گھر کا چایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا تبلیغ پر مذہب شیعہ ترک کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی اور صاحب طریقت و شریعت اور منصب خلافت سے مشرف ہو کر ہندوستان آئے۔ ہزاروں افراد آپ کے مواعظ حسنة اور اخلاق و جمیلہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ اپنی دینی و روحانی خدمات کے باعث قطب شاہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور اسی سبب سے ان کی شاخ عون کا لقب شاہی یا آخوان قطب شاہی کہلاتی ہے۔ آپ اپنی عمر کے آخری حصہ میں واپس بغداد مراجعت پذیر ہوئے اور دریں ۱۱۵۵ھ میں ۴۳ سال و فاطمہ پور۔

آخوان قبیلہ کی اور بہت سی تصانیف کے علاوہ عربی مصنفوں کے بھی اس بارے میں کئی حوالے ملتے ہیں جن میں میزان باشمی اور میرزا غلامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کتب کی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ آخوان کے جبرائیل کا نام عون کا تھا اور آپ قطب شاہ کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ ہندوستان میں جہاں کے لئے نہیں بلکہ دہلی اسلام کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے تھے اور کسی ملک کی ملازمت یا

کھڑکشا کی تھی آپ کا واسطہ نہ تھا۔ حضرت کی ایک بی بی عائشہ تھیں جو حضرت شاہ عبدلقدیر جیلانی کی مالہ تھیں۔ آپ نے ہندوستان میں آکر یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ عائشہ کے بطن سے دینیٹے محمد اور عبداللہ پیدا ہوئے اور تین شادیاں جو آپ نے ہندوستان میں کیں ان میں سے چوتھی طور پر گیارہ لاکھ اور تین لاکھ پیدا ہوئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہندوستان میں طویل عرصہ تک قیام نہیں رہے ہیں۔

بی بی عائشہ کے بطن سے چودہ فرزند پیدا ہوئے ان میں بڑے کا نام عبداللہ تھا مگر ان کو علی گوہر مکرانا اور گہر شاہ بھی کہتے تھے۔ گواڑا کی وجہ تسمیہ جو اعوانوں کی ایک شاخ میں مشہور ہے یہ ہے کہ وہ بہت گورے یعنی غیر دھڑے اس لئے ان کو گواڑا کہا جاتا تھا اور اعوانوں کی جو شاخ ان سے نسبت رکھتی ہے گواڑا یا گواڑا اعوان کہلاتی ہے۔ عبداللہ اپنے والد عوان اور اپنے چھوٹے بھائی محمد کے ہمراہ ہرات سے ہوتے ہوئے پنجاب آئے اور یہیں انہوں نے کچھ عرصہ بعد ایک رئیس کے گھر سے شادی کر لی۔

عوان کے دوسرے فرزند کا نام جونی بی بی عائشہ کے بطن سے ہوا تھا اور ان کا نام محمد کنڈلان بھی تھا اس کی وجہ تسمیہ بتائی جاتی ہے کہ آپ حضرت شاہ عبدلقدیر جیلانی کے دربار میں تھے اور آپ کو اس دربار سے وابستہ ترکوں نے کنڈلان کہا تھا۔ کنڈلان کے کسی ترکی زبان میں اس بڑے خیمہ کے ہونے میں جو امرائے دربار کے سامنے ٹھہر ہوتا ہے۔ آپ جب اپنے والد کے ہمراہ ہندوستان آئے تو اسی نام سے موسوم ہوئے اور ان کی شاخ کے افراد اعوان کہلائے اور آہستہ آہستہ یہی نام بدل کر کنڈلان سے کنڈان ہو گیا۔ سلسلہ کوہستان تک کے قریب و دور میں اس شاخ کی آبادی بہت زیادہ ہے جو کنڈان اعوان کہلاتی ہے۔

عوان عرف قطب شاہ کی دوسری بی بی کسی ہندو دربار کو کھڑکی بیٹی تھی جس کا نام زینب بنتا جاتا ہے۔ اس بی بی سے آپ کے تین فرزند مل علی عرف کنگان، درتیم عرف جہان شاہ، زمان علی عرف کھوکھ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ چونکہ کھوکھ قوم کے راجہ کی بیٹی تھیں اس لئے ان کی شاخ کھوکھ عرف قطب شاہی اعوان کہلائی۔ درتیم عرف جہان شاہ مزمل علی سے چھوٹا تھا اور کہا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بیک کے زمانے میں یہی تعلیم جیتا تھا۔ زمان علی عرف قطب شاہ عوان کا پانچواں بیٹا تھا۔ پہلے مری غیسر آباد ہوا یہیں یہاں کی سکونت ترک کر کے ایک مقام کلانہ یا کلانہ جو شاہ پور میں واقع ہے میں رہ گئے۔ اس نے وہاں کسی ہندو راجہ کو شکست دے کر اس کی مڑی جھڑ نامی سے شادی کر لی اور اپنے مسلمان بنایا۔

عوان قطب شاہ کی تیسری بیوی کا اسلامی نام خدیجہ تھا۔ وہ چوہان خاندان کے کسی ہندو رئیس کی بیٹی تھیں۔ ان کے بطن سے حسب ذیل فرزند نکلے۔ جمع علی عرف بیٹی، فتح علی عرف کلدان۔ اعوان کلدانی اسی شاخ سے ہیں اور کلدان کی وجہ تسمیہ بازو کاٹنے سے ہوتے ہیں جو شجاعت اور جوان مردی کی علامت ہے۔ ان کی اولاد کا کثیر حصہ ہندوستان سے باہر بتایا جاتا ہے۔ خدیجہ کے تیسرے فرزند کا نام محمد علی عرف چوہان تھا۔ اعوان چوہان اسی کی شاخ سے ہیں۔

اعوان قطب شاہ کی چوتھی بی بی کا اسلامی نام ام بنتم تھا۔ موزوں نے لکھا ہے کہ وہ بھی راجپوت خاندان سے تھی اور راجہ مڑی کی بیٹی تھی۔ فتح سے مراد غالباً ملہ ہوگی جو کوہستان تک کے قریب ہے اور ملہ گنگ کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر کے زمانے میں اس جگہ کا نام اعوان محل بھی تھا۔ اسی بی بی کے بطن سے تین فرزند نکلے، بہادر علی اور کریم علی پیدا ہوئے۔

ان تینوں بیٹیوں کی شاخ کے افراد پنجاب، ہندوستان میں آباد ہیں، پنجاب اور سرحد کے افغان ہوشیار پور، جالندھر، ملتان، لاہور، گجرات، گجراتوالہ، شاہ پور، بہلم، میانوالی، ملہ گنگ، پٹیاری گھیسپ، کالا باغ، ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں اور بہت سے مقامات پر اعوانوں کی مختلف شاخیں آباد ہیں۔ ان میں میانوالی کے اعوان زیادہ متول اور اخبار شائے جاتے ہیں خصوصاً قواب آف کالا باغ ملک امیر محمد خان مرحوم جو اعوانوں کی شاخ صدقہاں سے تعلق رکھتے تھے اعوانوں میں مائے ناز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ اپنی دور میں پنجاب کے گورنری رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کا خاندان زائدہ قدیم میں ہندوستان اور پنجاب بھر کے اعوانوں کا ایک عظیم مرکز تصور کیا جاتا تھا اور ان کے خاندان نے نہایت قدیم میں ہی اپنے علاقہ پر پانچا سیاسی اقتدار مضبوط کر لیا تھا، جہاں تک برصغیر پاک و ہند یا خصوصاً پنجاب سرحد اور ہزارہ کی اعوان برادری کا تعلق ہے ان کی تاریخ کو بنیادی طور پر ایک ہی ہے مگر جوں جوں ان کا پھیلاؤ ہوتا گیا ان کی شاخیں وسعت اختیار کرتی گئیں اور عہد و نیت کے ساتھ ساتھ ہر شاخ اپنی الگ تاریخ کا وارث ہوئی۔ ان کی تاریخی تحریروں کو اس پس میں ماننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پنجاب کے اعوانوں کی شاخوں نے پچھوڑا و کشمیر تک کے علاقوں میں پھیلاؤ کیا ہے اور جس طرح پنجاب میں اعوانوں کی ہر شاخ اپنے اپنے اسلاف کے نام سے منسوب ہے اسی طرح پونچھ کے اعوان بھی ان کی شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

مسی محمد ابن فرقہ نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں اعوانوں کی فہرست سب بی معرودت ساغر مسما ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعوان قبیلہ پونچھ کے ماضی میں بڑے بڑے علمائے دین، صوفیاء اور

اور بدست بزرگ پیدا کیے ہیں۔ اور یہ ان ہی بزرگوں کا فیضان ہے کہ پنجگاہ اعوان قبیلہ اب تک اپنی بیداری اور دلاوری علم و کسبی سے باعث منور و پاکا ہے، اعوان قبیلہ سنگولہ تحصیل باغ میں اس وقت بھی بہت سے عالم دینی موجود ہیں جن میں مولانا عبدالعزیز خان اعوان - مولانا محمد زمان خان اعوان - قاضی غلام حسین خان اعوان - میان جمال الدین خان اعوان - میان محمد حسین خان اعوان - مولوی عبدالکرم خان اعوان مفتی فروزان خان اعوان - قاضی علی اکبر خان اعوان اور قاضی علی شہیر خان اعوان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولوی غلام رسول خان سیوڑی مرحوم بھی اسی قبیلہ کے تعلق رکھنے والے تھے جو بڑے پایہ کے عالم تھے اعوان قبیلہ نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بھرپور حصہ لیا اور اس قبیلہ کے سینکڑوں مجاہد شہید اور اس قبیلہ نے جہاد آزادی کشمیر ۱۹۴۷ء میں بھرپور حصہ لیا اور اس قبیلہ کے سینکڑوں مجاہد شہید اور زخمی ہوئے جن کی فہرست خاصی طویل ہے، اعوان قبیلہ کے افراد اس وقت بھی پاکستان اور آزاد خوجہ میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں اور بعض حضرات ریٹائرڈ بھی ہو چکے ہیں۔

مرحوم کرنل غلام رسول خان اور کرنل عالم شیر خان سنگولہ کی اعوان بلوری سے ہی تعلق رکھتے تھے جنہوں نے ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں بہادری اور شجاعت کا ریکارڈ قائم کیا۔ موجودہ وقت اس قبیلہ کے فوجی افسروں اور عہدیداروں میں مجاہد شیر خان سنگولہ - موہیدار بھرمووی شیرا اور خان سنگولہ - موہیدار محمد اکبر خان سنگولہ - موہیدار محمد نور خان سنگولہ - موہیدار اقبال خان سنگولہ - موہیدار عبدالعظیم خان سنگولہ - موہیدار محمد امیر خان سنگولہ - موہیدار غلام محمد خان سنگولہ - نائب موہیدار محمد اکبر خان سنگولہ - نائب موہیدار قاسم خان - نائب موہیدار محمد حسین خان - حوالدار محمد شیر خان - حوالدار محمد آفرخان - حوالدار محمد حسین خان - حوالدار محمد کفر خان ثانی ساکنان سنگولہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اعوان قبیلہ کے تعلیم یافتہ حضرات اس وقت آزاد کشمیر سے تقریباً سب ہی شعبوں میں موجود ہیں۔ محکمہ تعلیم میں محمد خان مدرس - خلیل خان مدرس - پولیس خان و مولوی محمد رؤف خان مدرس، صابقان مدرس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وکلاء صاحبان میں محمد خان اعوان - ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ لیبارٹریئر منشی پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سنگولہ میں اس وقت اعوان قبیلہ کی آبادی تقریباً سات ہزار سے قریب ہے۔ اس قبیلہ کے سینکڑوں لوگوں کا بچوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور کچھ حضرات پاکستان میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ پوٹھو کا اعوان بلوری مختلف مقامات پر آباد ہے اور ان کی آبادی ان خاندانوں کے تعلق رکھتی ہے جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ پوٹھو کے ستر جنوں - دھرب میں جو اعوان آباد ہیں

یہ عبدالستور اور ادر محل کلکان بن قلعہ شاہ عون کی شاخ سے ہیں جن کا ذکر فوق نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ فوق صاحب نے اس دورے میں جن افراد کے نام لے لیے ہیں ان میں موہیدار موسم خان سنگولہ لاوا ڈی، سائیں نوجین سنگولہ نیراں، تحصیل سونوٹی - سائیں نیر اللہ سنگولہ نالیاں، تحصیل سونوٹی - مولانا نغمہ الدین سنگولہ انہاری تحصیل سونوٹی - مولوی قمر الدین سنگولہ انہاری - حضرت سائیں ساد و مرحوم تحصیل باغ جن کی شاخ سے لوگ سادوال بھی کہلاتے ہیں، لیکن پٹناری طور پر یہ اعوان ہی ہیں۔ قاضی حشمت علی مرحوم سنگولہ سہرہ تحصیل سونوٹی - درساہل درمٹا خان - سائیں علم الدین سنگولہ گھبراہ - سائیں عجب خان سنگولہ سہرہ تحصیل سونوٹی، مولوی فروزان خان سنگولہ لام چوں (موجودہ آزاد خوجہ) میان بہار الدین جن کا ذکر سب الاعوان میں بھی ہے، ششی اندر دتہ خان سنگولہ بساڑی - ششی نیک محمد خان سنگولہ چوکیان - ششی علی اصغر سنگولہ دھنی ششی غلام حسین خان - سائیں سہیل علی سنگولہ چوکیان - مولوی علی باہر سنگولہ بارل پٹناری - مولوی محمد اعلیٰ خان سنگولہ بول - عطا محمد خان سنگولہ چوکیان - حاسم الدین خان مصنف کتاب نسب الاعوان قاضی محمد عیسیٰ خان قابل ذکر ہیں۔ فوق صاحب نے شاخ حاجی اندر داخان اعوان سنگولہ دھنی بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں محمد عظیم خان اور محمد خان قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے سونوٹی کی سکونت ترک کر کے جوت بھائیوں تحصیل باغ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ان کی شاخ کے کچھ افراد باغ اور تحصیل سونوٹی میں بھی آباد ہیں۔

فوق نے اعوان قبیلہ کی اس شاخ کا ذکر ایک اگلی باب میں کیا ہے۔ چونکہ میں شریف خانی اعوان کہلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شریف خانی اعوانوں کا مورثہ اعلیٰ چڑا سید شاہ سے شعلہ ہزارہ ہیں آیا۔ اور دلا سے ان کی اولاد میں سے ایک شخص شریف خان نے پہلے مظفر آباد سے علاقہ میں اور پھر تحصیل باغ کے موضع خواہدہ تھوڑی میں اکر آباد ہوا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب کشمیر میں چٹاؤں کی حکومت آخری سالوں سے رہی تھی، جہاں تک زمانے کا تعلق ہے فوق صاحب نے تقریباً درست ہی لکھا ہے مگر یہاں کے شریف خانی اعوانوں میں جو روایت مصدقہ ہے وہ یہ ہے کہ شریف خان عمر شاہ کی ۱۲ویں پشت سے تھا۔ محمدی عمر شاہ کے بارے میں گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کی خالہ عاتشہ بی بی کے بطن سے تھا۔ شریف خان کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ استبداد کیسے کیوں ہوئے حاکم ضلع تھا اور یہ غالباً ۱۷ویں عہد ہے جب کشمیر میں افغانوں کے اقتدار کا چرچہ مٹا رہا تھا۔ جب کشمیر و سکھوں نے قبضہ کیا تو اسے کشمیر میں بحیثیت بہتم نشین تسلیم کیا گیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں شریف خان کا شمار چوتھے علماء میں ہوتا تھا اور اسے سکھوں سے

دربار میں بڑا اعتبار حاصل تھا، جب وہ کشمیر میں تدبیرات ہوا تو سکھوں کے گرو برہمچریہ کفر سے اس کی
 ان بن چوٹی اور کشمیر کی سکونت ترک کر کے منظر آباد کے علاقہ سران باکسرنامی ایک گاؤں میں آباد
 ہوئے۔ یہی جموں کے سلطان کو سکھوں کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ شریف خان واپس اپنے علاقہ میں نہ
 جائے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے شورش کا خدشہ تھا، سلطان جموں نے سکھوں کے حکم سے سخت
 اپنی فوج بھیج کر اسے مسترد کرانے کی کوشش کی اور منظر آباد کے کھکھہ راجگان نے شریف خان کا ساتھ
 دیا۔ اس جنگ کے دوران شریف خان کا ایک لڑکا اور لڑکی رحلت کر گئے جن کے مزارات سران
 باکس میں موجود ہیں۔ اس کے بعد شریف خان نے چکاری میں اقامت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں
 کھکھہ اور عبد اللہ پور کی آپس میں جنگیں ہو رہی تھیں اور سادات گیلانہ کے بھی کچھ بزرگ شریف
 خان کے ہرہہ تھے۔ اسی دوران شریف خان نے ہوا دیا دیکھتے تھے نامی گاؤں میں بھی اقامت اختیار کی
 کھکھوں اور جموں کی جنگ ہی کے دوران شریف خان نے تحصیل بارگ کے ایک قریبی گاؤں
 ہال بیو میں سکونت اختیار کر لی، شریف خان کے چار بیٹے حیات خان، فیض اللہ خان، مولیٰ
 خان اور عبد اللہ خان تھے۔ حیات خان کی شاخ ناموٹہ، برہنگ، گوجران، دھوان، گروالہ
 اور کلاکوٹ موجودہ حبیب پور تحصیل سہوٹی میں آباد ہے۔ اس شاخ سے مولوی نور الدین تاجی
 عبدالحسین سکنہ برہنگ، لہنٹ محمد عظیم خاں، محمد حنیف خان وغیرہ سکندریہ حسین کوٹ قابل نکر
 ہیں۔ دوسرے بیٹے عبد اللہ خان کی شاخ سے مولوی تاجی محمد خان سکنہ سرسیدان، جن کا بیٹا مولوی
 بدر العزیز زہرہ ہے۔ پسرانہ میں مولوی شمس الدین خان اور کلاکوٹ تھانہ میں مولیٰ خان
 خان ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولیٰ خان دکن الدین نے اس وقت مدود، ایسی بلند پایہ
 دینی درسگاہ سے تعلیم حاصل کی جب پرنسپل میں ندم دین کا چرچا بہت تھا۔ مولیٰ خان دکن الدین تھانہ
 سے بڑے عہد جزا دے آزاد حکومت ریاست جموں کشمیر کے ڈپٹی سیکریٹری سرور احمد براہیم
 خان ہیں۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ نہایت اعلیٰ خوبیوں کے مالک ہیں اور اپنے
 بزرگوں کی طرح مطالعہ کتب کا بے حد شوق ہے۔ مولانا کے دوسرے فرزند سرور عبد الحمید خان ہیں
 آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ سیکریٹری کوپریٹو سوسائٹی وانپہلہ بادامی ہیں
 آپ کو بھی مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ آپ بہادر ہنسار معلم دوست اور خوش اخلاق ہیں۔
 مولانا دکن الدین خان ایک با اقتدار آمرانہ کے جسم و چراغ تھے۔ آپ کے دارالیناسط
 مہر خان کو بہادر راجہ زین رسیم کی طرف سے ایک نیموھی سند عطا ہوئی تھی جس کی رو سے انہیں

دربار میں کرسی ملی تھی اور ایسے بھی معاف تھا۔

مولانا دکن الدین نے مدود سے دو اطفال حاصل کر کے بعد اپنے بھائی ہادیہ علاقہ میں قائد راجی خدمات
 انجام دیں۔ ایک کے شامرو دیں مولوی غلام رسول خان سیلوری، مولوی محمد یوسف خان سکنہ
 حبیب پور۔ مولوی فتح دین سکنہ کوپراں، اور مولوی محمد حسین سکنہ چھابی و صاحب خاص طور پر
 قابل ذکر ہیں۔ مولانا دکن الدین کا ذاتی کتب خانہ خاصا وسیع ہے جواب تک محفوظ ہے۔
 شریف خانی اعلیٰ قوتوں میں موجود وقت سرور احمد حنیف خان سپرنٹنڈنٹ مالیات آزاد
 کشمیر، سرور احمد نور خان، سرور عبد اللہ خان اور ریشاڑو صوبیدار محمد حسین خان خاص
 طور پر قابل ذکر ہیں۔ تاحی میسر خان آف راولا کوٹ بھی اس شاخ سے ہیں۔ برہنگ میں منظور
 خان بی۔ اے اور علی عباس بی۔ اے بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مزن علی کاکا ان اعوان کی شاخ سے بارل کا اعوان قبیلہ بھی قابل ذکر ہے۔ ان میں محمد بخش نامی ایک
 اعوان سرور خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کے بیٹے مولانا علی بہادر خان اعوان باہ کے عالم دین
 گذرے ہیں۔ ان کے بیٹے مولانا غلام مصطفیٰ بھی اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین رہے ہیں۔ ان
 کے فرزند عبد الحمید شاہن ایم۔ اے انگریزی پنجاب موجودہ وقت آزاد کشمیر میں سیکریٹری پبلک
 سروس کمیشن ہیں۔ موفیہ بارل تحصیل سہوٹی میں اس شاخ سے ریشاڑو صوبیدار عثمان غنی۔
 عبد الحمید خان اور عنایت اللہ خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اعوان قبیلہ بارل ہی کی ایک
 شاخ تحصیل سہوٹی کے موضع دنگ میں بھی آباد ہے جن کے مورث اعلیٰ کا نام گھو خان تھا۔
 گھو خان کے تین بیٹے کادوان، راجو خان اور کمال خان ہوئے ہیں۔ کمال خان اولاد تیار ہوا ہے
 اور کادو خان اور راجو خان کی شاخیں یہاں آباد ہیں۔ موجودہ وقت امروہی میں اعوان قبیلہ
 کی کافی آبادی ہے اور یہاں کے اعوان پٹے کہے ہیں۔

دیار میں بڑا اعتبار حاصل تھا، جب وہ کشمیر کی تعلیمات جہاں سکھوں کے گورنر تھے کشمیر سے اس کی
ان بن ہوئی اور وہ کشمیر کی سکونت ترک کر کے منظر آباد کے علاقہ سران باکسر نامی ایک گاؤں میں آباد
ہو گیا۔ توحی کے سلطان کو سکھوں کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ شریف خان والہ اپنے علاقہ میں نہ
جائے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے شورش کا خاشہ تھا، سلطان گرجی نے سکھوں کے حکم سے تحت
اپنی فوج بھیج کر راستہ رکوانے کی کوشش کی اور منظر آباد کے کھکھ راجگان نے شریف خان کا ساتھ
دیا۔ اس جنگ کے دوران شریف خان کا ایک لڑکا اور لڑکی رحلت کر گئے جن کے مزارات سران
باکسر میں موجود ہیں۔ اس کے بعد شریف خان نے چکار میں اقامت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں
کھکھ اور عبد اللہ پور کی آپس میں جنگیں جو رہی تھیں اور سادات تیکلانیہ کے بھی کچھ بڑے بزرگ شریف
خان کے ہمراہ تھے۔ اسی دوران شریف خان نے مراد آباد کا علاقہ تیران نامی گاؤں میں بھی اقامت بنیاد کی
کھکھوں اور یوں کی جنگ بھی کے دوران شریف خان نے تحصیل باغ کے ایک قریبی گاؤں
پال سید میں سکونت اختیار کر لی، شریف خان کے چار بیٹے حیات خان، فیض اللہ خان، مولائے
خان اور عبد اللہ خان تھے۔ حیات خان کی شاخ نامنڈ - برنگ - کوہیاں - دوٹھان - گڑوالہ
اور کلاکوٹ موجودہ چین سوٹ تحصیل سہوٹی میں آباد ہے۔ اس شاخ سے مولوی نور الدین شاخی
عبد الحسین سنگہ برنگ - ایفٹ محمد عظیم خاں - محمد حنیف خان وغیرہ سکھ حسین کوٹ قابل ذکر
ہیں۔ دوسرے بیٹے عبد اللہ خان کی شاخ سے مولوی توحی محمد خان سنگہ سر سید، جن کا بیٹا مولوی
ہدالمرن زندہ ہے۔ پتراٹہ میں مولوی شمس الدین خان اور واکوٹ تھانہ میں علی شاہ الدین
خان ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولائے مراد الدین نے اس وقت ندوہ، ایسی بلند پایہ
دینی درسگاہ سے تعلیم حاصل کی جب پونچھ میں ملہم دین کا چرچا بہت کم تھا۔ مولائے مراد الدین تھا
سے چلے مہاجرا دے آزاد حکومت ریاست جموں کشمیر کے ڈپٹی سیکریٹری سردار محمد ابراہیم
خان ہیں۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ نہایت اعلیٰ خوبیوں کے مالک ہیں اور اپنے
بزرگوں کی طرح مطالعہ کتب کا بے حد شوق ہے۔ مولائے دوسرے فرزند سردار عبد الحمید خان ہیں
آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ سیکریٹری کراچی میٹرو سوسائٹی و انسپکٹر عدالت بھی ہیں
آپ کبھی مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ آپ، عبد اللہ، علم دوست اور خوش اخلاق ہیں۔

مولائے مراد الدین خان ایک با اعتبار شخصیت تھے جسے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے دار و دیوار
مہاراجا کوہیا راجہ رینر سنگھ کی طرف سے ایک خصوصی سند عطا ہوئی تھی جس کی رو سے انہیں

دیار میں کرسی ملتی تھی اور انہیں بھی معاف تھا۔

مولائے مراد الدین نے ندوہ سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے بہادرہ علاقہ میں قساوند دینی خدمات
انجام دیں۔ آپ کے شاگردوں میں مولوی غلام رسول خان سیلوڑی، مولوی محمد یوسف خان سنگہ
حسین آباد - مولوی فتح دین سنگہ کوہیاں، اور مولوی محمد حسین سنگہ جھانی و صاحب خاص طور پر
قابل ذکر ہیں۔ مولائے مراد الدین کا ذاتی کتب خانہ خاصا وسیع ہے جو اب تک محفوظ ہے۔
شریف خانی اہل خانہ میں موجود وقت سردار محمد حنیف خان سپرنٹنڈنٹ مالیات آزاد
کشمیر۔ سردار محمد نور خان، سردار عبد اللہ خان اور ریشاڑو صوبیدار محمد حسین خان خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔ تاحی شریف خان آف ولڈاکوٹ بھی اس شاخ سے ہیں۔ برنگ میں منظور
خان بی۔ اے اور علی عباس بی۔ اے بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مزل علی گڑاں اہل خانہ کی شاخ سے بارل کا اعوان قبیلہ قابل ذکر ہے۔ ان میں محمد بخش نامی ایک
اعوان سردار خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کے بیٹے مولانا علی بہادر خان اعوان باغ کے عالم دین
گزرے ہیں۔ ان کے بیٹے مولانا غلام مصطفیٰ بھی اپنے وقت سے بلند پایہ عالم دین رہے ہیں۔ ان
کے فرزند عبد الحمید شاہین ایم۔ اے انگریزی پنجاب موجودہ وقت آڈاکو کشمیر میں سیکریٹری پبلک
سروس کمیشن ہیں۔ موضع بارل تحصیل سہوٹی میں اس شاخ سے ریشاڑو صوبیدار عثمان غنی،
عبد الحمید خان اور عنایت اللہ خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اعوان قبیلہ بارل ہی کی ایک
شاخ تحصیل سہوٹی کے موضع منگ میں بھی آباد ہے جن سے مورثا علی کا نام گکو خان تھا۔
گکو خان کے تین بیٹے کافان - راجی خان اور کمال خان ہوئے ہیں۔ کمال خان اولاد بتایا جاتا ہے
اور کالو خان اور راجی خان کی شاخیں یہاں آباد ہیں۔ موجودہ وقت امر موضع میں اعوان قبیلہ
کی کافی آبادی ہے اور یہاں کے اعوان بڑے لکھے ہیں۔

منہاس راجپوت

پونچھ کے راجپوت قبائل میں اپنی تاریخی روایات اور تاجناک ماضی کے باعث منہاس قبیلہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ قبیلہ کی جنگ آزادی میں دوسرے تمام قبائل کے دوش بوش اس قبیلہ کے بہادر جاوگی دھڑو بھارتی فوجی کے خلاف جہاد کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد آزادی کشمیر میں منہاس قبیلہ کا بھی ایک خاص حصہ ہے جو ان کی امتیازی حیثیت کا مندرجہ اس سرزمین پر منہاس قبیلہ کی تاریخی رد و داد غالباً سب قبیلوں سے زیادہ طویل اور پرمکھ ہے۔ منشی محمد یونس نون نے منہاس راجپوتوں کے بارے میں اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ ۲۰ تا ۹۶ پر تاریخ راجپوتانہ پنجاب کے حوالے کے کافی تفصیل لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ منہاس قوم کا سلسلہ راجہ جوگ راج یا راجہ جوگ راؤ تک پہنچتا ہے جو کرسی نامہ کے مطابق راجہ جاوہر چوہان بانی جوں کی ۶۴ ویں پشت سے تھا اور مصنف محکم نامہ کی تحریر کی رو سے ۵ دین پشت سے تھا۔ راجہ جوگ راج کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ولی مہد تھا۔ اس کا نام منہاس تھا اور سیر اپنے باپ کی زندگی میں ہی صاحب اولاد ہو کر مر گیا۔ اس نے حکومت اس کے چھوٹے بھائی سورج ہنس کوئی۔ راجہ جوگ راج نے منہاس کو جاگیر میں جو چند گائوں دے رکھے تھے اس کی اولاد نے ان پر کاشت کاری شروع کر دی۔ چونکہ خاندان جوں میں مل جلانا منہ تھا اس لئے منہاس کی اولاد کو منہاس کی بجائے منہاس کہا جانے لگا جو بگڑتے بگڑتے منہاس ہو گیا۔ خاندان جوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ منہاس قوم کی اصل گو منہاس ہی سے بنی ہے، لیکن یہ قوم مختلف اوقات میں کھیتی باڑی کرتی رہی ہے۔ گویا خاندان جوں کی جن شاخ نے مل جلایا ہی منہاس لقب سے مشہور ہوئی۔ منہاس کا زمانہ سنسکرت بکری بتایا جاتا ہے اس حساب سے منہاس قوم کو اب تک سولہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ تاریخ راجپوتانہ پنجاب کے علاوہ مفتی محمد سرور لاہوری نے منہاس قوم کا ذکر اپنی کتاب تاریخ خزانہ پنجاب مطبوعہ ۱۹۵۷ء میں کیا ہے۔ مفتی محمد سرور کے حوالے سے اس قوم کے کشمیر کی طرف آنے کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اصل حال اس قوم کا یہ ہے کہ راجہ رام چند

کی وفات کے بعد بیہوش نامی مورث اعلیٰ اس قوم کا اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر اجودھیا سے اول کشمیر آیا اور چرواہوں سے واپس ہو کر جہاں اب قصبہ ٹکٹو آباد ہے مدت تک مقیم رہا۔ چند پشت بعد اس کی نسل سے جاوہر چوہان بڑا اقبال مندر راجہ پیدا ہوا جس نے اپنی سلطنت پہاڑ کے علاقہ قندھار قائم کی اور شہر جاوہر جو اب جوں کے نام سے مشہور ہے آباد کیا۔ پھر اس کی چوتھی پشت میں سے بڑے گھمسان نامی ایک راجہ ہوئے جو سنسکرت بکری میں جوں پر راج کرتا تھا۔ اس کے چل کر ایک نامور راجہ مالویہ پیدا ہوا جس کی اولاد سے راجا جوں کا خاندان ہے جو جوں کہلاتا ہے۔ مالویہ جس نے زراعت کا پیشہ اختیار کیا اور اسی وجہ سے اس کی اولاد منہاس مشہور ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ زراعت کا کام کرنا ان راجپوتوں کو منع تھا اور انہوں نے یہ اختیار کر لیا۔ اس لئے منہ اور منہاس ہنس کی ترکیب سے یہ منہاس کہلائے۔ جہاں تک منہاس راجپوتوں کی قدیم تاریخ کا تعلق ہے اس کا ذکر تقریباً سب ہی مورخین کے ہاں ملتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منہاس ایک قدیم راجپوت قوم ہے اس قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے بھی اپنا پلائے لقب اختیار کئے رکھا۔ یہ وجہ ہے کہ اب تک اس شاخ کے جو لوگ منہاس ہیں وہ بھی اپنے نام کے ساتھ منہاس لکھتے ہیں۔ منہاس قبیلہ کے افراد جوں کے علاوہ چرواہے، بھت پرگواں وغیرہ ہیں آبادی کے لحاظ سے دوسری شاخ جس روٹ، جو اوندے، الگ ہو کر موہنہ وغیرہ بنی تھیں بسوئی میں بھی آباد ہے۔ ہمیں خاندان راجہ سنگرام دیو کے بعد سے علیحدہ ہو کر کاغذہ اور گنداسپوٹ آباد ہے۔ چچا خاندان راجہ چک دیو کے بیٹے رام دیو کے الگ ہوا اور اس شاخ کے افراد سیانکوٹ، گونداسپور، جالندھرانہ، جوشیار پور وغیرہ میں آباد ہے۔ پانچواں خاندان راجہ بیج دیو سے الگ ہو کر بسوئی پور میں آباد ہے۔ منہاسوں کی ابتدائی سات شاخیں زیادہ مشہور ہیں۔ پنجاب کے مختلف اضلاع جوں، کشمیر، پونچھ میں جس قدر منہاس آباد ہیں یہ سب انہی سات شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پونچھ کے علاقہ سوہرن میں سوٹ، یوٹھ، سوہرن سوٹ، لہورٹ، جھٹڑی اور ڈوگریاں میں منہاسوں کی آبادی ہے۔ پونچھ خاص کے دیہات جھٹڑ، اڑی، جاز، کلہون، پھنا تیر، ورم سال، پونچھ فاس، بلوئی، چندک، پولس، چوٹا وغیرہ میں منہاس کی آبادی بکثرت ہے۔ تحصیل منہندو جوں کی علاوہ تحصیل سدھوتی کے بعض دیہات میں بھی منہاس راجپوت آباد ہیں۔ پونچھ کے تحصیل باغ کے شمال میں، مالندہ اور بنی منہاس دکانڈ میں راجپوتوں کی آبادی کم ہیں۔ بنی منہاس، ان، مالندہ کے منہاسوں کا پتا ہے کہ ان کے اسلاف نے

جب اس علاقہ میں سکونت اختیار کی تو یہ تمام علاقہ گنجان جلیں تھا۔ انہوں نے اس غیر آباد علاقہ کو صاف کر کے قابل کاشت بنایا۔

بھی منہاسان اور مالدرہ میں جو منہاس اور راجپوت آباد ہیں۔ یہ ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ اپنے مورث اعلیٰ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اندر سنگھ نامی ایک راجپوت سردار مسلمان ہو کر جوں سے علاقہ سے باغ کے ساتھ قلعہ کے قریب آباد ہوا۔ جوں جوں اس کی نسل نے ترقی کی انہوں نے قریب و چار کے علاقوں کو آباد کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی زیادہ آبادی بنی اور مالدرہ کی طرف بڑھنے لگی۔ موجودہ وقت بنی اور مالدرہ میں منہاس راجپوتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ اس قبیلہ کے سرفروشنوں نے جہاں آزادی کشمیر دے بھر لی حصہ لیا ہے۔ اس علاقہ کے کچھ لوگ اب بیرون ملک میں بھی ملازمت کرتے ہیں اور اس وقت منہاس قبیلہ میں بھی کافی تعداد میں شور پیرا ہو چکا ہے۔ اس وقت منہاسوں میں چند ایک نوجوان گمبھت بھی ہیں جن میں راجہ خادم حسین خان سکندر مالدرہ اور راجہ ... خان سکندر پھر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ سنی طالب علم کا بیج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس قبیلہ کے سنجیدہ اور با شعور حضرات نے باہمی تعاون سے پاک کشمیر منہاس برادری کے نام سے ایک رفاہی اور تعلیمی قائم کی ہے جو پاکستان اور آزاد کشمیر کی منہاس برادری کو رفاہی کاموں سے ملے مستحقہ کردہی ہے۔ منہاس قبیلہ کے حضرات نے جو مرکزی آرگنائزیشن کیٹی منتخب کی ہے اس میں اس قبیلہ کے دوسرے کردہ حضرات ڈاکٹر فخر نسیم خان منہاس اور راجہ محمد اکبر خان منہاس کو متفقہ طور پر چنا ہے اور تمام منہاس برادری نے اپنا علاقائی مرکز باغ میں قائم کیا ہے۔ راجہ محمد اکبر خان منہاس اس قبیلہ کی انتہائی با وقار شخصیت ہیں اور مالی لحاظ سے کچھ ہی تاجریں جہاں آزادی کشمیر کے دور میں راجہ محمد اکبر خان چاری میں تجارت کرتے تھے۔ جب جہاد شروع ہوا تو آپ نے ہزاروں روپے کا کاروبار چھوڑ کر جہاد آباد میں ملکا حصہ لیا۔ آپ کی شاندار کارکردگی کو آزاد کشمیر کے تمام سول اور فوجی افسروں نے سراہا ہے اور آپ کے پاس بیسوں سرٹیفیکیٹ موجود ہیں۔ راجہ محمد اکبر منہاس بے حد فلسفہ راہ و خوشہ انفاق ہیں۔ آپ نے اپنے اپنے کشمیر منہاس برادری کی تعلیم میں نہ صرف اہم حصہ لیا بلکہ مرکزی دفتر بھی اپنی منہاس بڑوں کے میں قائم کر دیا۔

ڈاکٹر اعجاز الحق منہاس اس قبیلہ کی انتہائی شہرت یافتہ شخصیت ہیں۔ آپ نے نیاپاک

سے پہلے شارف پینڈ میں سکونت الی الا قومی مقابلے جیتے اور کئی تھے جیتے۔ آپ شارف پینڈ میں عالمی ماہرین میں شمار ہوتے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

ڈاکٹر فخر نسیم خان منہاس اس اعجاز الحق خان منہاس ہی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ سیاسی کارکن ہیں۔ اور آل جوں و کشمیر پریشن لیگ سے وابستہ ہیں۔ راجہ محمد صدیق خان بنی منہاسان کی مشہور شخصیت راجہ کالا خان منہاس کے فرزند ہیں۔ آپ تعلیمی اور فلاحی کاموں میں بے حد مصروف ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو پاک کشمیر منہاس برادری علاقہ بنی منہاسان کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔ آپ باغ میں کپڑے کی تجارت بھی کرتے ہیں۔ راجہ شیر زمان خان بھی باغ کی منہاس برادری میں ایک معزز شخصیت ہیں اور برادری کی فلاحی تنظیم میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں، راجہ خادم حسین خان منہاس قبیلہ کے گمبھت اور با شعور نوجوان ہیں جو ملکی سیاست کے ساتھ ساتھ پاک کشمیر منہاس برادری کی تعلیم کے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

منہاس قبیلہ کی آبادی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ تحصیل سرحد میں بھی ہے اس علاقہ کے منہاس راجپوت راجہ ہندل دالے جوں کی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ جہاں علی بدین سیاکوٹ کے ایک گاؤں پنگوال کی ایک بوائے کے دوران مغل خلیفہ امام علی کے دست حق پرست پر مسلمان ہو کر ایک شخص سرد پ دہلے اپنا نام شیخ حق رکھا۔ مغل بادشاہ کے حکم سے شیخ حق کو شہر تخت پری متصل روات ضلع راولپنڈی میں ایک جاگیر عطا ہوئی اس کی شاخ سے ایک شخص شیخ چند عالم خان حاصل تھا اور درس و تدریس کا کام کرتا تھا۔ اس کے تعلقات میرپور کے ایک رئیس میران خان غازی کے تھے۔ میران خان کی فرمائش پر وہ میرپور چلا آیا اور یہاں کی کثیر آبادی کو دینی تعلیم دینی شروع کر دی۔ اس کی شاخ سے ایک شخص مولوی پرنس خٹیل کوٹی کے ایک گاؤں سرسادیہ میں آگے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس وقت ان کی شاخ سے تحصیل سرحد کی دیہات نیریاں، قلعاں، پھونڈا وغیرہ میرا دساہ اور کیمز منہاسا میں سینکڑوں منہاس راجپوت آباد ہیں ان منہاسوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔ مولوی برکت حسین منہاس سکندر تیر۔ جو کہ پاک کشمیر منہاس برادری کی تنظیم کے بانیوں میں سے ہیں۔ مولوی نذر حسین آپ مشہور عالم دین قاضی امام الدین کے فرزند ہیں اور موضع نیریاں کے عوام نے ان کا پناہ نام منتخب کیا ہے۔ شیخ عید اللہ شہید منہاس، آپ کیمز منہاس سادہ کے مشہور عالم دین قاضی فیضی کے فرزند ہیں۔ محمد عید منہاس، آپ پھونڈا کے رہنے والے ہیں۔ آپ

اپنی زندگی کا ایک حصہ اردو محافض کی خدمت میں صرف کر چکے ہیں۔ موجودہ وقت روزنامہ مشرق پشاور کے آرٹ ایڈیٹر ہیں۔ ان کے علاوہ نائب صوبیدار محل حسین خان سکندہ تالاداری نائب صوبیدار لاہور حسین خان سکندہ تھیراں۔ پینٹنٹ غلام نبی الدین خان آف میرا دساہ عبدالحی خان سکندہ تھیراں ساہاں۔ شیر محمد خان سکندہ میرا دساہ۔ محمد رفیق خان سکندہ تھیراں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عباس پور سے مشرق کی جانب پوس اور جٹاؤ کے دو گاؤں بھی منہاس برادری کی شیر آبادی کے ہیں۔ یہاں کے منہاس سلاطین میں ضلع کٹھوہ سے ترک سکونت کر کے پچھترہ کے قریب آباد ہوئے تھے۔ ان منہاسوں کی شاخ حکمان دلیا درکیان دیو سے ہے۔ اس شاخ کے کچھ لوگ اب پوس اور جٹاؤ میں آباد ہیں۔ اس وقت ان منہاسوں میں ششی لال پور سکروہ ہیں۔ سید احمدی۔ اے۔ ایل۔ بی۔ ان ہی کے منھے صاحبزادے ہیں۔ راجہ نیاز احمد خان منہاس سبب نچ بھی اس علاقہ کی منہاس برادری میں قابل قدر شخصیت ہیں۔ آپ مقبوضہ علاقہ پمروٹ سے نقل مکانی کر کے آزاد شیر آئے تھے۔ راجہ نیاز احمد کے بڑے بھائی راجہ غلام احمد اس وقت انگلستان میں ہیں۔ محض منہاس اس وقت گورنمنٹ کا پلندہ پندری میں متعین ہیں اور ان کے صاحبزادے پی ڈیو ڈی ہیں اور وزیر ہیں، عباس پور ونگوہ میں بھی منہاسوں کی خامی آبادی ہے۔ یہاں کے منہاس تین مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے آباء و اجداد بھی جوں ہی سے اس طرح آئے تھے۔ یہ ملک منہاس کہلاتے ہیں۔ ان میں ملک صلاح محمد خان۔ حوالہ راجہ دین خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ داراندی میں بھی منہاسوں کی آبادی موجود ہے۔ داراندی کے منہاسوں کے چھوٹا بھی شاہجہاں کے زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چار بھائی تھے میاں حواچیاں میان دولت۔ میان فرازا درمیان چہانوں۔ میان فروزا درمیان چہانوں کی شاخ جھاڑہ میں آباد ہے۔ میان دولت کی شاخ نے کافی ترقی کی۔ ان کے ایک فرزند کا نام میاں بن تھا۔ اس کی شاخ کے لوگ ملک منہاس کہلاتے ہیں۔ اس کی شاخ کے افراد کو ملی کے علاوہ پچھترہ کے موضعات ماراپور۔ تابی۔ دالاندی۔ سپہر۔ گکوٹ اور تیتیری ٹوٹ میں آباد ہیں۔ اس شاخ کے کچھ افراد ساہی کہلاتے ہیں۔ موجودہ وقت اس شاخ سے منہاسوں نے تعلیمی اور تجارتی معاملات میں کافی ترقی کر لی ہے۔ اس شاخ سے چند حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن میں ماسٹر ملک محمد حسین خان آف سپہر، ملک محمد یوسف خان ایڈوکیٹ آف تیتیری ٹوٹ۔ آپ نے

بھی کیا ہے اور مسلم کالفرنس سے وابستہ ہیں۔ ملک بقا محمد خان آف تیتیری ٹوٹ۔ ملک قربان علی خان آف تیتیری ٹوٹ۔ ان کے علاوہ ملک محمد اقبال ایڈوکیٹ۔ ڈاکٹر ملک بشیر احمد خان آف جیرہ۔ ملک محمد اشرف خان آف تیتیری ٹوٹ۔ ملک بقا محمد خان۔ ملک فروز خان ایم۔ اے۔ کشید خان تابی۔ صوبیدار عطا حسین عاصی۔ صوبیدار عبدالکیم ملک عبدالعسین خان آف گکوٹ اور محمد اعظم خان آف داراندی وغیرہ قابل ذکر ہیں منہاس برادری کے کچھ گھرانے دو تھان اور کچھ راولا کوٹ کے قریب بھی آباد ہیں۔ ان میں حوالہ راجہ منظر خان۔ حوالہ راجہ محمد خان۔ محمد افسر خان اور محمد یعقوب خان خاص طور پر قابل ذکر افراد ہیں۔ منہاسوں کی آبادی تحصیل باغ کے شرقی عاؤں ڈھلی میں بھی ہے۔

منہاس قبیلہ کے تاریخی آثار و شواہد سے ثابت ہے کہ یہ اعلیٰ پایہ کار اپنوت قبیلہ ہے جو اپنے اندر راجپوت کی وہی پرتی آن بان رکھتا ہے۔ ۱۹۳۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دوسرے قبائل کے دوش بٹش منہاسوں نے بھی شاندار تعلیمی اور تجارتی ترقی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قبیلہ کے افراد ملک کی سیکاری شہزادی میں اعلیٰ عہدوں پر ہیں اور معاشرے میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔

اس شلن کے خاندان محمد اموان سیاسی کارکن ہیں۔

کھکھہ راجپوت

کھکھہ راجپوت قبیلہ پونچھ کے علاوہ کشمیر کے زیریں حصہ مظفر آباد، پکارت، ڈنہ، کھیلی اور سرمد وغیرہ میں بھی بڑی تعداد میں آباد ہے۔ ریاست پونچھ کی تحصیل بارہ، مہنڈر، جوی اور سمنوٹی میں بھی کھکھوں کی آبادی موجود ہے۔

دیگر راجپوت قبیلوں کی طرح کھکھہ قبیلہ بھی اپنے بچے شاندار تارکشی روایات رکھتا ہے کشمیر کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مظفر آباد اور اس کے قریب وجوار میں سینکڑوں سال تک کھکھوں کی حکومت رہی ہے اور ماضی میں بڑے بڑے کھکھہ سردار مظفر آباد پر غورنگار بھی رہے ہیں اور اس کا ذکر کشمیر کی تاریخ کے انگریز مؤرخین سردار لارنس وغیرہ نے بھی پوری تفصیل سے کیا ہے۔ کھکھہ قبیلہ کے پاس جو شجرہ پشت در پشت سے معدہ چلا آتا ہے اس کی روشنی میں مولیٰ حشمت اللہ کھنوی سابق وزیر وزارت کشمیر نے بھی اپنی کتاب "تاریخ جوں و نواح مقبوضہ جات" میں کھکھوں کا ذکر کیا ہے، انہوں نے کھکھہ قبیلہ کی وہ تمام شاخیں بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں جو موجودہ دقت مظفر آباد، ڈنہ، کھیلی اور پونچھ میں آباد ہیں۔

مذکورہ تاریخی دستاویزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کھکھہ قبیلہ کاجور علیٰ راہ مل نامی ایک راجپوت تھا جو سنہ ۹۹۷ء کے قریب ریاست جودہ پوریا فتوح سے ترک سکونت کر کے نواح جلم میں آیا اور اس نے ایک حکماؤں راج گڑھ کے نام سے آباد کیا جو موجودہ دقت ملوث کہلاتا ہے مٹی محمد دیں فوق نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ اس راجہ کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا اس وقت جہلم میں راجہ مل بھی سیاسی اقتدار رکھتا تھا۔ اس نے غزنویوں کے لشکر کو روکنے کی کوشش کی اگر شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ راجہ مل نے جہلم پر اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے دین اسلام قبول کیا تھا مگر کھکھہ قبیلہ کے ان جو روایت مستند ہے یہ ہے کہ راجہ مل نے کسی مسلمان عالم دین کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں پاؤں رکھے تھے۔ جب راجہ مل مسلمان ہوا تو اس کے بیٹے جود خان، دھیا کال، ترولی اور کھنہ بھوان تھے۔ باپ کے کہنے پر انہوں نے بھی دین اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان بننے کے بعد راجہ مل کے بیٹے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس وقت جہلم اور اس کے نواح دین

زیادہ تر راجپوتوں کی آبادی تھی کہا جاتا ہے کہ جہلم کے علاقہ راج گڑھ کو خیر باد کہنے کے بعد راجہ کھکھہ خان نے معمولی سی سپاہ لے کر کشمیر کے پہاڑی علاقوں کا رخ کیا تاکہ یہاں قسمت آزمائی کر سکے۔

مولیٰ حشمت اللہ خان کھکھہ قبیلہ کے قلعی شجرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس وقت کشمیر کے پہاڑی حصہ میں جگہ جگہ خروخراہ حکومتیں قائم تھیں اور درودین تین دیہات کا سردار بھی اپنے آپ کو خروخراہ راجہ تصور کرتا تھا۔ راجہ کھکھہ خان جب اپنے ساتھیوں کو لے کر گڑھ سے آگے چھترکلاں پہنچا تو یہاں کے راجہ سے اس کی شدید جنگ ہوئی اور راجہ کھکھہ خان نے ہزود شمشیر اس کی راجدھانی پر بھڑکریا۔

یہاں پاؤں رکھنے کے بعد راجہ کھکھہ خان نے ڈنہ، کھیلی، ساہیو، کوٹ تالہ اور سرمد ملک کے تمام گاؤں اپنے قبضہ میں کر لئے اور ناگنی ڈھیری، اناکانی ڈھیری نامی ایک جگہ کو جو نابھ چھترکلاں کے قریب ہے اپنا دار الحکومت مقرر کر لیا جہاں پہلے قلعہ نما مکان کے آٹار اب تک موجود ہیں۔

مولیٰ حشمت اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ راجہ کھکھہ خان کے دبیٹے سنگی خان اور ملکی خان کو اس جگہ قیام پذیر رہے مگر راجہ کھکھہ خان اپنے بیٹے علیا خان کو ساتھ لے کر تبت کی طرف چلا گیا اور اسی ملک میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ علیا خان کی شاخ اب تک تبت میں آباد ہے اور اسی طرح راجہ کھکھہ خان کی جو شاخ پونچھ اور مظفر آباد میں آباد ہے یہ راجہ کھکھہ خان کی مناسبت سے کھکھہ کہلاتی ہے مگر شجرہ کی رو سے نسل راجپوت ہے۔ راجہ کھکھہ خان کے بیٹے راجہ سنگی خان کی شاخ سے بڑوں جگہ موجود ہیں وہ تپال بھی کہلاتے ہیں۔ دوسرے بیٹے راجہ ملکی خان کی شاخ بہت کثرت سے ہے اور پونچھ اور مظفر آباد کے کھکھہ راجے اسی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجہ ملکی خان کے بیٹے کا نام راجہ علی شیر خان تھا اور اس کا بیٹا راجہ بھیر خان تھا پنجو خان کے دبیٹے راجہ تیج خان اور راجہ فروز خان ہوئے ہیں۔ راجہ فروز خان کے بھی دو بیٹے راجہ گوند خان اور راجہ ڈھونڈا خان عرف تیز خان ہوئے ہیں۔ کشمیر اور مظفر آباد وغیرہ میں جو کھکھہ آباد ہیں یہ راجہ گوند خان کی شاخ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ڈھونڈا خان عرف تیز خان بڑوں مکھیال، ناول، ارجم، چوڑ، پیل، ملوث، ڈھک، پندر، میرا، رنگہ اور سیلوٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فروز خان کے دوسرے بھائی راجہ تیج خان کی شاخ چھریاں، گھوڑی کیر،

تاج - پٹاٹ - اھوڑیں - منگ - گورہ - بجیرہ - ٹاٹ - جنگ لڑی - ناچورہ - مرگ
اور ہر کر و غیرہ میں آباد ہے۔

جہاں تک کھکھ قبیلہ کے اوصاف و کردار کا تعلق ہے اس کی تعریف سرواٹلارنس
نے بھی اپنی کتاب "دلی آف کشمیر" میں کی ہے۔ سرواٹلارنس لکھتے ہیں کہ کھکھ قوم کشمیر سے
پہاڑی حصہ میں آباد ہے اور یہ قوم اعلیٰ تہذیب کی مالک ہے۔

کھکھ قبیلہ کچھ کے حالات سے ثابت ہے کہ یہ قبیلہ شروع سے ہی اعلیٰ پایہ کا زراعت پیشہ
اور باقاعدہ رہا ہے۔ ڈوگرہ خاندان سے بانی بہادر شاہ صاحب سنگھ نے جب پونچھ کا مال کرنے کے
لئے فوج کشی کی تو کھکھ قبیلہ کے سردار بھی ڈوگرہوں کے ساتھ جنگ لڑتے رہے۔ اس طرح
بلاشبہ کہہ سکتا ہے کہ اپنی دایات کے مطابق یہ قبیلہ شروع سے ہی بہادر، غیور اور جنگجو
ہے۔ پٹی اور دوسری جنگ ہائے عظیم میں جہاں دوسرے مارشل قبیلوں کے فوجاں شامل ہوئے
وہاں کھکھ فوجاں نے بھی بڑا فوجی فوج میں شمولیت اختیار کیا اور اچھے اچھے عہدوں پر فائز
رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے بہادر قبیلوں کی طرح پونچھ میں کھکھ قبیلہ کے چند سرداروں کو بھی
ڈوگرہ دربار میں سربراہی ملتی تھیں۔ جہاں آزادی کشمیر میں جہاں پونچھ کے دوسرے قبیلوں نے
نمایاں فرماتے انہاں میں وہاں کھکھ قبیلہ کا بھی ایک خاص حصہ ہے اور اس میں پونچھ اور کشمیر کے
کھکھ فوجاں کو نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

منشی محمد رفیع فقی نے پونچھ میں بسنے والی اکثر کھکھ شاخوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن
میں جنگ لڑی کی شاخ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ ۲۵
پر لکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً چار سو سال پیش ملا تھوڑا کچھ کشمیر کے موضع ڈتہ پٹیلی سے جنگ خان
نامی ایک کھکھ صاحب تحصیل بانگ کے ایک گاؤں جنگ لڑی میں آباد ہوا۔ کہتے ہیں کہ ڈوگرہ عہد
میں یہ راجہ خاص حیثیت رکھتا تھا اور اس شاخ سے یہاں چھ سات نمبر دار بھی تھے۔ جنگ خان
کو دسویں پشت سے راجہ بیرو خان ایک راجہ اس قدر با اختیار تھا کہ قرب دھڑار سکی دیہات
پر مشرف رہا۔ جنگ لڑی میں جو کھکھ برادری آباد ہے اس کی شاخ سے ہے۔ اس راجہ کے
چار فرزند راجہ روشن علی خان، راجہ شیر علی خان، راجہ ندر علی خان اور راجہ محمد خان ہوتے ہیں
روشن علی خان کا فرزند راجہ ہاشم علی خان ہوا ہے۔ اس کے فرزند محمد زمان خان کا ذکر فقی نے بھی کیا
ہے۔ اس شاخ سے فروز خان اور راجہ شیر محمد خان قابل ذکر ہیں۔ راجہ شیر علی خان کے تین فرزند

راجہ بالا خان، راجہ عطا محمد خان اور راجہ دوست محمد خان تھے۔ راجہ بالا خان کے تین فرزند راجہ
حیات خان، راجہ پہلو خان اور راجہ محمد یوسف خان قابل ذکر ہیں۔ راجہ حیات خان کا فرزند راجہ
میر احمد خان، راجہ چاہر خان کا فرزند منشی علی گوہر خان ہے۔ راجہ دوست محمد خان کے تین فرزند راجہ
گل محمد خان، راجہ افسر سیاب خان اور راجہ عبدالغوث خان ہیں۔ راجہ ندر علی خان کا ایک فرزند
راجہ ملک خان تھا جس کے دو فرزند راجہ شیر احمد خان اور راجہ ملک خان ہیں۔

راجہ میر خان کے چھ فرزند راجہ محمد خان کے دو بیٹے راجہ محمد با زخان اور راجہ عالم شیر خان ہیں۔ محمد با
خان کے دو فرزند راجہ محمد اشرف خان اور راجہ گل شیر خان ہیں۔ راجہ عالم شیر خان کے پانچ فرزند راجہ گل
خان، مولوی راجہ عبدالغنی خان، راجہ غلام حسین خان، راجہ نور حسین خان اور راجہ اکبر حسین خان ہوتے ہیں۔
راجہ کریم اللہ خان غوث کٹر خان کے تین بیٹوں میں سے صرف راجہ کالا خان کی شاخ آگے چلی ہے۔ یہاں
راجہ فتح نور خان، راجہ محمد الدین خان، دلیر با زخان، دلیر حسین خان، دلیر شاہ بابا الدین خان، دلیر شاہ
دلیر حسین خان، دلیر نواب خان، دلیر عبداللہ خان، دلیر سہنا خان، دلیر کالا خان، قابل ذکر گذرے ہیں۔ اسی شاخ
سے بونغان نامی ایک سردار گذرے جو آپ لڑکی میں اپنے علاقہ میں پائتا رہے۔ ان کا بیٹا بونغان ہوا ہے
بولغان کا بیٹا لطف اللہ خان تھا۔ لطف اللہ خان کے دو فرزند راجہ فقیر خان اور راجہ فروغ خان ہوتے ہیں۔ فقیر خان
کے بیٹے غلام محمد خان، علی محمد خان، اشرف خان اور غوث شاہ خان تھے۔ فروغ خان کے بیٹے کا نام محمد اکبر ہے
اسی شاخ سے راجہ محمد غلام خان بھی ہوا ہے۔ اس کا بیٹا پتو خان اور پتو خان کے بیٹے کا نام ستارا خان تھا۔

اس کے بیٹے کا نام میر علی خان تھا۔ میر علی خان کے بیٹے راجہ میر خان، راجہ بھولا خان، راجہ فیروز خان اور راجہ شاہ ولی
خان ہوتے ہیں۔ میر خان کے تین بیٹے راجہ نواب علی خان، راجہ محمد بخش خان اور راجہ میر محمد خان تھے۔ راجہ نواب علی
خان کا فرزند فتح محمد خان ہوا ہے۔ بھولا خان کے پانچ فرزند راجہ متولی خان، راجہ اکبر خان، راجہ دوست محمد خان
راجہ رنگی خان اور راجہ نواب خان کا ذکر فقی نے کیا ہے۔

جنگ لڑی میں راجہ بندو خان کی شاخ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کے دو فرزند راجہ بھولا خان اور راجہ
بہادر خان تھے۔ راجہ بھولا خان نے ڈوگرہ عہد میں نمبر داری بھی حاصل کی تھی اور ان کے فرزند راجہ گل محمدی خان
بھی عہد دار رہے ہیں۔ راجہ گل محمدی خان کے دو بیٹے راجہ گل حسین خان اور راجہ احمد خان تھے۔ راجہ گل محمدی خان
راجہ گل محمدی خان کے دوسرے بیٹے کا نام راجہ گل حسن خان ہے۔ راجہ بہادر خان کے پانچ فرزند
راجہ نواب علی خان، راجہ نیر خان، راجہ ناصر علی خان، راجہ دوست محمد خان اور راجہ فقیر خان ہوتے ہیں
راجہ فقیر خان اپنے بھائیوں میں خاص طور پر بہادر اور ناصر ہیں۔ راجہ فقیر خان کے فرزند ان

راجہ سیلوان خان اور راجہ منشی زمان خان قابل ذکر ہیں۔

راجہ سیلوان خان جنگ لڑی ہیں ایک اہم حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کے فرزندوں راجہ محمد اسحق خان، راجہ محمد عبدالرزاق خان، راجہ محمد اسلم خان، راجہ محمد صدیق خان، راجہ محمد صادق خان، راجہ محمد خلیل خان اور راجہ محمد صابر خان جنگ لڑی کی کھاکھ برادری میں رہیں اسلم اور کھکھ جتنی تصور کئے جاتے ہیں حامی راجہ عبدالرزاق کے فرزند ان راجہ مشتاق احمد خان، راجہ خالد محمود خان، راجہ طارق محمود خان، راجہ محمد محمود خان۔ راجہ آصف رزاق خان اور راجہ کاشف رزاق خان ہیں۔ حاجی راجہ عبدالرزاق خان مسلم ہائفرنس کی لیگان کے رہن ہیں اور خلافت عاصمہ کا مہربان ہیں بڑھ کر کھکھ لیتے ہیں۔ آپ راولپنڈی میں کئی بھٹوں اور سینکڑوں کمال اراضی کے مالک ہیں راجہ محمد علی کے تین صاحبزادے راجہ اقبال صدیق، راجہ زاہد صدیق اور راجہ جاوید صدیق ہیں۔

راجہ محمد اسلم خان کے فرزند ان راجہ محمد اسلم، راجہ اسلم اور راجہ عامر اسلم ہیں راجہ محمد اسلم خان کا تعلق مسلم ہائفرنس کے سپہ سالاروں میں شامل ہے اور آپ کا چچا مولانا مراد علی خان صاحب فرزند خان کے دست راست ہیں۔ موجودہ وقت اپنی بڑی جائیداد کے علاوہ راجہ محمد اسلم خان کے پاس راولپنڈی میں تقریباً ایک سو چار روپے کی جائیداد ہوگی۔ راولپنڈی شہر اور وہاں کے علاقوں کے تمام سکنے والے ہیں۔ آپ کے پاس راولپنڈی اور دیگر مقامات پر زمینوں کا کمال زرعی زمین ہے اس کے علاوہ راولپنڈی میں چند دروازے آپ کا جوڑا ہے کھکھ اس کی مالیت تقریباً آٹھ لاکھ روپی مالیت کے لحاظ سے اس وقت راجہ محمد اسلم خان کی پوزیشن کا آزاد خیروں میں درمیانہ درجہ کی فرزند۔ راجہ محمد اسلم خان نے اپنی کھاکھ برادری کو چند عظیم سکنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے اپنے انھک جہر جہر کے کھکھ راجپوت ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی جس کا مرکز بنی ہے اس وقت راولپنڈی میں ہے جس کے آپ خود صدر ہیں۔ اس سوسائٹی کی حیثیت حسب ذیل ہے۔ سرپرست اعلیٰ الامان راجہ عبدالرزاق خان، صدر راجہ محمد اسلم خان، نائب سرپرست راجہ محمد صدیق خان، نائب صدر راجہ امیر عالم خان، شیعہ نائب صدر راجہ محمد اسلم خان آف میبل۔ نائب صدر راجہ علی شیر خان، جنرل سیکرٹری مولوی فضل عالم خان، جیٹا سیکرٹری مولوی فیض الرحمن، محمد امیر سلطان، خزانچی مولوی محمد زمان خان، معاون خزانچی محمد حبیب خان، سیکرٹری نشر و اشاعت راجہ محمد اسلم خان، جوائنٹ سیکرٹری نشر و اشاعت راجہ غفران، پمپٹری آفٹ راجہ محمد اسلم خان و معاون پمپٹری آفٹ راجہ لطیف خان لی آفٹ گوارہ۔ راجہ محمد اسلم خان، راجہ ساجد عبدالرزاق خان، راجہ محمد صدیق خان اور راجہ محمد صابر خان نے کھکھ ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام کے لئے خود بھی ہزاروں روپے خرچ کیے ہیں اور یہی ان کی جدوجہد اور انھک کوشش کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پورے کھکھ برادری میں آج بھی انھک مذہب ہے انھک کے کئی طالب علم اعلیٰ کلاس میں تعلیم پا رہے ہیں۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ جنگ لڑی میں راجہ غیرت خان، راجہ پنوں خان اور راجہ جعفر خان خاص ہیں۔

پرو قابل ذکر ہیں راجہ غیرت خان کے ایک بیٹے راجہ گل بیگم کی بیوی بیٹے راجہ حفیظ خان بن ناصر خان کے دو فرزند راجہ محمد حفیظ خان اور راجہ حفیظ خان قابل ذکر ہیں تیسرے بیٹے راجہ مراد بیگم خان کے پوتے راجہ کمال خان کے دو فرزند راجہ پروا خان اور راجہ حفیظ خان قابل ذکر ہیں۔ راجہ پروا خان کے فرزند کا نام راجہ وسو خان تھا جس کے تین فرزند راجہ گوہر علی خان اور راجہ حفیظ خان قابل ذکر ہیں۔ راجہ پروا خان کے دو فرزندوں سندھو خان اور شیر خان کی شاخیں بھی، بان قابل ذکر ہیں راجہ مقدمہ خان بہت ہی بڑے بڑے ماس کے دو فرزندوں فیضان الدین خان و راجہ شکر الدین خان کی شاخ کے افراد بھی کافی تعداد میں ہیں۔ راجہ فضل خان کی شاخ سے راجہ گل باب خان مشہور ہے۔ راجہ شیر باخان کے دو فرزند راجہ امیر الدین خان اور میر خان کی شاخ بھی جنگ لڑی میں موجود ہے۔ راجہ آجودان کی شاخ سے کھکھ افراد کو کثیر تر تعداد میں آباد ہیں۔

کھکھ قبیلہ کے جس قدر افراد جنگ لڑی، کو کثیر تر تعداد میں آباد ہیں کسی زمانہ میں یہ جہاد کی ملازمت میں بہت کم تھے گراں سرکاری ملازمتوں میں بھی کافی ہیں۔ ان میں علمائے دین، وکلاء، پروفیسر اور مدرس حضرات بھی موجود ہیں۔ قبیلہ بان کے علاوہ کھکھ قبیلہ وسیع پیمانہ پر علاقہ مغربی کوس بھی آباد ہے۔ اس طرف پر کھکھ بھی ان کے عظیم فرزند راجہ جعفر خان مرحوم تھے۔ ان کے علاوہ راجہ حفیظ خان اور راجہ محمد علی بیگم خان ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سائنس میں سرگرم ایک خاص اہمیت و حیثیت کے مالک ہیں۔ میر مسو کے ایک رئیس راجہ سید محمد رفیع خان کھکھ وسیع اوصافیات کے مالک تھے۔ راجہ محمد عبدالقدیر خان ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ان کے فرزند ہیں۔ اس کے علاوہ کھکھ راجگان کبلی میں میر راجہ محمد عمر خان خان ولد راجہ عمر بن عبدالقدیر خان خاص طور قابل ذکر ہیں۔ کھکھ راجگان کبلی کی ایک اعلیٰ علمی شخصیت راجہ اسد خان ایم۔ اے۔ جیو لوجیا میں سماعتی ہیں اور اے۔ پی۔ پی سے وابستہ ہیں۔ راجہ محمد بارخان کبلی کی کھکھ برادری میں ممتاز شخصیت رکھتے ہیں۔ راجہ بلچندر خان ایم۔ اے۔ سنو لیاں کے رہنے والے ہیں اور کھکھ برادری کے شہر چترال میں۔ راجہ محمد حفیظ خان ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈمینیسٹریٹو کی کھکھ برادری سے ہیں۔ راجگان کبلی۔ چکارا وغیرہ آباد کے حالات و کوائف مولوی حفیظ خان نے بھی کتابت کیا ہے بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ کھکھ قبیلہ کی بہت بڑی آبادی ان عدد میں بھی موجود ہے جو بھارتی مقبوضہ میں۔ اس کے علاوہ اس قبیلہ کی بہت بڑی آبادی تحصیل جہندہ روحانی اور صدھوتی میں بھی ہے۔

تفصیل صدھوتی کے حلقہ گرواک ضلع تحصیل باغ کے کھکھ قبیلہ راجہ کی شاخ سے تعلق رکھتی ہے آج سے تقریباً اسی سو سال قبل راجہ کی شاخ کا ایک فرد راجہ رحمت اللہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد تھیں صدھوتی کے مشہور گاؤں گرواک سکھ قریب جہنم میں آباد ہو گئے تھے۔ موجودہ وقت خوب بھرتی ہوئے ہیں راجہ رحمت

کشاغ سے متد وگرائے آباؤں۔ عرب بہن نکلیں کھکھ قبیلہ کی خوشاغ آباد ہے ان میں کئی قابل ذکر افراد
 گذرے ہیں جن میں مفتی حاج الدین خان مرحوم، مرید علی خان مرحوم، ملوک علی خان مرحوم، میان محمد داود خان مرحوم، میان
 محمد علی خان مرحوم اور جہاں داود خان مرحوم خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس قبیلہ میں موجود وقت حضرت قابل
 ذکر ہیں ان میں ریشاڑ صوبیدار محمد حیات خان، صوفی عبدالکیم خان، صوفی محمد خان، محمد لطیف خان، محمد رفیق
 خان، محمد شفیق خان، چچو خان، محمد اسلم خان، نذر محمد خان، میر حسن خان، محمد لکھن خان، مولوی محمد علی محمد خان
 محمد براہیم خان، میان عبدالعزیز خان، محمد شریف خان، فضلین خان، صاحب دین خان، محمد اقبال خان
 عقل حسین خان، سلطان محمد خان، محمد عظیم خان، محمد بخش خان اور محمد افسر خان قابل ذکر ہیں۔ ریشاڑ
 صوبیدار محمد حیات خان جہاں داود خان ۱۹۳۷ء میں بھی شامل رہے ہیں اور شاندار خدمات انجام دی ہیں
 آپ اپنے گاؤں میں اصلاحی کاموں میں بہرہ فرجہ پیش قدمی اور اپنے گاؤں کی تعلیمی کمی کے سدھاری ہیں۔
 صوفی محمد کیم خان نے بھی کشمیر کی جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ چچو خان اور محمد رفیق
 خان بھی بنگالی شریک رہے ہیں۔ محمد خان کا بیٹا محمد اسلم خان شرقی پاکستان میں جنگی خدمات انجام دیتے ہوئے
 بھارت کا قیدی بھی رہا ہے اور کانیا طرہ سید رہا ہو کر واپس آیا۔ صوفی محمد خان اس قبیلہ کے انتہائی شہسوار
 اور دیندار فوجیان ہیں۔ آپ نے اپنے گاؤں میں مدرسہ تعلیم القرآن کے اجراء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ یہ
 ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ تعلیم القرآن نہایت بہن نکلیں اس وقت سینکڑوں طالب علم زیر تعلیم
 ہیں۔ مولوی محمد عظیم خان اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ محمد لطیف خان نے بی۔ اے
 تک تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ ایک بہترین اہل قلم بھی ہیں اور ملکی سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں حال
 ہی میں راولاکوٹ اور پٹنہ کے فوجیوں نے انقلاب کے نام سے جو عظیم فتنہ مچا ہے آپ اس کے پوچھنے پر تڑپتی
 ہیں۔ محمد قبیلہ کی ایک شاخ راولی دھوکا کا ذکر محمد رفیق خان نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پنجاب کی دوسری جلد
 میں کیا ہے۔ فوق صاحب لکھا ہے کہ یہ دوسری جلد اگرچہ بنیادی ہے مگر اہم کے پاس موجود ہے اس میں فوق صاحب
 لکھتے ہیں کہ کھکھ قبیلہ کی ایک شخص کلاس خان رہتا تھا جو دلا کا باغ میں رہتا تھا۔ اس کے
 دو فرزند رحمت اللہ خان وصال اللہ خان عرف گنیا خان تھے۔ رحمت اللہ خان کھکھ سکونت ترک کر کے باغ
 کے ایک گاؤں راولی میں چلا آیا۔ اس کے دو فرزند رانا خان اور ملک خان تھے۔ رانا خان کی چوتھی پشت میں رانا خان
 ایک سرکردہ شخص گذر رہا ہے اس کی چوتھی پشت سے دو حقیقی بھائی ڈوڈا خان اور محمد رفیق شاخ راولی میں
 آباد ہے۔ حیدر خان کی چوتھی پشت سے مراد خان و سید نور خان پسران عالی بیگ خان اچھی شہرت کے
 مالک تھے۔ مراد خان کے دو بیٹے آگے خان و مراد خان تھے اور سید نور خان کے بیٹے کا نام داود خان تھا۔

ناور خان کے دو بیٹے نور خان و محمد خان ہوئے ہیں۔ نور خان کی چوتھی پشت سے نور خان و میر زمان تھے جن
 کے باپ کا نام قیصر خان تھا۔ نور خان کے دو بیٹے نور خان و عالم دین خان ہوئے۔ نور خان کے بیٹے کا نام
 محمد اسلم خان ہے۔ دوسرا بیٹا محمد ایوب خان لاولہ و قات باجکا ہے۔ عالم دین خان کے تین بیٹے زمین اکرم خان
 نذیر اکرم خان، اشیر اکرم خان ہیں۔ نذیر اکرم خان کا کذاغات میں بھی کھکھ درج ہیں۔ میر زمان کا بیٹا محمد رفیق خان و قات
 باجکا ہے۔ محمد رفیق خان کے بھائی محمد سلطان کے دو بیٹے محمد الدین خان و شفیق محمد نور خان تھے۔ ان میں محمد الدین خان کا ایک
 فرزند رشید دین خان ہے۔ شفیق محمد نور خان عافی دار کے چھ فرزند گل احمد خان، محمد لطیف خان، محمد اسلم خان
 محمد علی خان، محمد عزیز خان، محمد سید علی خان، گل احمد خان فرخ محمد خان اور اس کے دو بیٹے محمد علی خان و محمد
 رشید خان ہیں۔ حیدر خان کا ایک بیٹا فوار محمد خان تھا۔ اس کا بیٹا امام الدین تھا۔ امام الدین کے پانچ فرزند
 خیر محمد خان، شفیق عالم دین خان، پشوری، غلام الدین خان، محمد رفیق خان، محمد ایوب خان ہیں جو موضع کیاٹ
 میں آباد ہیں۔ اس کے کذاغات کھکھ مال میں بھی قوم کھکھ درج ہے۔ مراد خان کے دوسرے فرزند کا نام وارث
 خان تھا۔ وارث خان کے دو فرزند ملا خان اور بخش خان تھے۔ ملا خان کے دو بیٹے محمد الدین خان و سید کیم محمد رفیق
 شفیق فضل الدین خان و شہزاد محمد ایوب خان تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی قوم بھی کذاغات کھکھ مال میں کھکھ درج ہے۔ محمد
 محمد علی خان کے دو فرزند محمد شہزاد خان اور محمد علی خان ہیں۔ محمد ایوب خان فرج میں چکا ہے اور محمد اسلم خان فرج میں
 رہا ہے اور شہزاد خان شہزادہ شفیق فضل الدین خان کے فرزند محمد رفیق خان، محمد رفیق خان اور محمد ایوب خان ہیں۔ محمد ایوب خان
 بیٹا یونیکہ ہے۔ ملا خان کے بھائی شفیق خان کے دو فرزند گل علی خان اور میر خان تھے۔ گل علی خان کے بیٹے کا نام تمام
 علی خان تھا جو محمد کے دو بیٹے محمد سید خان اور محمد علی خان ہیں۔ محمد سید خان ۱۹۳۷ء میں فوق کا خالدار بن کر چکا ہے
 محمد علی خان کے دو فرزند شفیق فضل الدین خان و عابد اکرم خان درودست محمد خان تھے جن کی قوم محمدی چار سالہ موضع راولی میں
 کھکھ کی نبرہ اپنی کھکھ درج ہے۔ شفیق فضل الدین خان عابد اکرم کے پانچ فرزند عابد اکرم محمد ایوب خان، محمد یوسف خان
 محمد علی خان، وزیر محمد خان اور نور محمد خان ہیں۔ عابد اکرم محمد ایوب خان تعلیم یافتہ ہے۔ ۱۹۳۷ء میں بھلا فوق میں
 رہ چکا ہے۔ عابد اکرم محمد ایوب خان نے بھلا فوق میں رہ کر کچھ خدمات حاصل کئے۔ ۱۹۳۷ء کی جنگ آزادی میں
 بھی شاندار خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۷ء میں فوسے نارنہ جو کہ ریشاڑ پاکستان پر ملازمت کرتی۔
 عابد اکرم محمد ایوب خان کے تین فرزند شفیق احمد خان، گلزار محمد خان اور ریاض احمد خان ہیں۔ راولی
 کا یہ کھکھ قبیلہ شہر سے بھی زراعت پیشہ اور وسیع زمینوں کا مالک رہا ہے۔
 کھکھوں کی شاخ جو کہ محمدی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہاں کے کھکھ بتاتے ہیں کہ ان کا باغ اعلیٰ و امین بیٹ
 خان نے بنائی ہے کہ محمدی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہاں کے کھکھ بتاتے ہیں کہ ان کا باغ اعلیٰ و امین بیٹ
 خان نے بنائی ہے کہ محمدی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہاں کے کھکھ بتاتے ہیں کہ ان کا باغ اعلیٰ و امین بیٹ

